سلسلۃ المنشورات (70)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله

"اور یقیناً یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے ہٹا دیں گے۔" (الانعام: 153/6)

تنقیدِ سدید

بر رسالہ اجتہاد و تقلید محمد ادریس کاندھلوی

تصنیف

شیخ العرب والعجم علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ

(شارح سنن نسائی) استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبۃ الإمام البخاری
الدار العلمیۃ لنشر التراث الإسلامی
متصل مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ کراچی
Ph:2217337 , 0321-8750161

مکتبۃ السنۃ
الدار السلفیۃ لنشر التراث الإسلامی
منظور کالونی گجر چوک، کراچی
Ph:8246734 , 0300-2160113

سلسلة المنشورات (70)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وان هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله

”اور یقیناً یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے ہٹا دیں گے“۔ (الانعام: 153/6)

تنقید سدید

بر رسالہ اجتہاد و تقلید محمد ادریس کاندھلوی

تصنیف

شیخ العرب والعجم علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ

(شارح سنن نسائی) استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ

مكتبة الإمام البخاری
الدار العلمية لنشر التراث الإسلامی
متصل مسجد اہل حدیث کورٹ روڈ کراچی
Ph:2217337 , 0321-8750161

مكتبة السنة
الدار السلفية لنشر التراث الإسلامی
منظور کالونی گجر چوک، کراچی
Ph:8246734 , 0300-2160113

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب ــــ تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید
نام مصنف ــــ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ
طبع اول ــــ ادارۂ احیاء تراث اہل السنۃ الہ آباد، وزیر آباد
اہتمام ــــ حکیم عبد المجید الہ آبادی
تعداد صفحات ــــ 424 سائز 23x36=16
طبع ثانی ــــ 20 رجب 1428ھ ـ 2007ء
قیمت ــــ RS 250.00 روپے
مراجعہ و تصحیح ــــ محمد افضل اثری / فضل اکبر
ناشر ــــ مکتبۃ السنۃ / مکتبۃ الامام البخاری، منظور کالونی کراچی

ضروری اعلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

کتاب "تنقید سدید بر رسالۂ اجتہاد و تقلید" شیخ العرب والعجم استاذنا السید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے علمی اور تحقیقی شاہ پاروں میں سے ایک ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ کتاب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولانا محمد الیاس کاندہلوی کی کتاب "اجتہاد و تقلید" کے جواب میں تصنیف فرمائی تھی جس کو سب سے پہلے حکیم عبدالمجید الہ آبادی نے ادارہ احیاء تراث اہل السنۃ وزیر آباد سے شائع کیا جو کہ ادارہ کی طرف سے پہلی شائع کردہ کتاب تھی کتاب کا مسودہ مولانا محمد صدیق الحسن چیمہ صاحب نے پڑھ کر کتابت کی غلطیاں درست فرمائی تھیں اور تصدیر عظیم محدث علامہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے لکھی تھی۔

اب الحمد للہ ادارہ "مکتبۃ السنۃ" شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس تصنیف لطیف کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے پوری کتاب بڑی محنت اور عرق ریزی سے پڑھی ہے۔ کتاب کے آخر میں ۶ صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ کی غلطیاں کتاب میں لگادی گئی ہیں جبکہ کتابت کی مزید بہت ساری غلطیوں کی بھی تصحیح کرکے کتاب کو اغلاط سے پاک کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے حتی الوسع محولہ کتب کے حوالہ جات کے سلسلہ میں اصل کتب کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ ہم اپنی کاوشوں میں کس حد تک کامیاب

ہوتے ہیں ؟ اس کا فیصلہ ہم معزز قارئین پر چھوڑتے ہیں ۔ ہم اپنے عزیز بھائی نصرت اللہ شاہ صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انھوں نے کتاب "تنقیدِ سدید" شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ۔

جبکہ راقم الحروف کو محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ سے انکی تصانیف شائع کرنے کی اجازت کا بھی شرف حاصل ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے ۔ کتاب کو ہر قسم کی عبارتی غلطیوں سے پاک کرنے کی پوری کوشش کے باوجود اگر کسی جگہ کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے ۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ جہاں بھی کوئی غلطی دیکھیں ہمیں مطلع فرمائیں اِن شاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے گی ۔

مراجعہ و تصحیح کے سلسلہ میں دینی بھائی فضل اکبر حفظہ اللہ تعالیٰ کا تعاون قابلِ قدر ہے جس پر ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں ۔

اللہ تعالیٰ ادارہ کے جملہ متعلقین اور معاونین کی محنت قبول فرمائے ۔ اللہ کریم اس کتاب کو لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے اور اس کے مصنف کے لئے صدقۂ جاریہ ۔ رب العالمین سے دُعا ہے کہ وہ ادارہ "مکتبۃُ السنۃ" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور مزید علمی اور مالی وسائل سے نوازے تاکہ دینِ اسلام کی خدمت کے لئے کوشاں رہے ۔ اللہ رب العزّت ہماری اس حقیر سی خدمت کو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنائے ۔ (آمین یارب العالمین

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ

خادم السنۃ النبویۃ المطہرۃ ، محمد افضل الاثری مدیر مکتبۃ السنۃ کراچی

۱۰ رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق ۳۱ جولائی ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیر

"تقلید اور عمل بالحدیث" کے مباحث صدیوں پرانے ہیں۔ تقلید جامد کے رسیا اور امت کا درد رکھنے والے مصلحین اس موضوع پر سیر حاصل بحثیں کر کے خوب خوب داد تحقیق دے چکے ہیں۔

خیر القرون کے سیدھے سادے دور کے مدتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہب اربعہ کے بعض مقلد فقہاء نے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گل نہیں کھلائے حتیٰ کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام تک کو نیچا دکھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا جیسا کہ ساتویں آٹھویں صدی کے شافعی اور حنفی فقیہوں کی بعض کتابیں جن لوگوں کی نظر سے گزری ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اسلام کے صدر اول کے علماء کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ فقہائے محدثین اور فقہائے اہل الرائے۔ اول الذکر میں امام احمدؒ اور امام بخاری رحمہ وغیرہما کا ذکر فرمایا، جب کہ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابو حنیفہ رحمہ وغیرہما کو اہل الرائے کا سرخیل تبلایا ہے۔ ساتھ ہی دونوں کے طریق استدلال کی تفصیل دے دی ہے۔ اس طرح انہوں نے فقہ حنفیہ پر جمود کی اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی طرح ڈال دی کیونکہ موصوف نے حجۃ اللہ البالغۃ اور مصفّٰی، مسوّٰی (موطا امام مالکؒ کی دونوں شرحوں) میں عموماً اول الذکر کی موافقت کی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ کے بعد ان کے پوتے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے "تنویر العینین" اور "ایضاح الحق" اپنی دو کتابوں کے ذریعے سے اس مسلک کو آگے بڑھایا بلکہ عملاً اس کو نافذ فرمایا۔ پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ (نواسہ وفیض یافتہ شاہ عبدالعزیز رحمہ) کے جانشین تلمیذ خاص حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے پون صدی کے درس حدیث کی برکت سے اس مسلک (عمل بالحدیث) نے نشوونما پائی تو اس کی وسعت پذیری

کو تقلید جامد کے حامل حنفی حضرات برداشت نہ فرما سکے، چنانچہ اس رو پہ بند باندھنے کی مختلف تدبیریں کی گئیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کتاب "تنویر الحق" تالیف کی گئی جس کا اصل ہدف "ایضاح الحق" اور "تنویر العینین" (تالیف مولانا شہید مرحوم) کا توڑ مہیا کرنا تھا کیونکہ ان دونوں کتابوں سے تقلید جامد کی انحصاری دیوار ٹوٹتی نظر آ رہی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا سید میاں محمد نذیر حسین (شیخ الکل) کو "معیار الحق" کتاب میں تنویر الحق کا تفصیلی جائزہ لینا پڑا جو تحقیق و سنجیدگی کا شاہکار ہے۔

اندریں صورت ولی اللّٰہی فکر کے حامل اصحاب دو حلقوں میں بٹ گئے اہل تقلید اور اہل حدیث ۔۔۔ اول الذکر بعد میں دیوبندی احناف کی صورت اختیار کر گئے جنھوں نے اہل الرائے کی نمائندگی و ترجمانی کو اپنی تدریس و تالیف کا ہدف بنا لیا اور ذاتی تاویلات کو خوب کام میں لائے اور اس کو اصل حنفیت قرار دیا جب کہ اصحاب الحدیث کی تائید اور صدر اول کے طرز علم و عمل کی تبلیغ و اشاعت اہلحدیث کے حصے میں آئی فللّٰہ الحمد۔

وہ دن جاتا ہے اور یہ دن آتا ہے کہ آج تک ان دو طبقوں کی متقابل تالیفات کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور یوں دونوں طرف کے دلائل و متمسکات پورے طور پر سامنے آ گئے ہیں مزید کاوش کی بالکل ضرورت نہیں رہی لیکن حنفی بزرگ ابھی تک حدیث پر عمل کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں اور آئے دن کسی نہ کسی بہانے "غیر مقلدیت" کے خلاف فرسودہ اور بے سود بحثیں چھیڑتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ گذشتہ قریبی سالوں میں "اجتہاد و تقلید" عنوان سے لاہور کے ایک حنفی دیوبندی مرحوم بزرگ نے بے ضرورت کاوش فرمائی تھی جس میں ترک تقلید ہی کا مرغنا رویا گیا ہے اسی کتاب کا تنقیدی جائزہ زیر تالیف ۔۔۔ تنقید سدید بر اجتہاد و تقلید ۔۔۔ میں لیا گیا ہے۔ تقلید جامد کی حمایت میں لکھی گئی اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں، وہی عامۃ الورود مغالطات جو علمائے دیوبند کی کتابوں اور رسالوں میں آج تک آتے رہے ہیں یعنی حنفی مذہب کے جذبات پر مبنی فضائل، مذاہب اربعہ پر اس کی ترجیح کا سفسطہ، متبوع و مقلد ہونے کی حیثیت سے حضرت امام ابوحنیفہ رح کے مناقب میں غلو اور مبالغہ آرائی،

اصحاب الحدیث پر اہل الرائے کے تفوّق کا مغلطہ، محدثین پر مقلد ہونے کا الزام بے ثبوت، مذاہب اربعہ میں حق کے انحصار کا دعوائے بلا دلیل، ترکِ تقلید کے مزعومہ مفاسد اور یہ کہ اجتہاد کا دروازہ اب مدتوں سے بند ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گلِ سرسبد حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب (پیر آف جھنڈا) دامت برکاتہم وعمت فیوضھم نے "تنقیدِ سدید" میں مقلدینِ احناف کے ان سب متمسکات پر مدلل ومبرہن اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہلِ ذوق مطالعہ شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ طعن وتشنیع سے احتراز کیا گیا ہے، بس نفسِ موضوع کو سامنے رکھا ہے، غیر ضروری باتوں سے اجتناب ہے اور ہر بات باحوالہ ہے، اہلِ علم اور عوام دونوں کے لیے یکساں مفید، یقین افروز اور بصیرت افزا۔ امید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی واللہ الموفق

آخر میں دیوبندی حضرات سے دردِ دل سے استدعا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مساعی اس سلسلے میں اس لیے تھیں کہ حدیث پر عمل کرنے کو برداشت کرکے آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے اور مل کر اسلام کے وسیع تر مفاد میں مشترکہ طور پر کام کرنا چاہیے کہ یہی اس دور میں ملتِ اسلامیہ کے مفاد کا تقاضا ہے۔ جماعت اہل حدیث اس کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہے اور عمل کی حد تک مسلک حنفیت کو برداشت کرتی ہے۔ تاہم اس پر اور اس کے اکابر پر حملہ ہو تو اس کو حقائق سامنے لانے پڑتے ہیں جیسا کہ رسالہ "تنقیدِ سدید" میں آپ دیکھیں گے۔ ھذا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

خادم الحدیث وأھلہ

خاکسار: ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

دار الدعوۃ السلفیۃ۔ لاہور

۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ ——— ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی وضع لاھل التحقیق النھج الداح

ویسر لھم علوما فھی لھم بمنزلۃ العین الرحراح

وارسل رسولا یعلمھم الکتب والحکمۃ ویضع عنھم

اصرھم والاغلال التی کانت علیھم بکبرھا وطعنھا بالرماح

فقبلتہ صدورھم بالاستبشار والانشراح وتضیقت قلوب اھل

التقلید وانقبضت فما قبلت بل بقوا فی الظلام ولم یتعقب

لیلھم الصباح۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ العلیم الحکیم

الفتاح واشھد ان سید العالمین محمد اعبدہ ورسولہ حامل

لواء النجاۃ والفلاح شھادۃ تتکفل لصاحبھا بالفوز والنجاح صلی اللہ

علیہ وسلم وعلی آلہ واھلہ وصحبہ ومن تبعھم بالاحسان

والصلاح۔ امابعد:۔

کتاب "تنقید سدید" کا پہلا ایڈیشن ہمارے واجب الاحترام قارئین کے سامنے ہے۔ اِس کی تصنیف کا باعث یہ ہے کہ چند سالوں کی بات ہے کہ حیدرآباد ضلع میں ایک مولوی صاحب نے تقلید شخصی کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کے لیے چیلنج کہلوا بھیجا۔ ہم نے یہ چیلنج منظور کیا اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب مولوی صاحب موصوف کو یہ علم ہوا

توایک رسالہ بنام الاجتہاد والتقلید ہماری طرف بھیجا۔ اور اُن کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ مناظرے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسی رسالے کا جواب لکھ کر بھیج دیں۔ ہم نے رسالے کا مطالعہ کیا تو اُس کے اندر دو باتیں پائیں ایک تقلید شخصی کے وجوب پر زور دیا گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی باتوں سے جن کو مصنف دلائل سمجھ کر تقلید کرنے پر بہت زور دے رہا ہے اور فی زمانہ اس کو بہت ضروری اور اہم ثابت کر رہا ہے اور دوسری یہ چیز کہ قیاس شرعی حجت اور بہت ضروری ہے اور اُن کے اپنے خیال میں جو دلائل تھے اُن سے قیاس کی فضیلت اور فوائد کو بیان کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں کوششیں ایک دوسرے کے سخت معارض اور متناقض ہیں۔ کیونکہ مصنف رسالہ اور اُن کے ہمنواؤں کے نزدیک قیاس حجج اربعہ شرعیہ میں سے ہے اور حجج شرعیہ سے مسائل کا نکالنا یا ادلہ شرعیہ کو استنباط یا استدلال کے لیے استعمال کرنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا۔ پس اگر قیاس کو ثابت کیا جاتا ہے۔ یا اُس کی ترغیب دی جاتی ہے تو اس کا صاف معنیٰ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقلد ہو کر رہنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور قیاس کو استدلالاً استعمال کرنا دائرہ تقلید سے باہر نکل جانا ہے۔ اور اسی طرح یہ سارے عذر ختم ہو گئے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ یا اب اجتہاد کرنے کا کوئی اہل نہیں یا اب تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور دوسری طرف اگر تقلید واجب ہے۔ اور اُس کے بغیر چارہ نہیں تو پھر قیاس کی ترغیب دینا۔ چہ معنی دارد اور بقول مصنف رسالہ اب ہم سب تقلید ہی کے دائرہ میں رہ سکتے ہیں تو پھر قیاس کون کرے گا؟

قیاس یا کسی اور دلیل شرعی سے استنباط کرنا یا استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے حالانکہ مصنف رسالہ جہاں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس وقت کسی کو تقلید کے بغیر کوئی

اور چارہ نہیں ۔ ہاں اس پر بھی بہت زور دیتے ہیں کہ قیاس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کئی مسائل میں بقول اُن کے علماء کو مجبور ہو کر قیاس ہی سے حل تلاش کرنا پڑتا ہے ۔ اب انصاف فرمائیں ان دو متضاد باتوں میں سے کس بات کو اپنایا جائے ۔ اگر تقلید کرنی ہے تو اُن کو ادلہ شرعیہ (قیاس وغیرہ) سے استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا بلکہ اُس کے لیے اُن کے امام کا قول ہی سند ہے ۔ اما المقلد فمستندہ قول امامہ لا ظنہ ولا ظنہ (مسلم الثبوت) اور اگر قیاس کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور جرأت کرتے ہیں تو اُن کو دائرہ تقلید سے باہر نکلنا پڑتا ہے ۔ ؎

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

رسالہ مذکورہ کے رد کرنے کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اُن کے مضمون کے دونوں حصے ایک دوسرے سے متعارض ہیں اور ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں ۔ بایں ہمہ ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے رسالہ کا مفصل جواب بصورت کتاب تحریر کیا جو کہ ناظرین کی خدمت میں ہے ۔ تفصیلی جواب سے پہلے اجمالی جواب لکھا گیا ہے جس میں رسالہ مذکورہ کے سترہ مقام نقل کر کے اُن پر مختصر تنقیدی نوٹ لکھے گئے ہیں جو کہ الزامی ہونے کے ساتھ اُن کے اندر ایک تحقیقی انداز بھی ہے ۔ اور یہ سترہ مقام ایسے ہیں جن پر پورے رسالے کا محور چلتا ہے ۔ ان کے جواب سے پورے رسالے کی بنا اُکھڑ جاتی ہے ۔ اور انہی مختصر جوابات سے اہلِ علم کو تفصیلی جواب سمجھنے میں نہایت آسانی ہو گی ۔ تفصیلی جواب میں ہم نے آیات اور احادیث پھر اقوال علماء خصوصاً اقوال حنفیہ کو جمع کیا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ اس تحقیق کو دور کے علماء تقلید کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیں گے ۔ حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم وفضلہ صـ۲۹۱ میں قصیدہ

لکھتے ہیں۔ جن میں سے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ ؎

یا سائلی عن موضع التقلید خذ

عنی الجواب بفهم لب حاضر

واصغ الی قولی و دن بنصیحتی

واحفظ علیّ بوادری ونوادری

لا فرق بین مقلد وبهیمة

تنقاد بین جنادل ودعاثر

دراصل یہی تقلید جس کی وجہ سے علم حدیث کی طلب اور سمجھنا یا حفظ کرنا اور اُس پر عمل کرنا۔ ان سب باتوں کا دروازہ تنگ نظر آرہا ہے۔ ورنہ سلف صالحین کو دیکھئے کہ وہ باوجود اس کے کہ اُن کو کئی مشاغل تھے۔ تجارت۔ ہنر۔ مزدوری اور ملازمت وغیرہ کے باوجود حدیث کے راوی۔ سامع۔ حافظ۔ کاتب۔ مُملی اور مُستملی وغیرہ نظر آتے ہیں۔ اور حدیث کے مذاکرہ اور مدارسہ وغیرہ میں مشغول پائے جاتے ہیں کتب احادیث کی سندوں میں راویوں کی نسبتیں دیکھتے ہیں۔ تو پتا لگتا ہے کہ یہ لوگ بموجب آیت رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ الآیۃ (النور ع ۵ پ ۱۸) باوجود ان مصروفیات اور مشاغل کے کس قدر علم حدیث کے حاصل کرنے اور اُس کے نشر کرنے میں منہمک تھے۔ اُن میں سے چند نسبتیں یہ ہیں:۔ مثلاً۔

الآجری۔ الابّار۔ الاسقاف۔ الاشنانی۔ البزار۔ البزاز۔

البقال۔ البواب۔ التاجر۔ التبان۔ التبوذکی۔ التراس۔ التمار۔

الثلاج۔ الجزار۔ الجصاص۔ الجلودی۔ الجندی۔

الجوہری۔ الحائک الحال۔ الحداد۔ الحذاء۔ الحرقی۔ الحریری
الحصری۔ الحطاب۔ الحفار۔ الحلوانی۔ الحفاء۔ الخباز۔ الخزاز۔
الخشاب۔ الخفاف۔ الخلال۔ الخیاط۔ الدباس۔ الدباغ۔ الدقاق۔
الدولابی۔ الدلال۔ الدیباجی۔ الذراع۔ الذہبی۔ الرزاز۔ الرفاع۔
الرمانی۔ الزبیتی۔ الزجاج۔ الزراد۔ الزعفرانی۔ الزیات۔ الساجی۔
السباق۔ السختیانی۔ الشالنجی۔ الشروطی۔ الشعیری۔ الصابونی۔
الصائغ۔ الصباغ۔ الصراف۔ الصفار۔ الصواف۔ الصیدلانی۔
الصیاد۔ الضراب۔ الطاطری۔ الطبیب۔ الطحان۔ الطسطی۔
الطیالسی۔ الغسال۔ العصار۔ العصفری۔ العطار۔ الغزال۔
الفاکہی۔ الفای۔ الفحام۔ الفراء۔ الفلاس۔ القاضی۔ القباب۔
القراطیسی۔ القراظ۔ القراز۔ القصاب۔ القطان۔ القفال۔
القناد۔ القواریری۔ القواس۔ الکاغذی۔ الکباش۔ الکجی۔
الکحال۔ الکرابیسی۔ الکیال۔ اللباد۔ اللجام۔ اللؤلوی۔
اللارستانی۔ المجبّر۔ المجمر۔ المحاملی۔ المشاط۔ المطرز۔ المنجنیقی
المؤذن۔ النجاد۔ النجار۔ النخاس۔ النحالی۔ النقاش۔ الوزان۔ الوزیر۔
الوکیل۔ اللالکائی۔ الیاقوتی۔ وغیرہ۔

وما یعلم جنود ربک الا ھو۔

چونکہ یہ لوگ تقلید کے پھندے سے آزاد تھے اس لیے باوجود ان مصروفیات
کے علم حدیث کو گاؤں بگاؤں، شہر بہ شہر جاکر کہیں سوار، کہیں پیادے جاکر حاصل کرتے

اور دوسروں تک پہنچاتے۔ مگر برا ہو تقلید کا کہ ہم کو گھٹنوں کے بل بٹھا کر اس علم سے کافی محروم کر دیا۔ اور ہم صرف فقہی اقوال و آراء، واقیسہ پر قناعت کفایت کرنے لگے۔ اور تحقیق و دلائل کی چھان بین کر کے صحیح مسلک تلاش کرنا۔ یا مختلف اقوال میں سے حق کا انتخاب کرنا۔ اس کے لیے کسی محنت یا کاوش کو ضروری نہیں سمجھا اور صرف اسی فتویٰ کو سہارا سمجھا کہ ہمارے بڑوں نے فرمایا ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہے لہٰذا یہی طریقہ باقی ہے۔

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

اسی طرح سلف کی طوفانی کوششوں کو ہمیشہ کے لیے مسدود کرنے کی راہ نکالی گئی۔ حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو فی زمانہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کئی گنا اجتہاد اور تحقیق کی راہیں نہایت آسان کر دی ہیں۔ ہمارے اسلاف جو کہ ایک روایت کے لیے کئی مہینے پیدل سفر کرتے تھے۔ وہ اکثر سب حدیثیں ہمارے سامنے کتب اور مجموعات کی حیثیت سے موجود ہیں۔ پھر محدثین کے ابواب اور تراجم اور علماء کی شرح اور حواشی اور حواشی پھر لغت و ادب اور بلاغت کی کتابوں کا عام ہونا۔ پھر جگہ جگہ مدارس اور جوامع کیا یہ سب اس بات کی دلیل نہیں کہ اس وقت تحقیق اور اجتہاد کا راستہ نہایت سہل ہے حدیثوں کی کئی کتابیں جن کا صرف نام سنتے تھے۔ وہ آج پوری یا کچھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ معجم الکبیر للطبرانی۔ مسند الحمیدی۔ سنن سعید بن منصور وغیرہا۔ کیا ایسے دور میں بھی کسی عالم کے لیے شایانِ شان ہے کہ اتنے اسباب میسر ہونے کے باوجود بھی تقلید کے دائرے میں مقید رہے۔ یا اپنے آپ کو مقلد کہلائے۔ حاشا وکلا۔

ساقی بیا کہ موسم عیش است وانبساط
خواہم شدن بسیر سنن اھدنا الصراط

آمدم برسر مطلب ہم نے جواب لکھ کر مولوی صاحب موصوف کی طرف روانہ کیا مگر حیلہ ساز را بہانہ بسیار۔ مولوی صاحب نے یہ جواب دے کر کتاب واپس کی کہ ہم نے کتاب مطبوع پیش کی تھی۔ آپ بھی مطبوع پیش کریں۔ اس جواب کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کا کیا باعث ہے۔ یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

ع
میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اس کتاب کا کچھ حصہ کچھ دت پہلے ہفتہ وار اخبار الاسلام میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ اب یہ کتابی صورت میں شائع ہو کر قارئین کے سامنے ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیت عام بخشے اور مصنف اور کاتب اور جن لوگوں نے اس کی طباعت کے لیے جانی و مالی محنت کی ہے۔ اُن سب کی اس نیک سعی کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو لوگوں کی رہنمائی کا سبب بنائے۔

انہ تعالیٰ قریب مجیب۔

المؤلف:۔ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی غفرلہ ولوالدیہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

اما بعد: - یہ رسالہ ہدایت مقالہ علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ "اجتہاد و تقلید" کے جواب میں لکھا جاتا ہے اور نام تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید" رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ طالبان تحقیق کو حق و باطل کا امتیاز معلوم ہو جائے گا۔ مفصل جواب سے پہلے چند عبارات نقل کرکے اجمالی نوٹ دئے جاتے ہیں۔

(۱) "سب سے بڑا شاہد عدل خود حضرات محدثین کا عمل ہے" صہ ۹ سطر ۱ اب دیکھنا ہے کہ ان کا عمل اہل حدیث کے موافق ہے یا موجودہ علماء حنفیہ کے۔ نیز شاہد عدل کی بات ماننا تقلید نہیں تحقیق ہے۔ اصول فقہ حنفی کی معتبر کتاب فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۴۰۲ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے وکذا رجوع العامی الی المفتی والقاضی الی العدول لیس هذا الرجوع نفسه تقلیداً اھ۔ یعنی عامی کا مفتی کی طرف یا قاضی کا شواہد عدول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ محدثین کا فیصلہ ماننا تقلید نہیں ہے بخلاف فقہا کے وہ تو ان کی شہادات (روایت کی ہوئی حدیثوں) کی طرف رجوع کرتے ہیں اور

انہی کے شواہد پران کا تفقہ موقوف رہا جیسا کہ قاضی کا فیصلہ شواہد پر موقوف ہوتا ہے پس دراصل یہ سلسلہ محدثین کا رہا نہ فقہا رکا نیز فقہا بھی مقلد نہیں رہے اس لیے کہ گواہ کی گواہی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ۔ کما مضیٰ ۔

۲ - "اہل حدیث تو تمام صحابہ تھے" صلہ سطر ۱۲ ع الفصل ما شہد بہ الاعداء اس سے ثابت ہوا کہ اہل حدیث کوئی نیا فرقہ نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے ۔ بلکہ یہ عہد نبوی کی قدیمی جماعت ہے ۔ لیکن یہ بتائیں کہ کوئی ان میں حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی بھی تھا ؟ اور صلہ ایں خود انکار کر رہے ہو ۔

۳ - "سب کی اتباع کیا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا" صلہ سطر جس کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ کے یہ اقوال ایک دوسرے کے ایسے مخالف و معارض ہیں جو ایک کے قبول کرنے سے دوسرے کا رد لازم آئے گا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مختلف اقوال میں حق ایک ہی قول ہے ۔ پھر چاروں مذہب کیسے حق ہوئے جو قول حق ہے اس کا معارض باطل ہوگا ۔ نص قرآنی ہے کہ فماذا بعد الحق الا الضلال (یونس ع پ ۱۱) اب حق و باطل کا معیار کیا ہوگا دلیل یا اور کوئی چیز ؟ علی الاول اجتہاد ہوا تقلید نہیں رہی ۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ (فواتح الرحموت صنہ ج ۲)

ترجمہ: "کسی قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے ۔"

اسی طرح آپ نے بھی صنہ پر کہا ہے کما سیأتی ۔ اور بصورت تقلید قول و حق باطل کا فرق معلوم نہیں ہوگا ۔ اس لیے قرآنی حکم ہے کہ

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول (النساء ع پ ۵)

ترجمہ: "جس چیز میں اختلاف کریں اس کو (فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ ۔"

یہ تقلید کا استیصال اور بیخ کنی ہے۔

۴۔ بلا دلیل دریافت کیے کسی فتوے پر عمل کرنا ہی تقلید شخصی ہے۔" صـ۱۱ سـ۱۹ یہی تعریف اہل لغت نے بھی کی ہے دیکھو صحاح جوہری صـ۲ ج ۵۲۴ تاج العروس صـ۴۱۵ ج ۲۔ اقرب الموارد صـ۱۰۲۹ ج ۲۔ تہذیب اللغات للنووی صـ۱۰۱ منجد صـ۴۶۵ وغیرہ نیز فقہا بھی یہی کہتے ہیں دیکھو امام غزالی کا المستصفی صـ۳۸۷ ج ۲ فواتح الرحموت صـ۴۰۰ ج ۲ مع المستصفی اور دلیل فقہاء کے نزدیک چار قسمیں ہے۔ قرآن حدیث اجماع اور قیاس دیکھو تلویح صـ۱۹ ج ۱۔ نور الانوار صـ۶ حسامی صـ وغیرہ۔ یہاں چند امور معلوم ہوئے اول یہ کہ تقلید علم نہیں بلکہ جہل ہے امام غزالی فرماتے ہیں کہ

التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ ولیس ذالک طریقا الی العلم لا فی الأصول ولا فی الفروع (المستصفی صـ۳۸۵ ج ۲) "بلا دلیل کسی قول کو قبول کرنا تقلید ہے اور یہ علم کی طرف پہنچنے کا طریقہ نہیں ہے نہ اصول میں نہ فروع میں"۔

اور فواتح الرحموت صـ۴۰۰ ج فی ذیل المستصفی میں ہے کہ

لیس التقلید طریقا الی تحصیل العلم الیقینی "تقلید علم یقینی کے حاصل کرنے کا طریقہ نہیں ہے"۔

پس جو چیز علم حاصل کرنے کا طریقہ نہیں اس کو واجب یا ضروری کہنا کب درست ہے دوم تقلید اس کو متلزم ہے کہ ان چار دلائل کو نہ دیکھا جائے۔ پھر جو چیز قرآن حدیث کے دیکھنے سے مانع ہو وہ واجب یا ضروری تو کجا مباح یا درست بھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کے فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ

اما المقلد فمستندہ قول مجتھدہ لا ظنہ ولا ظنہ (مسلم الثبوت صـ۵ مجتبائی دہلی)

"مقلد کا دلیل فقط اس کے مجتہد (جس کا مقلد ہے) کا قول ہے نہ اس کا اپنا ظن اس کے مجتہد کا۔

پس مقلد کے لیے قرآن و حدیث حجت نہیں رہے اور وہ ان سے محروم رہا۔

سوم امام ابوحنیفہ رح کا فرمان ہے کہ

لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۷ ج ۱)

"جو شخص میری دلیل کو نہ جانے اس کو مناسب نہیں کہ میرے کلام پر فتوے دے۔

اور فواتح الرحموت ص ۲۸۹ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں ہے کہ

وعن ائمتنا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلنا ای من ای اصول قلنا و فتینا فان کان من الخبر فمن ای سند روی فان کان من قیاس فیاتی علۃ قیس و یعلم موانع تلک العلۃ ثم فی النص یعلم ما یتعلق بہ کذا نقل فی التفسیر عن الشیخ ابی بکر الجصاص الرازی۔ "ہمارے ائمہ سے مروی ہے کہ اس شخص کو ہمارے قول پر فتوے دینا حرام ہے جس کو یہ علم نہیں کہ ہم نے کہاں سے کہا اور کس اصول سے کہا یا فتوے دیا اگر حدیث ہے تو وہ کس سند سے مروی ہے اور اگر قیاس ہے تو کس علت سے اور علت کے موانع اور نصوص کے متعلق جو باتیں ہیں وہ بھی اس کو معلوم ہوں۔"

اور دلیل چار قسم ہے کما مر۔ اس بنا پر ائمہ حنفیہ کے قول کے مطابق تقلید حرام ہوئی کیونکہ تقلید بلا دلیل کسی قول پر عمل کرنا ہے۔

۵۔ اُمت نے بلا دلیل دریافت کیے ان کے فتوؤں پر عمل کیا اور ان کی تقلید کی اور اتباع کو اپنے لیے ذریعۂ ہدایت سمجھا اور اسی پر تمام اُمت کا اجماع ہو گیا" ص ۸۳ س ۳ تفصیلی بحث تو اپنی جگہ پر آئے گی مگر بقول مصنف یہ معلوم ہوا کہ تقلید اجماع کی مؤید ہے اور مقلد رہنا اجماع پر عمل کرنا ہے۔ پس یہ بھی تقلید نہ رہی کیونکہ :۔

فالرجوع ..... الی الاجماع لیس منہ فانہ رجوع الی الدلیل (فواتح الرحموت

ص۲۴۸ ج ۲ مع المستصفی) " اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ یہ رجوع الی الدلیل ہے۔"

۶۔ "صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام اس لیے نہ تھا" الخ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۲ ج ۱ میں فرمایا ہے کہ :۔

ان اھل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد والتفقہ لہ والحکایۃ لقولہ کما یظھر من التتبع " چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص شخص کی تقلید خالص پر متفق نہیں تھے اور نہ کسی خاص شخص کی فقہ کے پابند تھے۔ اور نہ ہر امر میں اس کے قول کو نقل کرتے تھے جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے۔ (نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳۵۵ ج ۱۔ المطابع

پس جو چیز قرون اولی میں موجود ہی نہ تھی اس کو واجب یا فرض کہنا جرأت ہے اور جو ضرورت بنائی جاتی ہے کمالیاتی اگر ایسا ہوتا تو ضرور اللہ کے علم میں ہوتا۔ اور ضرور قرآن میں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایسی ضرورت بنا دیتا واذ لیس فلیس ۔

۷۔ " ایک کا ذوق اور فہم دوسرے پر حجت نہیں" ص۹۲ س۱۶ جس کا مطلب کہ ایک دوسرے کی تقلید نہ کرے بلکہ ہر ایک اپنی فہم کے مطابق عمل کرے جو کچھ قرآن حدیث سے سمجھا اس کو عمل میں لائے اسی طرح ص۶۸ س۱۶ س۱۷ پر آپ کا یہ قول کہ " پس جس طرح انبیاء کرام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اس طرح ائمۂ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہی اطاعت ہے" غلط ہے کیونکہ قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنا سب مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اور قرآن میں بھی یہی ارشاد ہے کہ :۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (البقرۃ ٗ ال عمران ٗ الجمعۃ) لیکن اللہ اور رسولؐ کے قول کو کسی دوسرے کی فہم کی روشنی میں سمجھنا یہ نہ اللہ کا حکم ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اس پر اجماع امت ہے ۔

۸ "ہر چیز کا حکم نص قرآن اور نص حدیث میں موجود نہیں" ص۹۴ س۱۳ یہ غلط ہے احکام شرعیہ چار صورتوں میں منحصر ہیں۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحدّ حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمۃ لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔ حدیث حسن۔ "ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کیے ہیں اُن کو ضائع نہ کرو اور حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے مت گذرو اور کئی چیزیں حرام کی ہیں ان کے قریب مت جاؤ اور بعض کے متعلق تم پر مہربانی کرتے ہوئے سکوت فرمایا ہے۔ اور اس کو بھول نہیں ہوئی۔ ان سے بحث نہ کرو" رواہ دارقطنی وغیرہ (الاربعین النوویۃ ص۳۶)

سب احکام انہی چار چیزوں میں آجاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ہر چھوٹا بڑا مسئلہ آیات یا احادیث سے مل جاتا ہے آپ کے اس قول کے بجائے یہ صحیح تھا کہ کئی مسائل ہم کو بوجہ قصور فہم و علم و استدلال نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن دوسروں کو ہو سکتے ہیں وفوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف ع۹ پ۱۳) ولنعم ما قیل ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصر عنہ افہام الرجال

لیکن اس تصور کی بناء پر یہ کہہ دینا کہ کئی مسائل قرآن و حدیث میں نہیں غلط ہے۔ علاوہ ازیں استنباطی مسائل میں فقہا کا اختلاف لازمی ہے۔ پس کیا آپ کا قول سابق "ایک کا ذوق اور فہم دوسرے پر حجت نہیں" یہاں مسئلہ کو صاف نہیں کر دیتا ہے اور تقلید کو ختم نہیں کر دیتا ہے؟

۹۔ "علم اور تقویٰ میں غیر معمولی انحطاط ہو گیا" ص۹۹ س۱ بلکہ واقعہ یہ بتاتا ہے کہ متاخرین

میں کئی لوگ بلنسبت متقدمین کے زیادہ اعلم واتفقہ نظر آتے ہیں مثال کے طور پر دوسرے مکاتب فکر کو چھوڑ کر مذہب حنفی کو لیجئے اور امام محمد کی کتاب الحج و موطأ و آثار کا الجوہر النقی سے مقابلہ کریں اسی طرح امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کا طحاوی کی شرح معانی الآثار سے مقابلہ کریں نیز معانی الآثار کا نصب الرایہ للزیلعی سے شرح مسند ابی حنیفہ علی قاری کو المواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ محمد عابد سندھی سے عقود والجواہر المنیفہ کا آثار السنن نیموی سے مرقاۃ کا التعلیق الصبیح سے الجوہر النقی کا عمدۃ القاری سے مقابلہ کریں، آپ کو بھی نظر آئے گا کہ یہ متأخر زبان حال کہہ رہا ہے کہ ؎

وانی وان کنت الاخیر زمانہ   لآت بما لم تستطعہ الاوائل

اسی بناء پر امام شوکانی رحمہ نے کہا ہے کہ

فان الاجتہاد علی المتأخرین ایسر واسہل من الاجتہاد علی المتقدمین ولا یخالف فی ھذا من لہ فہم صحیح وعقل سوی (ارشاد الفحول ص۲۵۴)

"متقدمین کی بہ نسبت متاخرین پر اجتہاد آسان اور سہل ہے اس کا کوئی صاحب فہم وعقل خلاف نہیں کرسکتا ہے۔

پس جب اجتہاد آسان ہے تو تقلید ممنوع ہوئی جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے کہ "جس شخص کو حق تعالٰی نے قوت اجتہادیہ عطا فرمائی ہے اس کو تقلید جائز نہیں اس کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے۔" ص۶۶ سلا

۱۰ "صحیح بخاری جس کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اُمّت کا اجماع ہے۔"

یہاں چند اُمور معلوم ہوئے۔

(الف) اس کتاب کی صحت اور معتبر ہونا یقینی ہے کیونکہ جو چیز اجماع سے ثابت

ہو وہ یقینی ہوتی ہے کما فی کتب الاصول اور کسی دوسری کتاب کی صحت پر ایسا اتفاق واجماع نہیں لہذا آپ کے فیصلہ کے مطابق وہ سب یقینی نہیں ہوئے پس دع ما یریبک الی ما لا یریبک پر ہی عمل کیا جائے۔

(ب) صحیح بخاری پر عمل کرنا تقلید نہیں کیونکہ جو اس کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کو صحیح سمجھ کر جس پر کہ اجماع ہو چکا ہے۔ پس یہ رجوع إلی الاجماع ہے تقلید نہیں۔

(ج) جو کتاب سب سے اصح ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسری فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا مناسب نہیں۔ اگر کہیں گے کہ سارے مسائل بخاری شریف میں نہیں ہیں لیکن جو اس میں مذکور ہیں کم از کم ان کے متعلق آپ کو بقول اپنے اسی کتاب پر قناعت وکفایت کرنی چاہیے نیز باقی مسائل حدیث کی دوسری کتابوں میں مل سکتے ہیں اور ہمارا حسنِ ظن ہے کہ آپ حدیث کی کتابوں کو کم از کم ان فقہی کتابوں سے تو اقدم جانتے ہوں گے۔

(د) بخاری کی حدیثیں دوسری کتابوں کی حدیثوں کے لیے معیار کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۱۔ " اگرچہ صحابہؓ میں مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نہ تھے" صنا سطر۱۱ اس شہادتِ حقہ کے بعد اب کیا رہ گیا۔ جب کہ پہلے تسلیم کر چکے ہو کہ صحابہؓ سب اہل حدیث تھے جیسا کہ فقرہ ۲ میں گذرا۔ پس تسلیم جماعت اور اصل اہل حدیث یہی ہوئی اور باقی جدید اور بعد کی پیداوار ہیں اور حدیث شریف ذیل کی ملاحظہ فرمائیں۔

تفترق أمتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار إلا ملة واحدة قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما أنا علیه وأصحابی رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۳۰)

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ایک کے سوا سب جہنم میں جائیں گے (صحابہؓ نے) کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ (نجات پانے والی) کون سی جماعت ہے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔

آپ نے خود مانا کہ اہل حدیث صحابہؓ تھے اور چاروں فرقے صحابہؓ کے زمانہ میں نہیں تھے۔ اور بعد کی پیداوار ہیں۔ اب اس حدیث کے مطابق خود فیصلہ کریں کہ ناجی فرقہ کون ہے؟

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے   آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

۱۲ "قواعد محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" ص ۱۰۳، ان کے قواعد میں یہ بھی فقرات ہیں کہ

(الف) صحیحین کی متفق علیہ روایات مقدم ہیں (شرح نخبۃ ص ۳۰ تہذیب الراوی ص ۳۷ مقدمہ شیخ عبدالحق بر مشکوٰۃ ص ۷ المدخل فی أصول الحدیث للحاکم ص ۷ مقدمہ ابن الصلاح ص ۹ الباعث الحثیث لابن کثیر ص ۲۵ عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز ص ۶ وغیرہا من کتب الاصول

(ب) مرسل و منقطع روایتیں غیر مقبول ہیں۔ دیکھو شرح نخبۃ ص ۵ الفیۃ للسیوطی ص ۱۳ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۲۶ الباعث الحثیث ص ۴۸ مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۶ وغیرہ

(ج) جو روایت صرف عراق و کوفہ سے آئی ہو اور حجاز میں اس کا اصل نہیں ملتا ہو وہ بے اصل ہے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۲۳ وغیرہ

کیا ان فقرات کے بھی پابند رہیں گے؟

۱۳ "ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کو سب ائمہ مجتہدین سے افضل سمجھ کر ان کی تقلید کو اختیار کیا اور ان کے مذہب کو دیگر ائمہ کے مذاہب سے راجح سمجھ کر اپنے لیے راہ عمل بنایا" ص ۱۱۴ سے اعلم و افضل کو معلوم کرنا خود اجتہاد ہے۔

وھو ضرب من الاجتہاد فانہ لایکون الا بالتامل فی الرجال لیعرف اعلم۔ فواتح الرحموت ص۲۹۲ ج۲ مع المستصفی۔" زیادہ جاننے والے کو معلوم کرنا بھی اجتہاد کی قسم ہے کیونکہ لوگوں کے حالات میں تامل کیے بغیر یہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس جب آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ کا اعلم و افضل ہونا معلوم کر لیا تو آپ غیر مقلد ٹھہرے اسی طرح ترجیح مذہب کا آپ کو کیسے علم ہوا؟ جب کہ آپ اپنے کو مقلد سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب ائمہ کے دلائل معلوم ہوں پھر ان کا وزن پھر دلالت پھر طریقۂ استدلال معلوم ہو پھر اتنی استعداد ہو کہ ان میں ترجیح دے سکے۔ یہ سب کام مجتہد کے ہیں نہ مقلد کے اب آپ ایمان سے کہیں کہ آپ مقلد ہیں یا مجتہد غیر مقلد علی الاول آپ کو امام ابوحنیفہ رحمہ کا اعلم ہونا یا اس کے مذہب کا راجح ہونا کیسے معلوم ہوا وعلی الثانی آپ غیر مقلد ہو گئے اور اگر کسی اور کے کہنے پر فیصلہ دیا ہے تو آپ اس کے مقلد ہوئے ؎

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن   مصلحت بیں و کار آساں کن

جو وجوہات آپ نے لکھی ہیں ہم ان کی داد دیتے ہیں لیکن اپنے آپ کو خواہ مخواہ مقلد کہہ کر آیت ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض (الاعراف ع ۲۲ پ ۹) کا مصداق نہ بنیے۔

۱۴ "اور تابعیت کی فضیلت ائمہ مجتہدین میں سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ کے اور کسی امام کو حاصل نہیں ہوئی۔" ص ۱۴ سطر ۱ اور تابعین کی تقلید حنفیہ کے نزدیک ممنوع ہے دیکھو عبارات وفی ظاہر الروایۃ لاتقلید اذھم رجال ونحن رجال (تلویح ج ۲ ص ۱۴ مصری) فقہ کی ظاہر روایت بموجب تابعیوں کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ وہ بھی مرد ہیں ہم بھی مرد ہیں۔"

وفی روایۃ لا اقلد ھم ھم رجال اجتھدوا ونحن رجال نجتھد

(فواتح الرحموت ص۱۸۸ ج ۲ مع المستصفی) "امام ابوحنیفہ رح سے ایک روایت ہے کہ میں تابعیوں کی تقلید نہیں کروں گا۔ بلکہ وہ مرد تھے جنھوں نے اجتہاد کیا ہم بھی مرد ہیں اور اجتہاد کریں گے"۔

اسی طرح نورالانوار ص۲۱۹ میں بھی ہے البتہ فقہاء نے اس کی تقلید کو جائز رکھا ہے جس کا فتوی صحابہؓ کے زمانہ میں ظاہر ہو چکا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقام چاروں اماموں میں سے کسی کو حاصل نہیں پس بموجب اصول حنفیہ چاروں اماموں کی تقلید ممنوع ہوئی ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں   زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

۱۵- "احکام شرعیہ کو کتاب اللہ وسنت نبوی اور سنت خلفاء راشدین اور فتاوی صحابہؓ وتابعین سے اخذ کر کے بتصریح و توضیح ان کو مدون کیا" ص۱۱۸ س۱۹ جس کا مطلب کہ امام صاحب کے سب اقوال مؤید بالوحی ہیں اور ذیل کی عبارت پڑھیں۔

الاخذ من المؤید بالوحی لیس تقلیداً (مسلم الثبوت ص۲۹) "مؤید بالوحی قول کو لینا تقلید نہیں ہے"۔

اب بتائیں کہ امام صاحبؒ کے سب اقوال مؤید بالوحی ہیں یا بعض یا کوئی نہیں۔ علی الاول اگرچہ آپ ان کے متبع ہیں تو بھی غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی تفصیل بتائیں کہ کونسا مؤید بالوحی ہے کونسا نہیں۔ یہ تفصیل بھی مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔ اگر آپ کو تفصیل معلوم نہیں تو آپ کا مذہب مشکوک رہا۔ وعلی الثالث جس کو آپ خلاف وحی جانتے ہیں اس کی اتباع کیسے کرتے ہیں ؎ وان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

۱۶ "امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کے لیے ایک مجلس منعقد کی جس کے ارکان و ممبران کی تعداد چالیس تھی.... اس طرح فقہ حنفی چالیس کبار علماء کے مشورہ سے ہوئی ہوا۔"
ص ۱۹ س ۵، س ۱۲ وہ کتاب کہاں گئی؟ افسوس کہ مقلدین کی کتب ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن امام کی کتاب ندارد۔ اگر موجودہ فقہ اس کے موافق ہوتی تو اس کو گم نہ کر دیا جاتا۔ مقام غور ہے کہ فقہ میں کتنے مختلف اقوال ملتے ہیں اگر وہ کتاب جو کہ اتنے اہتمام سے جمع کی گئی وہ ہوتی تو امام صاحبؒ کا صحیح قول معلوم ہو جاتا۔ مگر اس کو گم کرنے سے ہر ایک کو موقع مل گیا اور جو چاہا امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ پس امام صاحبؒ کا صحیح مسلک ان کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کا قول ہے کہ

اذا صح الحدیث فھو مذھبی (شامی ص ۲۸ ج ۱) "جب بھی کوئی حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے"۔

جس کا مطلب کہ امام صاحبؒ کا مذہب کتب حدیث میں ہے نہ کتب فقہ میں اور ایمان کا تقاضا یہ ہے ان جھگڑے والی کتابوں کو چھوڑ کر صحیح حدیثوں کی طرف رجوع کیا جائے اس میں امام صاحب کے شیدائیوں کو اس کا اتباع بھی یقینی طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۷ "علماء کی جو نکتہ چینی فقۂ حنفی پر ہوئی اور کسی فقہ پر نہیں ہوئی... اور فقہ ابی حنیفہؒ ہی سب کا نشانہ بنی ہوئی تھی" ص ۱۲ س ۱، س ۱۳ جس فقہ کے علماء خلاف ہوں اور اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنا کر رکھیں وہ کیسے درست و قابل اخذ ہو سکتی ہے۔ نیز اگر یہ بات ہے تو فقہ حنفی پر تنقید کو برا کیوں سمجھتے ہو۔ اور اگر یہی وجہ فقہ حنفی کی ترجیح کی ہے تو پھر علماء کو ترغیب دلائیں کہ سب کام چھوڑ کر رات دن اس کی تردید کریں تاکہ اس کی حقیقت منکشف ہوتی جائے اور اس کو مزید ترجیح حاصل ہوتی جائے۔ اور اگر آپ تنقید سے خفا ہوتے ہیں۔ تو اس کو کیسے قابل فخر

سمجھتے ہیں؟

اس اجمالی جواب کے بعد تقلید کی تردید میں چند

"سلف کے اقوال"

نقل کرتے ہیں تاکہ جواب میں روانگی و آسانی ہو۔

۱۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

لا یقلدن رجل رجلا (مجمع الزوائد و میزان کبریٰ شعرانی ص۱۴۷ ج ۱)

"کوئی شخص کسی شخص کی تقلید نہ کرے"۔

۲۔ جناب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

اما العالم فان اھتدی فلا تقلدوہ دینکم (اعلام الموقعین لابن القیم ص۱۹۴ ج ۲ مصری) "عالم کو پھسلنے سے بچنے کا یہ طریقہ ہے کہ وہ صاحب ہدایت ہو جائے تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کیا کرو۔

۳۔ بعینہ ایسے لفاظ جناب سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمائے ہیں۔ (اعلام الموقعین ص۱۷۵ ج ۲)

۴۔ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ایاکم الاستنان بالرجال (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص۱۱۴ ج ۲)

"اپنے آپ کو لوگوں کی سنت اور ان کے طریقہ لینے سے بچائیں"۔

آپ کے اس فرمان کو سننے والے صحابہؓ اور تابعینؒ تھے اور یہ تصریحات صاف بتاتی ہیں کہ صحابہؓ کے زمانہ میں تقلید ممنوع تھی۔ اب تابعینؒ اور بعد والوں کے اقوال دیکھیں

۵۔ عامر بن شراحیل شعبیؒ فرماتے ہیں کہ

ماحدثوك هؤلاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذ به وما قالوه برأيهم فالقه فى الحش۔ (سنن دارمی ص۳۷ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۵ ج ۱)

"یہ لوگ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کریں اس کو لے لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اس کو گندگی میں پھینک دو۔"

ناظرین امام شعبیؒ کبار تابعین میں سے ہیں پانچ سو صحابہؓ سے ان کی ملاقات ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۶ ج ۱) اور ہؤلاء سے ان کا اشارہ ان کے زمانہ کے لوگ صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرف ہے پس جب ان کی رائے حجت نہیں تو پھر تابعینؒ اور ان کے بعد والوں کی کب حجت وقابل اخذ ہوسکتی ہے اور امام شعبیؒ چونکہ صحابہؓ کے زمانہ ہی میں مسندِ فتویٰ پر متمکن تھے (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص۶ ج ۱) اس لیے اس کا یہ قول حنفیہ کے لیے قابلِ اتباع ہے۔

۶۔ عبداللہ بن المعتز کا قول ہے کہ

لافرق بين بهيمة تقاد وانسان يقلد (جامع بیان العلم ص۱۱۲ ج ۲) (اعلام الموقعین ص۱۷۰ ج ۲) "جو جانور (باندھ کر) کھینچا جاتا ہے اس کے اور اس انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں جو تقلید کرتا ہے۔"

جانور اپنے کھینچنے والے کے پیچھے ایسا جاتا ہے کہ اس کو یہ خبر نہیں کہ مجھے گھاس کھلانے کے لیے لے جا رہا ہے یا کسی اور کام کے لیے یا بیچنے کے لیے یا ذبح کرنے کے لیے۔ اسی طرح مقلد کو بھی علم نہیں کہ وہ جس کے پیچھے لگتا ہے وہ حق پر لے جا رہا ہے یا باطل پر۔ کیونکہ اس کو نہ دلیل معلوم ہے نہ اس کا امام معصوم اس لیے مولانا روم نے مثنوی میں خوب کہا ہے کہ: ؎

۷۔ پس مقلد ہست چوں طفل علیل　　گرچہ دارد بحث باریک دلیل
آں مقلد نیز مانند کور ہست　　اندراں شادی کہ او در راہ ہست

۸۔ اور مولانا سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں یوں کہا ہے ؎
عبادت بتقلید گمراہی است　　خنک رہروی را کہ آگاہی است

۹۔ امام ابو حنیفہ رحمہ سے مقدمہ ہدایہ صـ۹۳ میں چار اماموں کے اقوال منقول ہیں کہ :۔

لا یحل لأحد أن یأخذ بقولی مالم یعلم من أین قلت ونھی من التقلید وندب إلی معرفۃ الدلیل۔ (مقدمہ ہدایہ صـ۹۳ ج ۱) "اس شخص کو میرا قول لینا حلال نہیں جو کہ یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس دلیل سے کہا اور امام صاحب نے تقلید سے منع کیا اور دلیل کے جاننے کی ترغیب دلائی"۔

امام ہمام کے قول سے ایک طرف تقلید کی منع معلوم ہوئی اور دوسری طرف دلیل کی اتباع کا حکم ہوا۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ دلیل کو معلوم کر لینا تقلید نہیں۔

۱۰۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

إنما أنا بشر أخطئ وأصیب فانظروا فی رأیی فکلما وافق الکتاب والسنۃ فخذوہ وکلما لم یوافق فاترکوہ (جلب المنفعۃ صـ۶۸) "میں تو انسان ہوں صواب اور خطا دونوں کرتا ہوں۔ آپ میری رائے میں دیکھا کریں جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو اس کو لے لیں اور جو خلاف ہو اسے چھوڑ دیں۔

امام صاحب رحمہ نے تقلید کو بالکل ختم کر دیا۔ کیونکہ دلیل کے دریافت کرنے کا حکم دیا ہے اور بلا دلیل دریافت کیے کسی کے فتویٰ پر عمل کرنا ہی تقلید شخصی ہے۔ (الاجتہاد والتقلید صـ۸)

۱۱۔ امام شافعی رحمہ نے تقلید سے صاف منع فرمایا ہے چنانچہ ان کا شاگرد امام مزنی رحمہ کہتا ہے کہ

مع اعلامہ نہیہ عن تقلیدہ وتقلید غیرہ لینظر فیہ لدینہ ویحتاط لنفسہ (مختصر المزنی ص۲ ج۱ علی ھامش کتاب الام) "امام شافعیؒ نے اپنی خواہ دوسروں کی تقلید کرنے سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہر ایک اپنے دین کے لیے خود دیکھے اور احتیاط سے کام لے۔"

۱۲- امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ :-

لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا الاوزاعی ولا النخعی ولا غیرھم وخذوا لاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ (عقد الجید ص۹۸) "نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ کی نہ اوزاعیؒ کی نہ کسی اور کی بلکہ جس طرح انہوں نے احکام اور مسائل قرآن وحدیث سے لیے ہیں۔ آپ بھی وہیں سے لیا کریں۔"

ابوداودؒ کو آپؒ نے فرمایا کہ

لا تقلد دینک احدا من ھٰؤلاء (اعلام الموقعین ص۱۸۱ ج۲ مصری)

"ان میں سے کسی ایک کی دین میں تقلید نہ کرو۔"

ناظرین ائمہ اربعہ کے اقوال سے ظاہر ہے کہ تقلید ممنوع چیز ہے۔ پھر بھی اس پر زور دینا اور واجب ضروری قرار دینا اور غیر مقلدوں کو مجرم یا غلط کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

عجب تو یہ ہے کہ امام ایک طرف مقتدی دوسری طرف ع

عجب بہرزہ طرفے شود مقابل ما

۱۳- حنفی مذہب کے امام طحاویؒ فرماتے ہیں :

ھل یقلد الا عصی (لسان المیزان ص۲۸۰ ج۱) "تقلید نافرمان ہی کرتا ہے۔"

۱۴- حنفی مذہب میں چوٹی کے عالم شمس العلماء سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ

ولو جاز التقلید لکان من مضی من قبل ابی حنیفۃ مثل الحسن البصری وابراھیم النخعی رحمھم اللہ احری ان یقلدوا (المبسوط للسرخسی ص۲۸ ج۱۲) کتاب الوقف۔ "اگر تقلید جائز ہوتی تو امام ابوحنیفہؒ سے پہلے جو تھے مثلاً حسن بصری ابراہیم نخعیؒ وہ زیادہ حقدار تھے کہ ان کی تقلید کی جائے۔"

سرخسیؒ کے قول سے ظاہر ہوا کہ تقلید جائز نہیں اور سلف میں اس کا رواج نہ تھا نیز بعض کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ قرون اولیٰ کی نسبت متاخرین کے لیے تقلید ضروری ہے۔

۱۵۔ حنفی مذہب کے قابل فخر عالم علامہ جاراللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ

ان کان للضلال اُم فالتقلید اُمہ (اطواق الذھب ص۳۲) "اگر گمراہی کی ماں کوئی ہے تو تقلید ہی ہے۔"

۱۶۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ

ان کان للضلال اب فالتقلید ابوھا۔ (روح المعانی ص) "اگر گمراہی کا کوئی باپ ہے تو تقلید ہی ہے۔"

اسی طرح امام غزالی رحؒ کی کتاب المستصفیٰ حافظ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم وفضلہ امام ابن حزم کی کتاب الاحکام حافظ ابن قیمؒ کی اعلام الموقعین کے فصول تقلید کی تردید سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اب

"تفصیلی جواب"

ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ص۵ س۹ "سوائے معدودے چند کے تمام محدثین اور تمام اولیاء اللہ اور عارفین ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے چلے آئے ہیں۔"

اقول: آپ خود صفحہ پر مان چکے ہیں کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام نہ تھا۔ نیز امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

قد صح إجماع الصحابة كلهم أولهم عن آخرهم وإجماع التابعين أولهم عن آخرهم وإجماع تابعي التابعين أولهم عن آخرهم على الإمتناع والمنع من أن يقصد منهم أحد إلى قول إنسان منهم أو ممن قبلهم فيأخذه كله (حجة الله البالغه صفحہ ۱۵۴ ج ۱) "تمام صحابہؓ تمام تابعینؒ اور تمام تبع تابعینؒ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ کسی انسان کے قول کی طرف قصد کرنا خواہ وہ اس کے زمانے کا ہو یا سابق لوگوں میں سے ہو اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرنا ممنوع ہے۔

(نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شیخ عبدالحق حقانی ص ۲۶۲ ج ۱ اصح المطابع)

اسی طرح امام ذہبیؒ کے تذکرۃ الحفاظ کا مطالعہ کریں جس میں تراجم اہل حدیث جمع ہیں۔ اور اپنے زمانہ تک ذہبیؒ نے یعنی ساتویں صدی ہجری تک ہر زمانہ میں اہل حدیث غیر مقلدوں کے رہنے کا پتہ دیا ہے اور طبقہ ثامنہ تک سب اہل حدیث بتائے ہیں اور پھر تاسع کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ

ولقد كان في هذا العصر وما قاربه من أئمة الحديث النبوي خلق كثير. وما ذكرنا عشرهم هنا وأكثرهم مذكورون في تاريخي وكذالك كان في هذا الوقت خلق من أئمة أهل الرأي والفروع وعدد من أساطين المعتزلة والشيعة وأصحاب الكلام الذين مشوا وراء المعقول وأعرضوا عما عليه السلف من التمسك بالآثار النبوية وظهر في الفقهاء التقليد وتناقص الإجتهاد (تذكرة الحفاظ ص ۶۲۷ ج ۲ طبع ۳) "اور اس زمانہ اور اس کے قریب عہد میں کئی ائمہ محدثین تھے۔ ہم نے ان کا دسواں حصہ بھی ذکر نہیں کیا۔ اور اکثر میری تاریخ میں مذکور ہیں۔ اور اسی وقت ائمہ اہل الرای اور بڑے بڑے

معتزلہ شیعہ متکلمین ہوئے جنھوں نے سلف کی طرح تمسک بالاحادیث چھوڑ کر معقولات کے پیچھے لگے۔ اور فقہاء کے اندر تقلید ظاہر ہونے لگی۔ اور اجتہاد کم ہونے لگا۔"

اور اولیاء ائمہ کے متعلق امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ

ان الولی الکامل لا یکون مقلدا وانما یاخذ علمہ من العین التی اخذ منھا المجتھدون مذاھبھم (المیزان الکبری الشعرانی ص۲۲ ج ۱) "ولی کامل کسی کا مقلد نہیں ہوا کرتا ہے بلکہ وہ اپنا علم اسی چشمے سے لیتا ہے جس سے مجتہدوں نے اپنے مذاہب لیے ہیں۔"

ثابت ہوا کہ ولی اللہ کو مقلد کہنا بھی صحیح نہیں۔

قولہ ص۵ س۱۱ "طبقات الحنفیہ اور طبقات مالکیہ اور طبقات الشافعیہ اور طبقات الحنابلہ پڑھ ڈالیے الخ"

اقول: اولاً طبقات کی کتب پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر ایک نے اپنے اپنے طبقات میں بڑی بڑی ہستیاں داخل کر کے اپنے مذہب کو بڑھایا ہے۔ ذیل میں فہرست ملاحظہ ہو۔

نمبر	نام	طبقات الحنفیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۱	وکیع بن الجراح	الجواہر المضیئۃ ص۲۰۸ ج۲ الفوائد البہیۃ للکھنوی ص۲۲۲			طبقات الحنابلہ لابی الحسین ابن ابی یعلی ص۳۹۱ ج۲ مختصر طبقات الحنابلہ للنابلسی ص۲۵۶

نمبر	نام	طبقات الحنفیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۲	ابوالعباس البرتی	تاج التراجم للشیخ قاسم ابن قطلوبغا ص۳۵ الجواہر ص۱۱۴ ج ۱ الفوائد ص۳۷			طبقات ابی الحسین ج۱ ص۴۴ مختصر النابلسی ص۲۶
۳	اسحاق بن بہلول الانباری	تاج التراجم ص۲۱۶ الجواہر ص۱۳۷ ج ۱			طبقات ابی الحسین ج۱ ص۱۱۱ المختصر ص۱۰
۴	الحسینی بن المبارک الزبیدی	الجواہر ص۲۱۶ ج ۱			الذیل علی طبقات الحنابلہ لابن رجب ص۱۸۸ ج ۲
۵	احمد بن سہل ابوحامد	الجواہر ص۶۹ ج ۱ الفوائد ص۲۳			طبقات ابی الحسین ج۱ ص۴۷ النابلسی ص۱۲
۶	احمد بن محمد بن نصر	الجواہر ص۱۲۲ ج ۱			طبقات ابی الحسین ص۲۷ ج ۱ المختصر ص۱۲
۷	اسماعیل بن سعید ابواسحاق الشالنجی	الجواہر ص۱۴۹ ج ۱			الطبقات ص۱۰۴ ج ۱ المختصر ص۹۳
۸	القاضی یحیٰی بن اکثم	الجواہر ص۲۱۰ ج ۲ الفوائد ص۲۲۴			الطبقات ص۴۱۰ ج ۱ المختصر ص۲۷۴
۹	یحیٰی بن سعید القطان	الجواہر ص۲۱۲ ج ۲			المختصر ص۲۶۶

نمبر	نام	طبقات الحنفیہ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۱۰	یحییٰ بن صالح الوحاظی	الجواہر ص ۲۱۳ ج ۲			الطبقات ص ۴۲ ج ۱ المختصر ص ۲۶۸
۱۱	یحییٰ بن محمد الذہلی النیسا بوری	الجواہر ص ۲۱۵ ج ۱			الطبقات ص ۴۰ ج ۱ المختصر ص ۲۷
۱۲	یزید بن ہارون الواسطی	الجواہر ص ۲۲ ج ۲			الطبقات ص ۴۲۲ ج ۱ المختصر ص ۲۸۱
۱۳	سلطان محمود بن سبکتگین	" ص ۱۵۷ ج ۱		طبقات الشافعیہ للسبکی ص ۱۳۰ ج ۴	
۱۴	احمد بن صالح المصری ابو جعفر الطبری		الدیباج المذہب لابن فرحون ص ۳۱	" ص ۱۸۶ ج ۱	الطبقات ص ۵۸ ج ۱ المختصر ص ۲۶ ج ۱
۱۵	الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی			" ص ۲۵۰ ج ۱	الطبقات ص ۱۳۸ ج ۱ المختصر ص ۹۷
۱۶	احمد بن عمرو بن عبداللہ ابن السرح		الدیباج المذہب ص ۳۵	" ص ۱۹۹ ج ۱	
۱۷	یعقوب بن شیبۃ الحافظ		" ص ۳۵۵		الطبقات ص ۱۱۶ ج ۱ المختصر ص ۲۷۷
۱۸	ابو عبید القاسم بن سلام			طبقات السبکی ص ۲۷۰ ج ۱	الطبقات ص ۲۵۹ ج ۱ المختصر ص ۱۹
۱۹	عبداللہ بن المبارک	" ص ۲۸۱ ج ۱ الفوائد ص ۱۰۳	الدیباج لابن فرحون ص ۱۳۰		

نمبر	نام	طبقات الحنفیۃ	طبقات المالکیہ	طبقات الشافعیہ	طبقات الحنابلہ
۲۰	ابوبکر بن ابی داؤد السجستانی			طبقات السبکی ص۲۲۹ ج ۲	الطبقات ص۵۱ ج ۲ المختصر ص۳۱۴
۲۱	الحارث بن مسکین ابوعمر		الدیباج ص۱۰۱	طبقات السبکی ص۲۲۹ ج ۱	
۲۲	عبدالرحمٰن بن مہدی		″ ص۱۴۶		الطبقات ص۲۱۶ ج ۱ المختصر ص۱۵۰
۲۳	اسحاق بن الفرات ابونعیم	الجواہر ص۱۳۵ ج ۱	″ ص۹۷		

یہ چند اسمائے مشتے نمونہ از خروارے سمجھیں۔ اب بتائیں کہ کونسا طبقہ سچا کونسا جھوٹا۔ نیز جن کو آپ مجتہد مانتے ہیں وہ بھی طبقات میں مذکور ہیں۔ مثلاً احمد بن حنبل کو طبقات شافعیہ للسبکی ص۹۹ ج ۱ میں۔ اور شافعی کو الدیباج المذہب (طبقات مالکیہ) ص۲۲۷ میں اور طبقات حنبلیہ لابی الحسین ص۲۸۰ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ کیا ان دونوں کو بھی مقلد کہیں گے؟ اسی طرح الجواہر المضیئۃ ص۲۵ ج ۱ میں سفیان بن عیینہ اور ص۴۱۶ ج ۱ میں لیث بن سعد کو ذکر کیا ہے اور اسحاق بن راہویہ کو طبقات الشافعیہ للسبکی ص۲۳۲ ج ۱ میں اور طبقات الحنابلہ لابی الحسین ص۱۰۹ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ اور داؤد ظاہری کو طبقات الشافعیہ ص۴۲ ج ۲ میں ذکر کیا ہے حالانکہ ان چاروں کو آپ نے ص۷۹ میں مجتہد مانا ہے۔ نیز امام بخاری کو طبقات الشافعیہ ص۲ ج ۲ میں اور طبقات الحنابلہ ص۲۷۱ ج ۱ میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن جریر طبری کو طبقات الشافعیہ ص۱۳۵ ج ۲ میں لایا ہے۔ حالانکہ دونوں کو آپ نے ص۹۹ میں مجتہد بتایا ہے نیز طبقات حنفیہ میں حسن بن خطیر النعمانی ابوعلی الفارسی کو اور طبقات مالکیہ میں عبداللہ بن وہب مصری اشہب بن عبدالعزیز العامری

عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین اصبغ بن الفرج بن سعید الاموی محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، قاسم بن اصبغ الاموی، ابواسحاق محمد بن اسحاق بن شعبان، قاضی عبدالوہاب بن نصر آل البغدادی ابوالعباس بن ادریس القرافی، ابن امین، ناصرالدین احمد بن منصور الجذاری، زین الدین علی بن منیر کو اور طبقات شافعیہ میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن العباس، ابو یعقوب یوسف بن یحیٰی البویطی، حرملۃ بن یحیٰی التجیبی، ابوابراہیم المزنی، محمد بن نصر المروزی، ابواسحاق ابراہیم بن احمد المروزی، ابوبکر بن الحداد، ابن دقیق العید، تقی الدین السبکی کو اور طبقات حنابلہ میں ابوجعفر احمد بن صالح المصری کو ذکر کیا ہے حالانکہ ان سب کو حافظ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ ص۱۲۱ سے ص۱۹۵ ج ا میں مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ پس مجرد طبقات میں داخل ہو جانا کسی مقلد ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ہر ایک نے اپنے مذہب کو شہرت دینے اور نمبر بڑھانے کی خاطر ایسے لوگوں کو اپنے طبقات میں داخل کیا ہے بقول شاعر ؎

وکل یدعی وصلا للیلی ۔۔۔ ولیلیٰ لا تقر لھم بذا کا

اس کے بجائے تذکرۃ الحفاظ للذہبی اور طبقات الحفاظ للسیوطی کا مطالعہ کریں آپ کو معلوم ہوگا کہ اکثر سارے مجتہد تھے۔

قولہ ص۱۵ س۱۲ "صرف ابن حزم رح اور شوکانی رح جیسے چند ہی تقلید سے باہر نظر آئیں گے۔" الخ

اقول: بلکہ کئی اللہ کے بندے اس پھندے سے باہر رہے۔ سیوطی نے حسن المحاضرہ ص۱۲۱ ج ا میں خاص باب اس نام سے رکھا ہے کہ ذکر من کان بمصر من الائمۃ المجتھدین جس میں تابعیوں سے لے کر اپنے زمانہ تک مختلف لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا عدد ستہتر تک ہے۔ اسی طرح امام ابن حزم رح رسالہ اصحاب الفتیا (جو مع جوامع السیرۃ لہ) میں صحابہ رض سے لے کر خاص خاص

مجتہدین کا ذکر کیا ہے جس میں صحابہؓ کے بعد مکہ میں اکیس (۲۱) اور مدینہ میں تقریباً ساٹھ اور شام میں اکتیس (۳۱) بصرہ میں ستاون (۵۷) کوفہ میں اکاون (۵۱) مصر میں انیس (۱۹) دوسرے شہروں میں چوالیس (۴۴) بتلائے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں: ۔ فھؤلاء اھل الاجتھاد (ص۳۳۵) "یہ سب صاحب اجتہاد ہیں"۔

قولہ ص۵ س۱۵ "ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے کہ جس قدر اکابر علماء" الخ

اقول: ۔ جن اکابر کا آپ نے نام لیا ہے ۔ ان میں سے شیخ علی متقی کا حنفی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ شذرات الذھب لابن العماد ی ص۳۷۹ ج۸ میں اس کو اہل اجتہاد فی العبادۃ میں شمار کیا گیا ہے ۔ اور نواب صدیق حسن خان نے ابجد العلوم ص۳۹۵ میں اس کو ائمۃ العلوم گنا ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد ہونے سے اس کی شان بلند تھی ۔ نیز چند علماء کے نام لینے سے کام نہیں بنتا ۔ آپ پر حق تھا کہ ان علماء کا بھی نام لیتے جو مقلد نہ تھے ۔ مثلاً ابراہیم حنیف آفندی ابواحمد حسن خان والد نواب صاحب (التاج المکلل ص۳۹۲ ، ص۲۹۳) شاہ عبدالحی بڈھانوی، شاہ محمد فاخر زائرہ، علامہ بشیر اللہ سہسوانی ۔ مولانا خرم علی بلہوری، مولانا حمید اللہ میرٹھی، قاضی محمد صاحب ساکن مچھلی مصنف تخریج احادیث حجۃ اللہ البالغہ، نواب صدیق حسن خان، مولانا ابو یحیٰی شاہ جہانپوری، مصنف رسالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، سید جلال الدین جعفری شیخ عبدالحق محدث بنارس تلمیذ شوکانی ۔ شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین دہلوی جس نے مسلسل پچاس سال حدیث کا درس دیا آپ کے متعلق شیخ محمد بن احمد تونس مغربی نے فرمایا "لا یوجد مثلہ فی الارض" یعنی زمین پر اس شخص کی کوئی نظیر نہیں"۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی ۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مصنف تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی عزیز العلماء قاری عبدالعزیز مشہور ولی اللہ حافظ عبداللہ غازیپوری ان سب کے حالات "تراجم علماء اہل حدیث ہند" مصنفہ امام خان نوشہروی میں مذکور ہیں ان کے علاوہ لاتعداد علماء

ہندوستان میں گذرے ہیں جو مقلد نہیں تھے۔ جن کا ذکر ابجد العلوم اور اتحاف النبلاء مصنفہ نواب صاحب اور تراجم نزہۃ الخواطر میں موجود ہے۔

قولہ ص۶، س۸ "شیخ سلام اللہ شارح موطأ" الخ۔

اقول: محلی شرح مؤطا کا قلمی نسخہ بحمداللہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مصنف دائرۂ تقلید سے باہر نکل چکا تھا۔ فارجع البصر ھل ترٰی من فطور۔

قولہ ص۶، س۱۳، "علمائے سندھ کو لیجئے شیخ ابوالحسن سندھی اور شیخ عابد سندھی اور شیخ ہاشم سندھی اور شیخ حیات سندھی وغیرہم" الخ۔

اقول: شیخ ابوالحسن اور شیخ حیات تو یقیناً مقلد نہیں تھے جیسا کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ شیخ ابوالحسن کے حواشی بر بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، مسند احمد دیکھیں جہاں جا بجا مسائل اہل حدیث کو مانا اور ترجیح دی ہے اور مسائل حنفیہ کی پوری تردید کی ہے اور شیخ حیات کی تصنیفات فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدور، الایقاف شرح اربعین نودیہ دیکھیں۔ اسی طرح علامہ عابد سندھی کی کتاب المواہب اللطیفہ شرح مسند ابی حنیفہ بھی بتاتی ہے کہ محض مقلد نہیں تھا۔ اس کتاب میں رفع الیدین کو ثابت کیا ہے اور دوسری میں فاتحہ خلف الامام کو ترجیح دی ہے اور سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں مصر کے دورہ سے واپسی کے بعد یہی خبر دی کہ وہاں اب علم ختم ہو گیا ہے اور لم یبق إلا التقلید والتصوف (البدر الطالع للشوکانی ص۲۲۸ ج ۱) "اور وہاں صرف تقلید اور تصوف ہی باقی رہ گیا ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ عابد تقلید کو اچھا نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس کو علم ہی نہیں جانتا تھا۔

اسی طرح مخدوم ہاشم سندھی نے بھی رسالہ نور العین میں اثبات الاشارہ پر زور دیا ہے اور اس بارے میں ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ہمارے اقوال کو حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دو۔ پھر لکھتے ہیں کہ

فاذا صح مثل هذا عن افضل المجتهد فی حدیث صحیح واحد نما فوقہ فکیف لا یجوز لنا ترک قولہ بورود ہذا المبلغ من الاحادیث النبویۃ التی کادان یتواتر معناہا اھ (نقلا عن التنقید المعقول) "جب کہ افضل مجتہدین سے یہ ثابت ہوا کہ صحیح حدیث ایک ہو یا زیادہ ان کے مقابلہ میں اس کا قول چھوڑ دیا جائے پھر اس مسئلہ (الاشارہ فی التشہد) میں اتنی حدیثیں جو کہ معنًی تواتر کو پہنچتی ہیں۔ ان کے مقابلے میں امام کا قول کیوں نہ چھوڑ دیں"۔

نیز سندھ میں کئی اکابر علماء گذرے ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین ٹھٹوی مصنف دراسات اللبیب مخدوم ٹھارو مولانا عبدالوہاب کراچی ہمارے جد امجد سید ابو تراب رشد اللہ شاہ صاحب اللواء الرابع مصنف کشف الاستار عن رجال معانی الآثار وغیرہا من التصانیف جنھوں نے اپنے متعدد رسالوں مثلاً "التنقید المعقول" "درج الدر فی وضع الایدی علی الصدر" وغیرہا میں تقلید کی خوب تردید کی ہے اور آپ ہی کی کتاب ثمر آخرت ترجمہ سفر السعادۃ کی وجہ سے سندھ میں عمل بالسنت کا رواج ہوا اور تقلید کا جمود ٹوٹا۔ اسی طرح مولانا محمد عمر کھڈہری جن کی کتاب "احسن الدلائل علی بعض المسائل" اس کے آزاد خیالی کا پتا دیتی ہے۔ اور آپ کا والد مولانا عبدالغنی جس نے تقلید کی تردید میں کتاب بنام "النبح الدصداح" لکھی اسی طرح خاندان راشدی کا مورث اعلیٰ سید محمد راشد شاہ روضہ والے کی ملفوظات کو دیکھنا تو جابجا سنت کی طرف ترغیب ہے۔

قولہ ص ۲۰، س ۱۶ "شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحاق" الخ

اقول: یہ سب حضرات تقلید کے بند کو توڑنے میں کوشاں تھے "تراجم علمائے حدیث ہند" میں ان کے حالات درج ہیں۔ اس سے چند اقتباسات ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

فمن یکون عامیا ویقلد رجلا من الفقهاء بعینہ یری أنہ یمتنع من مثلہ الخطاء وإن ما قالہ ھو الصواب البتۃ وأضمر فی قلبہ ان لا یترک تقلیدہ وإن ظہر الدلیل علی خلافہ وذالک ما رواہ الترمذی عن عدی بن حاتم أنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء اتخذوا احبارھم ورھبانھم أربابا من دون اللہ قال إنھم لم یعبدوھم ولکن کانوا إذا أحلوا شیئًا استحلوہ وإذا حرموا علیھم شیئًا حرموہ۔ (عقد الجید ص۳۵) "ایسا عامی جو کسی خاص فقیہ کی تقلید کرتا ہے اور اس کو معصوم عن الخطاء اور اس کی سب بات حق جانتا ہے اور دل پختہ ارادہ کیا ہے کہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا اگرچہ اس کے خلاف دلیل مل جائے تو وہ ترمذی کی اس حدیث کا مصداق ہے کہ عدی بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) "انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا پھر فرمایا کہ ان کو پوجتے نہیں تھے بلکہ صرف یہ کہ ان کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں کہ

"چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک وکفر است واطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است۔ ومعنی طاعت غیر بالاستقلال آں است کہ او را مبلغ احکام او ندانستہ ربقہ طاعت او را در گردن انداز د۔ وتقلید او را لازم شمارد با وجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ دست از اتباع او برندارد ایں نوعے است از اتخاذ انداد کہ در آیت "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" فرمودہ (تفسیر عزیزی) ص۱۵۹ ج ا) ترجمہ قریبًا وہی سابقہ عبارت کا ہے بلکہ یہاں تقلید شخصی کو شرک کی ایک قسم بتایا ہے نیز مشہور مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق فرماتے ہیں کہ

خواندن سورت فاتحہ باقتدار امام نزد امام ابوحنیفہ ممنوع است و نزد شافعی بدون خواندن سورت فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ و نزد فقیر ہم قول شافعی راجح است و اولیٰ چرا کہ بملاحظہ حدیث صحیح "لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" لبطلان نماز ثابت مے شود (تراجم علماء حدیث ہند صفحہ ۵۵ ج ۱)۔ ترجمہ:۔ امام کے پیچھے مقتدی کو سورت فاتحہ پڑھنا، امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ممنوع ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک فاتحہ کے بغیر نماز جائز نہیں ہے اور فقیر (شاہ عبدالعزیز) کے نزدیک امام شافعی رح کا قول راجح و اولیٰ ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" (فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) سے بغیر فاتحہ نماز کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ خاندان ولی اللہ رح حنفیت سے بہت دور تھے۔ اسی طرح شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین دیکھیں۔ کس قدر رفع الیدین پہ زور دیتے ہیں۔ اور مسائل دیگر پر بھی اور تقلید کی مذمت یوں فرماتے ہیں کہ

وقد غلا الناس فی التقلید وتعصبوا فی التزام تقلید شخص معین حتی منعوا الاجتهاد فی مسئلة ومنعوا تقلید غیر إمامه فی بعض المسائل وهذا هی الداء العضال التی أهلکت الشیعة فهؤلاء ایضا أشرفوا علی هلاك إلا أن الشیعة قد بلغوا أقصاها فجوزوا ردّ النصوص بقول من یزعمون تقلیده وهؤلاء اخذوا فیها وأولوا الروایات المشهورة إلی قول امامهم (تنویر العینین ص ۲۵)

ترجمہ:۔ عام لوگوں نے تقلید میں غلو کیا اور کسی معین شخص کی تقلید پر سختی سے جم گئے یہاں تک کہ اجتہاد سے منع کیا اور اپنے امام کے سوا دوسرے امام سے مسئلہ لینے سے بھی روکا یہی وہ مہلک مرض ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا اور یہ (مقلدین) بھی ہلاکی پر آگئے ہیں ان دونوں

میں فرق صرف یہ ہے کہ شیعوں نے جس کی تقلید کی اس کے مقابلہ میں نصوص کو رد کرنا جائز سمجھا اور مقلدین نے مشہور احادیث میں تاویلیں کر کے اپنے امام کے اقوال کے تابع بنایا۔"

ناظرین! اب غور فرمائیں کہ اس خاندان عالیشان پر تقلید کا الزام دھرنا کہاں تک صحیح ہے۔

قولہ ص۶ س۱۹ "کیا یہ سب حضرات کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔"

اقول: یہ سب اس پر موقوف ہے کہ ان کا مقلد ہونا ثابت ہو و اذ لیس فلیس نیز یہی فتویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

قولہ ص۷ س۱ "اولیاء ہند کو لیجئے حضرت مجدد صاحب سرہندی سے لے کر" الخ

اقول: شعرانی کا قول گذر چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور بالفرض اگر سرہندی صاحب مقلد تھے تو بھی ولایت کے درجہ پر پہنچنے سے قبل اور بعدہ جب ولایت کے مقام کو پہنچے تو تقلید سے بے نیاز ہو گئے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ

وقد قلت مرة لسیدی علی الخواص رضی الله عنه کیف صح تقلید سیدی عبد القادر الجیلی للامام احمد بن حنبل وسیدی محمد الحنفی الشاذلی للامام ابی حنیفة مع اشتهارهما بالقطبیة الکبری وصاحب هذا المقام لا یکون مقلدا الا للشارع وحده فقال رضی الله عنه قد یکون ذالك منهما قبل بلوغهما الی مقام الکمال ثم لما بلغا الیه استصحب الناس ذالك اللقب فی حقهما مع خروجهما عن التقلید (المیزان الکبری ص۱۲ ج۱) "میں نے ایک مرتبہ سید علی الخواص سے عرض کیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید اور شیخ محمد شاذلی کے لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

کی تقلید کیسے صحیح ہوئی؟ حالانکہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبہ کے ساتھ مشہور ہیں اور اسی مرتبہ والا شارع (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تقلید ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہوگی۔ اور جب وہ اس مرتبہ کو پہنچ گئے تو بھی لوگ ان کے حق میں یہ القاب (حنبلی و حنفی) استعمال کرتے رہے حالانکہ وہ تقلید سے باہر نکل چکے تھے۔ اسی طرح مجدد صاحب اور دوسروں کے متعلق خیال کریں۔

قولہ ص ۳۶ "اہلِ فہم کے لیے الخ"

اقول۔ سمجھدار سمجھ گئے کہ تقلید کی کیا حقیقت ہے ؎

قد ظہرت فلا تخفی علی احد　　الا علی احد لا یعرف القمرا

قولہ: ص ۳۸ "عقل اور حافظہ الخ"

اقول: اس عنوان کے تحت آپ نے عقل اور حفظ کو نعمت شمار کیا ہے حالانکہ عقل تقلید کے منافی ہے کیونکہ مقلد اپنی عقل استعمال نہیں کر سکتا ہے۔ اولاً مسلم الثبوت کی عبارت ذکر ہوئی کہ اما المقلد فمستندہ قول امامہ لا ظنہ ولا ظنہ۔ ثانیاً آپ خود عقل کو ذریعۂ تفقہ و فقہ و اجتہاد بتاتے ہیں پس اگر اب اجتہاد بند ہے اور تقلید ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی علماء صلحا اور اہل اللہ موجود ہیں۔ وہ سب کے سب معاذ اللہ بے عقل ہوئے ہیں۔ نیز بقول شما تمام محدثین اولیاء مقلد تھے گویا سب بے عقل ہوئے۔

قولہ ص ۴۱ "عقل اول مخلوقات ہے" الخ

اقول: اس عنوان کے تحت جو آپ نے روایت لکھی ہے۔ بالکل ضعیف نا کارہ ہے۔ اس کا ضعف آپ کو بھی تسلیم ہے اور حاشیہ ص ۴۲ میں نقل کرتے ہیں کہ امام ابن جوزی شیخ الاسلام ابن تیمیہ حافظ زرکشی یہ سب اس روایت کو موضوع (بناوٹی) بتاتے ہیں۔ نیز مذہب حنفی

کے مشہور عالم ملا علی قاری نے اس کو موضوعات کبیر صفحہ ۲۵، ۲۶ میں ذکر کیا ہے اور امام ابن تیمیہ رح نے نقل کیا ہے کہ

انه کذب موضوع بالاتفاق (ص۲۵) "یہ روایت بالاتفاق جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

علامہ محمد طاہر فتنی ہندی حنفی جس کا نام آپ نے بھی ص۶ پر فخراً ذکر کیا ہے۔

اس نے بھی تذکرۃ الموضوعات ص۸ پر ذکر کیا ہے اور باتفاق جھوٹ اور موضوع کہا ہے۔

پس اسی بناوٹی روایت پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھنا عالم کی شان سے بعید ہے۔

قولہ ص۹، س۵، "عقل کی حقیقت اور اس کی اقسام" الخ

اقول:۔ حارث محاسبی سے جو عقل کی تعریف نقل کی گئی ہے۔ یعنی کہ

"جس کی وجہ سے انسان علوم نظریہ کے ادراک کے لیے مستعد ہوجاتا ہے۔ عقل گویا کہ ایک نور ہے۔"

"جو من جانب اللہ دل میں ڈالا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے قلب ادراک کے قابل ہوجاتا ہے۔"

یہ تعریف بتاتی ہے کہ عقل اجتہاد کو چاہتی ہے اور صاحب عقل مقلد نہیں ہوسکتا ہے اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جو شعر نقل کیے ہیں کہ

"عقل کی دو قسم ہیں ایک طبعی اور ایک سمعی عقل سمعی اس وقت تک نافع اور"

"مفید نہیں ہوتی جب تک کہ عقل فطری اور طبعی اس کے ساتھ نہ ہو۔"

یہ تقسیم بھی بتلاتی ہے کہ عقلمند تقلید نہیں کرسکتا اس لیے کہ سمعی تقلید کی مثال اور طبعی اجتہاد کی مثال ہے۔

قولہ ص۱۰، س۷، "نور عقل کو نور شریعت سے وہی نسبت ہے جو نور بصر کو نور آفتاب سے ہے۔"

اقول: لیکن نورِ آفتاب اس کو نافع ہوگا۔ جو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ یہ نہ کہ آفتاب تو موجود ہو مگر اپنی آنکھ نہ ہو۔ اور دوسرے کی آنکھ کی مدد سے نفع لیا جائے۔ یہی مثال مقلد اور مجتہد کی ہے۔ صدق سبحانہٗ وتعالیٰ حیث قال مثل الفریقین کالأعمى والأصم والبصير والسميع هل يستويان مثلاً أفلا تذكرون (هود ع ۲ پ ۱۲)

قوله صنا اسطر ۹ "نورِ عقل بدون نورِ شریعت کے معطل اور بیکار ہے۔"

اقول: اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ شریعت سے مقلد فائدہ نہیں لے سکتا اس لیے کہ اس کو نورِ عقل نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ "خذوا علمكم من حيث أخذه الأئمة ولا تقنعوا بالتقليد فإن ذالك عمىً في البصيرة (كذا في الميزان الكبرى للشعراني صـ۲۲ ج ۱)

قوله صنا سطر ۱۰ "اور جس طرح اندھے کو آفتاب کی روشنی مفید نہیں اسی طرح آفتاب شریعت کے نور سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جس کی آنکھ روشن ہو" الخ

اقول: اتنا ہی تقلید کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ مقلد کی عقل کی آنکھ روشن نہیں ہوتی۔

قوله صنا سطر ۱۲ "جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کو چاہیئے کسی آنکھ والے کی سُنے اور اسی کی اتباع کریں۔"

اقول: یہ استدلال آپ کو مبارک ہو کہ مقلد کو اندھا بنا دیا۔ نیز آنکھ والے سے کیا سنے قرآن وحدیث یا کچھ اور۔ علی الاول یہ اتباع روایت ہے نہ تقلید رائے وعلی الثانی کیا بتائے گا۔ جب اس کے پاس ہی نورِ شریعت (قرآن وحدیث) نہیں ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ أفمن يهدي إلى الحق أحق أن يتبع أم من لا يهدي إلا أن يهدى (يونس ع ۴ پ ۱۱)

قولہ صنا، سطرا، "تا کہ قیامت کے روز یہ کہیں گے" الخ

اقول:۔ یہ آیت آپ کو مفید نہیں بلکہ تقلید کی تردید کرتی ہے کیونکہ آپ نے ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے اور سننا تو قرآن و حدیث کا مراد ہے جو کہ دلیل ہے اور تقلید بلا دلیل بات ماننے کو کہتے ہیں کما مضیٰ۔ ایضاً سمجھنا تو اپنا تفقہ و اجتہاد ہے۔

قولہ صنا سطر۱۹ "ان تمام فضائل و کمالات کا منبع اور مطلع عقل ہی ہے۔

اقول:۔ لیکن آپ نے مقلد کو تو ان سے محروم کر دیا۔ بیچارہ کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔

قولہ صلا، سطر، "انبیاء و مرسلین کے توسط سے خداوند ذوالجلال کے جو احکام نازل ہوئے ان سب کے مخاطب عقل ہے"۔

اقول: جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو کہ اپنے مقلد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ قرآن کے مخاطب نہیں کیا آیت قل یایھا الناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعًا۔ (الأعراف ع۱۹ پ۹) میں آپ مخاطب نہیں ہیں؟

قولہ صلا سطر۲ "حافظ کا کام یہ ہے کہ ان احکام کو یاد رکھے" الخ

اقول:۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عقل حافظہ پر یعنے فقہ و حدیث پر موقوف ہے۔

قولہ صلا، سطر، "قال تعالیٰ (الی قولہ) وغیر ذالک من الآیات"،

اقول:۔ ان آیات میں عقل کی مدح اور بے عقلی کی مذمت ہے جو کہ تقلید کی مذمت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ بقول شما مقلد کی عقل کی آنکھ روشن نہیں ہے۔

قولہ صلا، سطر، "قرآن کریم میں اسی قسم کی بے شمار آیتیں ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان اور تقویٰ اور تمام احکام الٰہیہ کے مخاطب اولی الالباب اور اہل عقل ہیں"۔

اقول:۔ ذرا بتائیں کہ آپ ان آیات میں مخاطب ہیں یا نہیں؟ علی الأول آپ غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی آپ اولی الالباب اور اہل عقل نہ رہے۔ پھر یہ رسالہ کس سے لکھوایا ہے

قولہ ص۱۱ س۱۴ "مکارم پاکیزہ اخلاق کا نام ہے جن میں سے عقل اول ہے" الخ

اقول:۔ مقلد کے پاس عقل نہیں پھر وہ پاکیزہ اخلاق بھی نہیں رہے۔

قولہ ص۱۲ س۱ "وقال ابراھیم بن حسان" الخ

اقول:۔ ان اشعار میں عقل کو زینت اور اس میں کمی آنے کو عیب بتایا گیا ہے۔ پس غیر مقلدیت انسان کے لیے زینت ہوئی۔ اور تقلید عیب۔ اعاذنا اللہ منہ۔ نیز بتایا گیا ہے کہ "انسان کے لیے اللہ کی تقسیم میں سب سے بہتر عقل ہے، اور عقل کی تکمیل سے تمام اخلاق کامل ہو جاتے ہیں جس کا مطلب کہ بیچارے مقلد کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

قولہ ص۱۲، س۱۲ "علم اور حفظ" الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں کہ شریعت کی نظر میں عالم وہی ہے جو صاحب عقل اور فہم ہو۔ بتائیں کہ آپ صاحب عقل و فہم ہیں یا نہیں؟ علی الاول آپ مقلد کیسے رہے کیونکہ آپکا استدلال اس پر موقوف ہے کہ یہ تعریف مجتہد ہی کی ہو۔ وعلی الثانی آپ کو تصنیف وانشاء کا کیا حق ہے۔

قولہ ص۱۲، س۱۵ "کما قال تعالٰے" الخ

اقول:۔ بتائیں کہ اس وقت اُمت میں علماء ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو وہ آیات قرآنیہ واشلہ فرقانیہ سمجھ سکتے ہیں اور ان کو تقلید جائز نہیں جیسا کہ ص۲۶ پر آپ نے بھی لکھا ہے اور اگر عالم ہی نہیں تو تصنیف کی زحمت کیسے گوارہ کی اور مدارس میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ اور بے گناہ لوگوں کی رقوم کیوں ضائع کی جاتی ہیں۔ عمرو بن مرۃ کا جو آپنے واقعہ لکھا ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ عالم وہی ہے جو قرآن کو سمجھ سکتا ہے اور بقول شما اب وہ تفقہ و سمجھ نہیں رہی۔ گویا کہ اب کوئی عالم زمین پر نہیں ہے۔ عجیب!

قولہ ص۱۳، س۲ "صحابہؓ بالاتفاق ابوبکر صدیق رضؓ کو اعلم (سب سے بڑا عالم) سمجھتے

تھے اس لیے کہ عقل اور فہم میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔" الخ

اقول :۔ لیکن کیا دوسرے صحابہؓ اہل علم یا اصحاب عقل و فہم نہیں تھے؟ ضرور تھے اور باوجود اس کے وہ ابوبکر صدیق رضؓ کے مقلد نہیں تھے۔ کئی باتوں میں آپ سے صحابہؓ کا اختلاف مشہور ہے۔

قولہ ص۱۳، س۸ "ابی بن کعب اقراء اور سید القراء تھے مگر ابن عباس اعلم بالتفسیر تھے۔" الخ

اقول :۔ ان لکل فن رجال مگر باہم ایک دوسرے کے مقلد نہ تھے۔ کئی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

قولہ ص۱۳، س۱۳ "حق تعالیٰ شانہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں" الخ۔

اقول :۔ اسی آیت اور واقعہ سے ظاہر ہے کہ کئی باتیں چھوٹوں کو معلوم ہوتی ہیں جو بڑوں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ اسی طرح متاخرین کو بنسبت متقدمین کے زیادہ مسائل معلوم ہو جاتے ہیں۔ بنا بریں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ متاخرین کے لیے اجتہاد بنسبت متقدمین کے زیادہ آسان ہے۔ جیسا کہ اوپر عبارت گزری۔

قولہ ص۱۴، س۱۴ "سوائے فہم اور فراست کے ہمارے پاس کوئی خاص شے نہیں والی قولہ ص۱۹، س۱) ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

اقول :۔ مدارج السالکین کی یہ عبارت بتاتی ہے کہ لوگ فہم و تفقہ میں درجات رکھتے ہیں۔ اس کا کوئی منکر نہیں۔ "وفوق کل ذی علم علیم" (یوسف ع ۹ پ ۱۳) اور اسی طرح مجتہدین میں بھی درجات ہیں اور ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کے قول کو لینا تقلید نہیں کما فی مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت ص ۴۰۰ ج ۲ مع المستصفیٰ اور اس عبارت سے یہ ثابت نہیں

ہوتا کہ جو قلیل الفہم ہو وہ دوسرے زیادہ فہم والے کی تقلید کرے۔ بلکہ یہ ظاہر ہے کہ اہل فہم ہمیشہ رہیں گے لہٰذا تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین میں یہ مراتب ہدایت کے بتائے ہیں، اور ہدایت ہر ایک کا حق ہے اور فہم و تفقہ کو ان میں سے پانچواں مرتبہ شمار کیا ہے۔ (مدارج ج ۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک کو حسب استعداد و فہم و طاقت خود اجتہاد و تفقہ کا حکم ہے۔ نہ کہ تقلید کا کیونکہ وہ ہدایت کا طریقہ نہیں ہے۔ اور پر امام غزالی رحمہ کے قول سے معلوم ہوا کہ تقلید طریق الی العلم نہیں ہے۔

قولہ ص ۱۶۱ س ۹ "شریعت کے لیے محدثین اور فقہاء کی ضرورت" الخ

اقول :۔ اسی عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہی تقلید کے قمع کے لیے کافی ہے۔

شعر
وسوف تری إذا انکشف الغبار أفرس تحت رجلك أم حمار

قولہ ص ۱۶۱ س ۶ "دین کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک نقل صحیح اور فہم صحیح لہٰذا ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ جو شریعت کے الفاظ کی محافظ ہو اور الفاظ شریعت کو بتمام و کمال امت تک پہنچا دے یہ جماعت محدثین کی ہے۔"

اقول ع الفضل ما شهدت به الأعداء۔ الحمد للہ مان لیا کہ اہل حدیث کو حافظہ کامل کے ساتھ فہم صحیح بھی حاصل ہے پس انہی کا اجتہاد کارگر رہا کیونکہ وہ دونوں صفتوں (حفظ و فہم) کے صاحب ہیں۔ نہ صرف فقہاء (جس کو آپ الگ شمار کرتے ہیں) جو دوسروں کے حفظ و جمع کرنے کے محتاج اور طفیلی ہوں۔ نیز اگر ان کو فہم کامل و تفقہ حاصل نہ ہوتا تو کیسے حدیثیں جمع کر سکتے۔ نیز ان کے قواعد کو دیکھیں۔ یہ بھی تفقہ کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ خاص طور پر ناسخ الفاظ کو جدا کرنا اور الفاظ میں راویوں کا وہم و خطاء معلوم کرنا۔ پھر روایت میں بصورت تعارض تطبیق دینا کیا یہ سب کچھ تفقہ کے بغیر ممکن ہے؟ اسی طرح ان کے ابواب و تراجم دیکھو کر بڑے بڑے اسرار اور حکمتیں بیان کی گئیں۔ کیا محدثین کو چھوڑ کر ایک ایسے محدث کی مثال سنیں جو کہ ایسا مشہور بھی نہیں۔ یعنی محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی جس کے متعلق حافظ ذہبی رحمہ فرماتے ہیں کہ

اجاب فی ثلاث مائۃ الف مسائل فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میزان الاعتدال ص۱۳۰ ج ۳)" اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے تین لاکھ مسائل کا فتویٰ اور جواب دیا ہے"۔

اب ان فتاویٰ سے اور فقہی کتابوں کا مقابلہ کریں۔ فقہ حنفی کی سب سے بڑی کتاب المبسوط للسرخسی اور مالکی فقہ کی المدونۃ الکبریٰ اور شافعی فقہ کی شرح المہذب اور حنبلی فقہ کی المغنی ان سب کے مسائل یکجا جمع کریں، لیکن اس عدد تک نہیں پہنچ سکتے۔

قولہ ص۱۶ سطر۱" اور ایک جماعت ایسی چاہیے جو شریعت کے اغراض و مقاصد اور اصول و فروع کی توضیح و تشریح کرے اور اللہ اور اس کے رسول کی صحیح صحیح مراد اُمت کو سمجھائے یہ جماعت فقہائے مجتہدین کی ہے"۔

اقول: یہی شان محدثین کرام کی ہے۔ ان کے تراجم وابواب اس پر شواہد ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

اول ما صنف اهل الحدیث فی علم الحدیث جعلوه مدونا فی اربعة فنون فن السنة اعنی الذی یقال له الفقه مثل مؤطا مالك وجامع سفیان وفن التفسیر مثل کتاب ابن جریج وفن السیر مثل کتاب محمد بن اسحاق وفن الزهد والرقاق مثل کتاب ابن المبارك فاراد البخاری رحمه الله ان یجمع الفنون الاربعة فی کتاب ویجرده لما حکم له العلماء بالصحة قبل البخاری وفی زمانه ویجرده للحدیث المرفوع المسند وما فیه من الآثار وغیرهما انما جاء به تبعا لا بالاصالة ولهذا سمی کتابه بالجامع الصحیح المسند واراد ایضا ان یفرغ جهده فی الاستنباط من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم ویستنبط من کل حدیث مسائل کثیرة جدا وهذا امر لم

یعنی الیہ غیرہ (شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ص ۲)

"سب سے پہلے علماء اہل حدیث نے علم حدیث کو چار فنون میں تقسیم کر کے مدون کیا ان میں ایک فن سنۃ یعنی فقہی مسائل کا ہے جیسا کہ موطأ مالک اور جامع سفیان ثوری دوسرا فن تفسیر جیسا کہ ابن جریج کی کتاب تیسرا فن سیر (غزوات وغیرہ) جیسا کہ ابن اسحاق کی کتاب چوتھا فن زہد ورقاق جیسا کہ ابن مبارک کی کتاب پھر امام بخاری نے ارادہ کیا کہ ان چاروں فنون کو یکجا جمع کریں اور ایسی روایات الگ کر کے جمع کریں جن کی صحت کا فیصلہ امام بخاری رح سے قبل کے علماء خواہ اس کے ہم زمان سب دے چکے ہوں۔ نیز ارادہ کیا کہ خالص مرفوع اور مسند روایتیں جمع کریں۔ اور جتنے آثار صحابہ وغیرہم کے جمع کیے ہیں وہ بالتبع ہیں نہ کہ بالاصالۃ اس لیے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند" رکھا۔ نیز یہ ارادہ کیا کہ احادیث نبویہ سے مسائل کے استنباط کرنے میں اپنی کوشش صرف کریں اور ہر ایک حدیث سے کئی مسائل نکالے ہیں۔ یہ ایسا امر ہے جو آپ سے قبل کسی نے نہیں کیا۔"

ناظرین! شاہ صاحب کی عبارت سے چند امور ظاہر ہوئے:

(الف) علماء محدثین حدیث کے سب فنون کے جامع ہیں۔

(ب) حدیث بذات خود ہی محدثین کی فقہ ہے۔ اس سے مسائل نکالتے ہیں۔ اور انہیں مروجہ فقہ سے استغناء ہے۔

(ج) اسی طرح وہ سب مجتہد وغیر مقلد ٹھہرے۔

(د) اور قرآن وحدیث میں جہاں کہیں فقہ تفقہ یا فقیہ کا ذکر آیا ہے وہاں قرآن و حدیث ہی مراد ہے نہ مروجہ فقہ چنانچہ موطأ مالک رح جامع سفیان وغیرہ یہ کتابیں فن حدیث کی ہیں۔ اور مروجہ فقہ ان سے الگ فن ہے۔ پس حدیث کی کتابوں کو فقہ کہنا بتاتا ہے کہ سلف کے نزدیک

اسلامی فقہ یہی تھی۔

(ھ) صحیح بخاری کی حدیثوں پر صحت کا حکم مصنف سے قبل خواہ اس کے زمانہ میں لگایا ہوا ہے۔

(و) اسی طرح وہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے۔

(ز) امام نے اجتہاد کر کے اس میں احادیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ گویا کہ طلباء کے لیے بلکہ اجتہاد پیدا کرنے کے لیے کوشش کی گئی ہے۔

(ح) ثابت ہوا کہ سلف کا مذہب اجتہاد ہی تھا نہ کہ تقلید۔

(ط) اور ایک حدیث سے کئی مسائل مستنبط کیے گئے ہیں۔

(ی) اور دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا گیا ہے۔

(ک) اور صحیح بخاری حدیث اور فقہ دونوں کی جامع ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضاء داری
آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

(ل) اور امام بخاری رحمہ اس طرز میں مسبوق الیہ نہیں ہے۔

(م) اور اس سے محدثین کے تفقہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(ن) اور امام بخاری رحمہ کا افقہ ہونا ظاہر ہوا۔ خود اُن کے اساتذہ آپ کی فقاہت کی گواہی اس طرح دیتے ہیں چنانچہ محمد بن بشار بندار آپ کو سید الفقہاء کا لقب دیتے ہیں اور ابو مصعب امام احمد بن حنبل رحمہ سے بھی افقہ و ابصر بتاتے ہیں اور یعقوب بن ابراہیم الدورقی اور نعیم بن حماد آپ کو فقیہ الامت کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اگر بخاری حسن بصری کے زمانہ میں ہوتا تو بھی لوگ اسی کی معرفۃ بالحدیث اور تفقہ کے محتاج ہوتے۔

(تہذیب التہذیب صفحہ ۵۰ تا ۵۲ ج ۹)

(س) اسی طرح اور محدثین کا بھی فقیہ ہونا ثابت ہوا۔ چنانچہ امام مسلم کے متعلق ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ لہٗ معرفۃ بالحدیث (تہذیب صفحہ ۱۲۸ ج ۱۰) اور تقریب التہذیب صفحہ ۲۲۵ ج ۲ مصری میں اس کو ثقہ حافظ امام مصنف عالم الفقہ لکھا ہے۔ اور امام نسائی کے متعلق امام دار قطنی افقہ مشائخ مصر فی عمرہ (تہذیب صفحہ ۳۸ ج ۱) فرماتے ہیں اور امام حاکم فرماتے ہیں۔

ومن نظر فی کتاب السنن لہ تحیر فی حسن کلامہ (معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۸۲) جو شخص سنن نسائی کا مطالعہ کرے گا تو امام نسائی کی بہتر فقاہت کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔

امام ترمذی کی سنن کو سیوطی "قوت المغتذی" جامع بین الحدیث والفقہ بتلاتے ہیں امام ابوداؤد کے متعلق امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ

کان احد ائمۃ الدنیا فقھًا وعلمًا وحفظًا ونسکًا وورعًا واتقانًا۔ (کتاب الثقات الطبقۃ الرابعۃ) "آپ فقہ، علم حفظ، عبادت، پرہیزگاری اور اتقان سب میں دنیا کے اماموں میں سے تھے۔"

اور شذرات الذہب صفحہ ۱۶۷ ج ۲ میں ہے کہ

کان رأسًا فی الحدیث ورأسا فی الفقہ "علم حدیث وفقہ میں آپ چوٹی کے شخص تھے۔"

امام ابن ماجہ رحہ کو خلیلی نے صاحب المعرفۃ فی الحدیث بتایا ہے (تہذیب صفحہ ۵۳۱ ج ۹) اور ابن خلکان نے آپ کو علم حدیث اور اس کے متعلقات کا عارف بتایا ہے (شذرات الذہب صفحہ ۱۶۴ ج ۲) اسی طرح ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۳۶ ج ۲ طبع ۳ میں الحافظ الکبیر المفسر کہا ہے۔

(ع) اور تفقہ کے علاوہ سب محدثین کو اللہ تعالے نے استنباط پر قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں اس کے متعلق مستقل باب رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

النوع العشرون من هذا العلم بعد معرفة ما قدمنا ذكره من صحة الحديث اتقانا ومعرفة لا تقليدا وظنا معرفة فقه الحديث اذ هو ثمرة هذه العلوم وبه قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام اصحاب القياس والرای والاستنباط والجدل والنظر فمعروفون فی كل عصر واهل كل بلد ونحن ذاكرون بمشية فی هذا الموضع فقه الحديث عن اهله ليستدل بذالك على ان اهل الصنعة من تبحر فيها لا يجهل فقه الحديث اذ هو نوع من انواع هذا العلم (معرفة علوم الحديث ص۶۳)

ترجمہ: "صحت حدیث کے انواع جو کہ ہم نے بلا تقلید وظن اپنی معرفت سے بیان کیے اس کے بعد یہ بیسویں نوع فقہ الحدیث کے پہچاننے کے بیان میں ہے۔ کیونکہ یہی ان علوم کا ثمرہ ہے اور اسی سے شریعت قائم رہ سکتی ہے۔ فقہاء اسلام اصحاب قیاس رائے استنباط جدل و نظر تو ہر زمانہ کے ہر شہر کے معلوم ہیں۔ یہاں ہم ان شاء اللہ صرف اہل حدیث کی فقہ حدیث (یعنی حدیث کو سمجھ کر اس سے مسائل نکالنا) بیان کریں گے۔ تاکہ یہ بات ہویدہ ہو جائے کہ جس کو اللہ تعالے نے علم حدیث میں تبحر عطا کیا ہے۔ وہ حدیث کی فقہ سے ناواقف نہیں کیونکہ (وہ بھی عالم ہیں) یہ بھی علم کی قسم ہے۔"

پھر امام حاکم نے نمونہ کے طور پر اس باب میں ان ائمہ کا نام لیا ہے۔ زہری، یحیی بن سعید الانصاری اوزاعی، سفیان، ابن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک، یحیی بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، یحیی بن یحیی التمیمی، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیی بن معین، اسحاق بن راہویہ، الذہلی،

بخاری، ابوذرعہ، ابوحاتم، ابراہیم بن اسحاق الجیری، مسلم، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم العبدی، عثمان بن سعید الدارمی، محمد بن نصر المروزی، نسائی، ابن خزیمہ، ابوداؤد، محمد بن عبد الوہاب العبدی، ابوبکر الجارودی، ابراہیم بن ابی طالب، ترمذی، موسیٰ بن ہارون، ابن ابزاز، حسن بن علی المعمری، علی بن حسین بن جنید، ابن دارہ، محمد بن عقیل البلخی۔

ناظرین! امام حاکمؒ کے کلام سے اہم باتیں معلوم ہوئیں

(الف) فقہ الحدیث دوسری فقہ سے مستغنی کر دیتی ہے۔

(ب) اور یہی فقہ علوم الٰہیہ کا ثمرہ اور ماحصل ہے۔

(ج) اور اسی پر شریعت کا مدار ہے۔

(د) اہل حدیث حدیث میں تفقہ بھی رکھتے ہیں۔

(ھ) یہ غلط ہے کہ وہ صرف الفاظ یاد کرتے ہیں، بلکہ ان کو تفقہ بھی حاصل ہے۔

(و) شریعت کی حفاظت کے لیے صرف اہل حدیث ہی کافی رہے۔ کیوں کہ وہی حفاظ حدیث اور اصحاب فقہ ہیں۔ اسی طرح آپ کا علما میں محدثین اور فقہا کی تقسیم کرنا غلط بلکہ بے معنی ہوا۔

(ز) آپ کی اس تقسیم سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جن فقہا کی جماعت کو آپ نے الگ کیا ہے ان کے پاس حدیث کا علم نہیں ہے۔ اس لیے فقہا کی نقل کی ہوئی روایات پر خود فقہا کو یقین نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ

لاعبرة بنقل النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين (موضوعات کبیر ص۲۴) "مصنف نہایہ اور ہدایہ کے باقی دوسرے شارحین کی نقل کی ہوئی روائتوں

پر کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ نہ وہ خود محدث ہیں اور نہ روایتوں کو کسی محدث کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ جب تک اہل حدیث نہیں اس کی حدیث پر کوئی اعتبار نہیں اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے فرمایا ہے کہ

کم من کتاب معتمد اعتمد علیہ اجلۃ الفقہاء مملوء من الاحادیث الموضوعۃ ولاسیما الفتاوی فقد وضح لنا بتوسیع النظران اصحابھم وان کانوا من الکاملین لکنھم فی نقل الاخبار من المتساھلین (النافع الکبیر ص۱۳)

"فقہ کی کئی معتبر کتابیں جن پر جلیل القدر فقہا کا اعتماد رہا ہے وہ سب جھوٹی اور بناوٹی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ خاص طور پر فتوے کی کتابیں اور وسیع نظر سے ہم پر واضح ہوا ہے کہ ان فقہی کتابوں کے مصنف اگرچہ فی نفسہ کامل تھے لیکن روایات نقل کرنے میں غفلت کرتے تھے۔"

شاہ ولی اللہ طبقات الحدیث کی بحث میں چوتھے طبقہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان میں موضوعات وغیرہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ

(ھنا طبقۃ خامسۃ منھا ما اشتھر علی السنۃ الفقہاء والصوفیۃ والمؤرخین ونحوھم ولیس لہ اصل فی ھذہ الطبقات الاربع (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۵ ج۱ مصری)

"پانچواں طبقہ جس میں وہ روایتیں ہیں۔ جو کہ فقیہوں، صوفیوں اور مورخوں کی زبانوں پر مشہور ہیں۔ جن کی ان چار طبقات کتب احادیث میں کوئی اصل نہیں ملتی۔"

علامہ لکھنوی پھر لکھتے ہیں کہ

ان الکتب الفقھیۃ وان کانت معتبرۃ فی نفسھا بحسب المسائل الفرعیۃ وکانوا مصنفوھا ایضا من المعتبرین والفقہاء الکاملین لکن لا یعتمد علی

الاحادیث المنقولۃ فیہا اعتمادا کلیا ولا یجزم بورودھا وثبوتہا قطعا بمجرد وقوفہا فیہا فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرۃ وھی موضوعۃ مختلقۃ (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۱۳)

"فقہ کی کتابیں اگرچہ فی نفسہ فروعی مسائل کے اعتبار سے معتبر ہیں۔ اور ان کے مصنفین بھی معتبر اور کامل فقہاء ہیں مگر ان میں ذکر کی ہوئی روایات پر اعتماد کلی نہیں اور صرف ان میں روایات دیکھ کر ان کے وارد یا ثابت ہونے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان معتبر کتابوں میں ایسی روایتیں بھی ہیں۔ جو کہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں۔"

علامہ اعزاز علی دیوبندی نے فقہاء حنفیہ کا ایک ایسا طبقہ بھی بتایا ہے کہ

لا یقدرون علی ما ذکروا ولا یفرقون بین الغث والسمین ولا یمیزون الشمال عن الیمین بل یجمعون ما یجدون کحاطب اللیل فالویل لھم ولمن قلدھم کل الویل (تمہید المعارف صفحہ)

"جو کچھ ذکر کرتے ہیں اس کے ثابت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور کھوٹے کھرے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بلکہ حاطب اللیل (رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا جو کہ اچھی بُری کی تمیز نہیں کر سکتا) کی طرح جو کچھ پایا جمع کر دیا۔ پس ویل ان کے اور ان کے پیچھے لگنے والوں کے لیے ہے۔"

ناظرین! فقہاء حنفیہ کے لیے تو امام احمد بن حنبل خاص طور پر فرماتے ہیں کہ

ھؤلاء اصحاب ابی حنیفۃ لیس لھم بصر بشیء من الحدیث ما ھو الا الجرأۃ (قیام اللیل المروزی صفحہ ۱۲۳)

"یہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے ساتھی ہیں۔ جن کو علم حدیث میں کوئی بصیرت اور بینائی حاصل

نہیں ہے صرف جرأت کرتے ہیں۔

امام وکیع جن کو حنفیہ اپنا شمار کرتے ہیں دیکھو طبقات الحنفیہ للقرشی ص ۲۰۸ ج ۲ اور تراجم الحنفیہ للکھنوی ص ۲۲۲ آپ فرماتے ہیں کہ

لولا جابر الجعفی لکان اھل الکوفۃ بغیر حدیث (سنن الترمذی ص ۲۹ ج ۱۔ باب ما جاء فی فضل الاذان)۔

"اگر جابر جعفی نہ ہوتا تو کوفہ والوں کے پاس کوئی روایت نہیں ہوتی۔

ناظرین! جابر جعفی کے حق میں خود امام ابوحنیفہ رح کا فرمان ہے کہ

ما رأیت فیمن لقیت أفضل من عطاء ولا لقیت فیمن لقیت أکذب من جابر الجعفی (عمدۃ القاری للعینی الحنفی ص ۲۷۰ ج ۲ طبع استنبول) نصب الرایہ للزیلعی الحنفی ص ۷ ج ۲)

"میں جن لوگوں کو ملا ہوں۔ ان میں عطاء بن ابی رباح سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ اور جن کو میں ملا ہوں ان میں جابر جعفی جیسا کوئی جھوٹا مجھے نہیں ملا"۔

اور ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کوفہ سے چلی ہے اور کوفہ کی حدیثوں کا مدار جھوٹا شخص ہے۔

اب اگر فقہ حنفی حدیثوں کے موافق ہے تو ان کا حال سن لیا اور اگر خلاف ہے تو پھر کیوں قبول کیا؟۔

فقہ کی معتبر کتاب ھدایہ کے متعلق شیخ عبدالحق یوں گویا ہیں کہ

اگر حدیث آوردہ نزد محدثین خالی از ضعف نہ غالباً اشتغال وقت آنا استاد از علم حدیث کم تر بود (شرح سفر السعادہ ص)

"اگر کوئی حدیث لاتا ہے تو ایسی کہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے غالباً صاحب ہدایہ علم حدیث میں بالکل کم مشغول تھے"۔

ثابت ہوا کہ حدیث بھی اہل حدیثوں کی اور تفقہ بھی انہی کا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ اسی طرح آپ کی یہ تقسیم لایعنی ہوئی۔

قولہ ص ۱۶ س ۲ "حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔" الخ

اقول اس عبارت میں محدثین کے مراتب بتائے گئے ہیں اور قسم دوم جو کہ استنباط کرنے والوں کا ہے، وہ بھی محدثین کا ہے اور جو اہل الرای ہیں ان کی تو حافظ ابن قیم نے اسی کتاب اعلام الموقعین میں پوری مذمت کی ہے بلکہ صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہم کے اقوال سے ان کی تردید کی ہے۔ اور یہ دونوں طبقے اہل حدیث کے بتائے ہیں، نہ وہ فقہاء جن کو آپ اہل حدیث سے الگ سمجھتے ہیں۔ نیز اس عبارت میں تقلید کی بھی مذمت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں طبقات اہل علم کے ہیں اور ابن القیمؒ مقلد کو عالم نہیں مانتا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ

أجمع الناس على أن المقلد ليس معدودا من أهل العلم وأن العلم معرفة الحق بدليله (اعلام الموقعین ص ۷ ج ۱)

"اس پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ مقلد شخص عالموں میں شمار نہیں ہے اور علم نام ہے دلیل کے ساتھ حق کو معلوم کرنے کا۔"

نیز آپ نے اس عبارت میں خیانت کی ہے۔ درمیان کا ٹکڑا چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ دیا ہے۔ دراصل لفظ "ومناهله" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ

حتى وردمن سبقت له من الله الحسنى تلك المناهل صافية من الادناس لم تشبها الآراء تغييرا وهم الذين قال فيهم الامام احمد بن حنبل في خطبته المشهورة في كتابه في الرد على الزنادقة والجهمية الحمد لله الذي جعل في كل زمان فترة من الرسل بقايا من اهل العلم يدعون من ضل الى الهدى

ويبصرون منهم على الأذى يحيون بكتاب الله تعالىٰ ويبصرون
بنور الله أهل العمى فكم من قتيل لابليس احيوه وكم من ضال
تائه قد هدوه فما احسن اثرهم على الناس وما اقبح اثر الناس عليهم
ينفون عن كتاب الله بتحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل
الجاهلين الذين عقدوا الوية البدعة واطلقوا عنان الفتنة فهم
مختلفون فی الکتاب مخالفون الکتاب مجمعون علی مفارقة
الکتاب یقولون علی اللہ وفی اللہ وفی کتاب اللہ بغیر علم یتکلمون علیہم
بالمتشابه من الكلام ويخدعون جهال الناس بما يشبهون
فنعوذ باللہ من فتنة المضلین (اعلام الموقعین ص۹ ج ۱)

"حتیٰ کہ ان (قسم اول) کے حوضوں پر وہی آتے ہیں جن کے لیے اللہ کے ہاں نیکی لکھی جا چکی ہے۔ وہ حوض ایسے صاف ہیں جن کو رائیں بدل نہیں سکتیں اور ایسے چشمہ پر پہنچے جن سے اللہ کے بندے خود پیتے اور جہاں چاہتے آسانی سے جاتے۔ یہ لوگ وہی ہیں جن کے حق میں امام احمد بن حنبل رح اپنی کتاب " الرد علی الزنادقة الجہمیة" کے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہر زمانہ میں جب کہ رسل و انبیاء آنے بند ہو گئے ایسے اہل علم باقی رکھے جو کہ گمراہوں کو ہدایت کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ اور ان سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی کتاب سے مردوں (دین میں) کو زندہ اور (حق سے) اندھوں کو اللہ کے نور سے بینا کرتے ہیں۔ ابلیس نے کئی مار ڈالے ان کو اٹھایا اور گمراہوں کو راہ بتائی ان کا لوگوں پر اچھا اثر ہوا۔ اور لوگوں کا ان پر برا اثر ہوا جو ان سے اذیتیں پہنچیں، وہ اللہ کی کتاب سے غلو کرنے والوں کی تحریف مٹانے والوں کے ناجائز دخول اور جاہلوں کی تاویلات کو ہٹاتے رہتے ہیں۔ وہ غالی مبطل جاہل جنھوں نے بدعت کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں اور فتنہ کا منہ کھول دیا ہے۔ کتاب اللہ کے

اختلاف کرتے ہیں۔ اور اس کے مخالف ہیں۔ اور اس سے الگ ہونے پر متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے حق میں اور اس کی کتاب کے حق میں بلا علم باتیں کرتے ہیں۔ اور متشابہ کلام میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور جاہلوں کو متشبہ چیزوں سے دھوکا دیتے ہیں۔ ایسے گمراہ کرنے والوں کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ناظرین! اس عبارت میں چند مقام قابلِ غور ہیں :

اول :۔ یہ کہ وہ ایسا صاف چشمہ ہے جس کو رائے نہیں بدل سکتی اس سے معلوم ہوا کہ جو قسم فقہ اہل الرائے کے مولوی صاحب نے ذکر کی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ بلکہ ایسی خالص حدیثیں جن پر رائے کا کوئی اثر نہ ہوا لہٰذا مبلغین اور دین کی اشاعت کرنے والوں میں اہل الرای کا شمار نہیں رہا۔

دوم :۔ ان کے چشموں پر وہ خوش قسمت آتے ہیں جن کے لیے خدا نے نیکی رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلف میں عوام مسائل معلوم کرنے کے لیے اہل حدیث کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ نہ کہ اہل الرائے کی طرف۔

سوم :۔ یہ دو نوع قسم اہل علم کے ہیں۔ گویا وہ مقلدین فقہا دین میں داخل نہیں۔

چہارم :۔ وہ اہل حدیث ہر زمانہ میں رہیں گے اور آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ اب اجتہاد بند ہے۔

پنجم :۔ یہی جماعت داعی الی اللہ ہے۔

ششم :۔ انہی کا فریضہ احیاء الاموات بکتاب اللہ اور اللہ کے دئیے ہوئے نور سے لوگوں کو اہلِ بصیرت بنانا ہے اور جن کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کو چاہیئے کہ کسی آنکھ والے کی سُنے اور اس کی اتباع کرے" صفحہ اس ۱۲

وہی منصب اہل حدیث کا رہا نہ اہل الرای کا اور اسی سے تقلید کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ محدثین صرف آیات و احادیث بتلائیں گے پس یہ اتباعِ دلیل ہوئی نہ اتباع رائے فقدبر۔

هفتم :- اور دین کی حفاظت بھی انہی کا حق ہے۔

هشتم :- اور حفاظت کے لیے ان کے تین منصب بتائے گئے ہیں۔

(الف) غلو کرنے والوں کی تحریف سے بچانا جیسا کہ

۱۔ علامہ شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی فرماتے ہیں کہ

"ارشاد ہوا فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر منکم" اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی "نہیں سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و حملہ اولی الامر "واجب الاتباع ہیں۔ آپ نے فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون "باللہ والیوم الآخر تو دیکھ لی۔ اور یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں" "یہ آیت ہے اس قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔" "عجب نہیں کہ آپ دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کو ناسخ اور دوسری کے" "منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگے" (ایضاح الادلہ ص۱۰۲ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی)

حنفی سمجھو!	آیت معروضہ بالا کس سورت اور کس پارہ میں ہے۔ قرآن دیکھ کر بتائیں یا حافظوں سے دریافت کرکے تسلی کریں۔

۲۔ علامہ شبلی نعمانی کی عبارت پڑھیں۔

"من یومن باللہ فیعمل صالحا حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی" "فیصلہ ہو جاتا ہے" (سیرت نعمان شبلی ص۱۰۲ مطبوعہ کریمی لاہور)

حنفی دوستو اس طرح الفاظ پورے قرآن کریم میں کہیں نہیں ہاں سورت تغابن میں آیت اس طرح ہے "ومن یومن باللہ و یعمل صالحاً" سچ بتاؤ کہ یہ اپنے مذہب کی خاطر تحریف نہیں ہے ؟

۳ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۱۱ ج ۲" باب" من صلی صلوٰۃ مرتین" میں ایک روایت یوں لائی ہے ۔

" وفیہ حدیث صریح اخرجہ الدارقطنی عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلیت" " فی اھلک ثم ادرکت فصلھا الا الفجر والمغرب"

حنفی مترو سنن دارقطنی دُنیا سے غائب نہیں ہوئی کئی مکاتب میں موجود ہے ہم بڑے ممنون ہوں گے اگر یہ الفاظ سنن دارقطنی سے نکال کر دکھائیں ۔

۴ ۔ علامہ احمد علی سہارنپوری رسالہ الدلیل القوی میں بحوالہ دارقطنی ایک روایت اس طرح نقل کرتے ہیں ۔

" لا یقرءن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقرآن

قال الدارقطنی رجالہ ثقات "

اصل دارقطنی میں حدیث اس طرح ہے ۔ فلا یقرءن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقرأۃ الامام بالقرآن ھذا اسناد حسن ورجالہ ثقات کلھم (سنن الدارقطنی ص ۱۲۱)

حنفیت کے ممبرو ! خط کشیدہ الفاظ درمیان سے کیوں حذف کر دیئے گئے ؟ اللہ اللہ ۔ اپنے مذہب کی حمایت میں کس قدر بے باکی کے ساتھ حدیث میں ناجائز تصرف کیا جاتا ہے ۔

مزید تسلی کے لیے نصب الرایہ الزیلعی الحنفی کو سامنے رکھ کر پھر دیکھیں کہ صاحب ہدایہ نے احادیث نبوی میں کتنی ناجائز مداخلت کی ہے۔ اسی بنا پر فقہا کی لائی ہوئی روایات پر اعتماد نہیں۔ کما مضیٰ۔

(ب) مبطلین کے ناجائز دخول کو روکنا جیسا کہ ملا علی قاری کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہاء نہ خود محدث ہیں اور نہ محدثوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

(ج) جاہلوں کی تاویل کو روکنا جیسا کہ شاہ اسمٰعیل شہید کی عبارت مقلدین کی تاویلات بارده کے متعلق گذری اور علامہ اقبال نے فقہا کی تاویلات کی شکایت اسی طرح کی ہے ؎

زمن بر صوفی و ملا سلامے ! | کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت | خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

علامہ عبید اللہ سندھی تاویل کرنے والوں کا حال یوں ذکر کرتے ہیں کہ

طائفة منهم تؤول الاحاديث الصحيحة الى اقوال الفقهاء و آراء امامهم منهم فی بلادنا الشيخ عبد الحق الدهلوی المحدث بل عامة اهل بلادنا (تفسیر الهام الرحمٰن ص ۱۲۹)

"فقہا حنفیہ کی ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ وہ صحیح احادیث میں تاویل کرکے اپنے فقہاء کے اقوال اور اماموں کی رائے کے موافق بناتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ان میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔ بلکہ اکثر ہمارے شہروں والے"۔

ناظرین! آپ نے دیکھ لیا کہ صاحب رسالہ "اجتہاد و تقلید" نے کیوں یہ عبارت حذف کردی۔ اس لیے کہ ان کے خلاف پڑتی تھی۔ نیز قسم دوم سے بھی آخری عبارت حذف کردی ہے اور اس کی نقل کی ہوئی عبارت سے آگے اس طرح ہے۔

فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر و احسن تاویلا قال عبد اللہ بن عباس فی احدی الروایتین عنہ وجابر بن عبد اللہ والحسن البصری وابوالعالیۃ وعطاء بن ابی رباح والضحاک ومجاھد فی احدی الروایتین عنہ اولوا الامر العلماء وھو احدی الروایتین عن الامام احمد (اعلام الموقعین ص ۹ ج ۱)

"پس جس چیز میں تم اختلاف کرو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اچھا اور بہتر انجام کار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں اور جابر بن عبد اللہ، حسن بصری، ابوالعالیہ، عطاء بن ابی رباح ضحاک اور ایک روایت میں مجاہد نے کہا ہے کہ اولوا الامر سے مراد علماء ہیں۔ اور اسی طرح ایک روایت میں امام احمد کا کہنا ہے۔"

ناظرین! دو باتیں اہم ہیں جن کی وجہ سے یہ ٹکڑا چھاپا گیا ہے۔

اولاً یہ کہ اختلاف کے وقت اولی الامر میں سے کسی کے قول پر جم کر رہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو فیصلہ کے لیے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور یہ تقلید کے منافی ہے۔ کیونکہ تقلید چاہتی ہے کہ جس کو بہتر سمجھتے اس کی اتباع کرے۔ لیکن چونکہ اولی الامر کا اختلاف ضروری تھا۔ اس لیے خدا کا حکم ہوا کہ سب کو چھوڑ کر قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ نیز یہ مجتہدین کا کام ہے۔ وہی دلائل قرآنیہ و حدیثیہ سے اقوال کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پس اس آیت میں ایمانداروں کو اجتہاد کا حکم ہے تقلید کا کیونکہ یہ آیت یایھا الذین اٰمنوا سے شروع ہوتی ہے۔

دوئم اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔ اور اوپر ثابت ہوا کہ مقلد عالموں میں شمار نہیں۔

پس علماء اہل حدیث ہی کی طرف رجوع کا حکم ہوا اور مقلد اگرچہ کتنا اپنے کو بڑا عالم سمجھے لیکن وہ اس کا اہل نہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں غیر مقلدین اہل حدیث کا رہنا لازمی ہے ورنہ ان کی طرف رجوع کیسے ہوگا۔

قولہ ص ۸ س ۱۔ "(ترجمہ) اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ یعنی فقہا کی اطاعت کرو یعنی کتاب و سنت کا جو مطلب سمجھائیں اس پر عمل کرو"

اقول: علی التقدیر یہ عبارت خود بتاتی ہے کہ اس سے فقہائے اہل حدیث مراد ہیں نہ اہل الرائے نیز اولوا الامر کئی جگہ پر آیات و احادیث کے مطالب بیان کرنے میں اختلاف کرتے ہیں اور ایسے وقت اصل (قرآن و حدیث) کی طرف لوٹنے کا حکم ہے۔ پس تقلید کی منع ہوئی اور اپنے فکر و فہم و تفقہ کا حکم ہوا۔

قولہ ص ۸ س ۶ "امام شعرانی میزان ص۳۳ میں لکھتے ہیں" الخ

اقول اس عبارت کے اخیر میں یہ فقرہ ہے کہ

انظروا الی الائمۃ المجتہدین کیف طلبوا الحدیث مع الفقہ ولم یکتفوا باحدھما۔

(ترجمہ بھی خود کرتے ہیں) دیکھو تو سہی کہ ائمہ مجتہدین نے حدیث اور فقہ دونوں کو طلب کیا صرف ایک پر اکتفا نہیں کیا۔ (اجتہاد و تقلید ص ۸ س ۱۱)

صاف ظاہر ہے کہ یہ شان فقہائے اہل حدیث کی ہے۔ نیز شعرانی نے محدث بلا فقہ اور فقیہ بلا حدیث دونوں پر وار کیا ہے۔ ہمارے اہل حدیثوں میں تو بحمد اللہ تفقہ رکھنے والے ہیں لیکن آپ کے فقہا میں اہل حدیث نہیں۔ آپ کہاں سے لائیں گے؟

اسی طرح امام سفیان ثوری اور امام ابن عیینہ سے جو آپ نے نقل کیا ہے اس سے بھی

مراد آپکے فقہاء ہیں۔ کیونکہ ہمارے محدثین کو اللہ تعالےٰ نے تفقہ وافر عطا کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے ابواب و تراجم سے ظاہر ہے۔ لیکن آپکے فقہاء حدیث سے خالی بلکہ ان کا تو نا جائز تصرف ہے کہ ان کی نقل کی ہوئی روایت پر کوئی بھروسہ نہیں۔ جب تک کہ ہمارے محدثین کے ہاں اس کی اصل نہ ملے۔ کما تقدم

قولہ ص ۱۹ سطر ۹ "محدثین اور فقہاء کے فرائض" الخ

اقول۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محدث اور فقیہ کی ایک ہی جماعت بتلائی ہے اس لیے کہ حامل اور سامع محدث ہی ہوتا ہے۔ اس کا کام ہے کہ حدیث سن کر دوسروں تک پہنچائے۔ آپنے بھی ص۱۲ میں ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ یہاں فقیہ سامع و حامل کو کہا گیا ہے۔ ہاں یہ بتایا کہ بعض بعض سے افقہ ہوتے ہیں۔ لیکن تمہارے فقہائے اہل الرای کی جماعت کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اسی روایت میں ایک جملہ جس کا ترجمہ خود آپ لکھتے ہیں کہ

"اور بعضے سمجھدار ہوتے ہیں مگر جن کو روایت پہنچاتے ہیں وہ اس راوی سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں"

ص۱۱ سطر ۱۱۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کئی متاخرین متقدمین سے افقہ اور زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں ثابت ہوا کہ اجتہاد متاخرین پر زیادہ آسان ہے۔ لہٰذا ان کے لیے تقلید نا جائز ہوئی۔ جیسا کہ آپنے ص۲۶ میں لکھا ہے۔ اور اسی طرح آپ کی یہ بات بھی غلط ہوئی کہ "اجتہاد ختم ہوا اور تقلید قیامت تک کے لیے باقی رہ گئی" ص۱۰۶ س ۱۱۔

قولہ ص۱۹ س۱۷ "اور حدیث کے وہ محجوب اور مخفی حقائق" الخ

اقول کہ یہی فقہاء اہل حدیث کا حال ہے نہ کہ جو محض رائے اور قیاس پر قانع ہیں۔

قولہ ص۲۰ س۱ "اس حدیث میں اس امر کی صاف تصریح ہے کہ حافظ حدیث کے لیے

یہ ضروری نہیں کہ وہ صاحب فہم بھی ہو" الخ

اقول لیکن یہ کہاں ہے کہ فقیہ کے لیے حافظ حدیث ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اگر ایسا ثبوت ہے تو پیش کرو "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" اور اگر ان کے لیے بھی حفظ حدیث ضروری ہے تو ثابت ہوا کہ بلا حدیث فقیہ نہیں ہو سکتا اور یہ ایک ہی جماعت ہوئی تفریق صحیح نہیں رہی۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث یا اہل حدیث جو تفقہ میں کمال نہیں رکھتا ہو وہ ناقص محدّث ہے۔ نہ یہ کہ جس کے پاس حدیث نہیں وہ محدّث ہو یا فقیہ۔ حاشا وکلّا۔

بتائیں کہ فقہ سے کیا مراد ہے۔ فقہ القرآن والحدیث یا کچھ اور علی الاول یہ حظ اور شغل تو اہل حدیث کا ہے۔ وعلی الثانی یہ کوئی شرعی فقہ نہیں۔ فتفکر!

قولہ صنہ سطر ۴ "فقیہ وہ ہے کہ فقہ اس کی صفت نفس ہو"

اقول فقہ حدیث کی یا کسی اور کی علی الاول یہ صفتِ نفس اہل حدیث کی ہے۔ وان کان البعض اولی من البعض۔ محدّث ہونے کے بغیر کیسے فقیہ بن سکتا ہے۔ وعلی الثانی شرعًا وہ فقہ نہیں ہے۔

قولہ صنہ سطر ۴ "اور فقہ جس شخص کے حق میں صفت نفس نہ ہو۔ اس شخص کا تعلق حامل و محمول کا سا ہے۔ صفت موصوف کا سا نہیں"

اقول یہاں آپ نے خود حدیث کو فقہ کہا۔ کیونکہ حامل محمول کا سا تعلق تب ہو سکتا ہے جب کہ حدیث (محمول) کو فقہ مانا جائے۔ پس اہل فقہ اہل حدیث ہی ہوئے اور نہ اہل الرای

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قولہ صنہ سطر ۱ "معلوم ہوا مقصود بالذات معنی ہے اور الفاظ مقصود بالعرض ہیں اور

مقصود بالذات کے لیے موقوف علیہ ہیں۔"

اقول جب الفاظ موقوف علیہ ہیں، تو ثابت ہوا کہ محدث کے علاوہ اور کوئی فقیہ نہیں ہو سکتا۔

قولہ ص ۲۰ س ۱۲ "اور الفاظ کے تغیر سے معنی میں بھی تغیر آ جاتا ہے اس لیے الفاظ کی حفاظت بھی ضروری ہوئی۔"

اقول اب مطلب کھل گیا کہ حفاظ حدیث جب فقہاء نہیں تو الفاظ کی حفاظت کیسے کریں گے اور تغیر و تبدل سے کیسے بچائیں گے۔

قولہ ص ۲۰، س ۱۵ "کما قال اللہ تعالیٰ" الخ۔

اقول اس آیت میں قرآن و حدیث کے تفقہ کا حکم ہے اور جو لوگ ان کے واپس آکر تبلیغ کرنے اور ڈرانے سے عمل کریں گے وہ متبع روایت ہوئے نہ رائے۔ لہٰذا وہ بھی مقلد نہیں ہوئے۔ کیونکہ دلیل کی اتباع تقلید نہیں کما مضیٰ۔

قولہ ص ۲۰ س ۱۷ "محدث نے الفاظ کی خدمت انجام دی" الخ

اقول: مجتہد و فقیہ انہی میں ہوئے۔ فریق ایک ہے دو نہیں۔ صرف ایک دوسرے سے اعلیٰ۔

قولہ ص ۲۱ س ۲ "حضرات محدثین نے روایات اور الفاظ حدیث کی تحقیق و تفتیش فرمائی۔" الخ

اقول کئی بڑے محدثین عجمی تھے مثلاً بخاری ترمذی ابوداؤد وغیرہم۔ انھوں نے تفقہ کے بغیر الفاظوں کی حفاظت کیسے کی۔ نیز قرآن کے حفظ پر اسی کو قیاس نہ کریں۔ کیونکہ اس کے الفاظ سب حافظوں کے نزدیک ایک جیسے ہیں۔ بخلاف حدیث کہ ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ لہٰذا ان کی حفاظت

بلا تفقہ محال ہے۔ فاندفع ما کادان یرد۔

قولہ ص ۱۲، س ۴ "اور حضرات فقہا نے خداداد استنباط اور اجتہاد سے" الخ

اقول جب وہ حفاظ ہی نہیں تھے تو کیسے ان کو معانی پر عبور رہا اور جو حفاظ ہیں وہ بدون معرفت معانی کیسے حفاظ بنے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۰ "الفاظ میں حضرات محدثین ہمارے استاذ ہیں" الخ

اقول جب ثابت ہوا کہ ایک ہی جماعت کے افراد ہیں لہٰذا یہ تقریر بلا طائل ہوئی۔

قولہ ص ۱۲، س ۱۲ "الفاظ اور معانی میں تفریق کرکے نا سمجھی کا ثبوت مت دو"

اقول یہی ہمارا قول ہے کہ یہ ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک ہی جماعت کا شغل ہے۔ فافہم۔

قولہ ص ۱۲، س ۱۳ "الحاصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں محدثین کو یہ حکم دیا کہ حدیث اور روایت فقہا تک پہنچا دیں" الخ

اقول اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ خود فقہا نہیں تھے۔ نعوذ باللہ من ھذہ القول القبیح۔ کیونکہ یہ حکم بالمشافہ آپ سے سننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی تھے آپ کی یہ تقسیم ہے جس سے نوبت صحابہ رض کی توہین تک پہنچی۔

قولہ ص ۱۲، س ۱۴ "تاکہ فقہاء امت کو اس کے سامنے سمجھا دیں اور مسلمان منشاء نبوی کو سمجھ کر اس پر عمل کریں"

اقول گویا کہ صحابۂ کرام میں یہ اہلیت نہیں تھی۔ معاذاللہ۔ وہ کیسے عمل کر رہے تھے۔ کیا بلا سوچ و سمجھ؟ استغفراللہ

قولہ ص ۱۲، س ۱۷ "یہی وجہ ہے کہ روایت تو تمام صحابہ کرتے تھے، مگر فتویٰ تمام صحابہؓ

نہیں دیتے تھے" الخ

اقول مفتی سب تھے۔ لیکن ان کے فتاویٰ کا مدار احادیث کی قلت و کثرت پر تھا" و فوق کل ذی علم علیم"

قولہ ص ۲۱، س ۱۹ "جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے" الخ

اقول آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے اعلام صـ۳۷ سے صـ۴۵ دیکھا۔ مگر خلاصہ یہ کہ فتویٰ دینا عالم کا کام ہے اور عالم بالاجماع مقلد نہیں ہوتا ہے۔ اب بتائیں کہ سب صحابہ عالم تھے یا بعض علی الاول سب غیر مقلد ہوئے اور فتوے دینے کے مستحق تھے۔ و علی الثانی بعض صحابہؓ معاذاللہ بے علم و جاہل ہوئے۔ استغفراللہ۔ نیز ابن القیمؒ نے سارے مضمون میں تقلید و الرائے کی مذمت کی ہے۔ اور جن اقوال میں رائے کا ذکر ہے ان سے اجتہاد و استنباط من الادلہ مراد لیتے ہیں۔

قولہ ص ۲۲ س ۳ "عہد صحابہ میں اصحاب فتویٰ یہ حضرات تھے" الخ

اقول امام ابن حزم نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ رکھا ہے۔ جس میں ایک سو باسٹھ ۱۶۲ صحابہ کا نام لیا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں۔

وقد جاءت روایات بابواب من الفقہ مجملۃ جاءت منقولۃ من مائتین منھم رضی اللہ عنھم (جوامع السیرۃ لابن حزم صـ۳۲۳ الرسالۃ الثالثۃ۔ فقہی ابواب کی روایات مجمل طور پر دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں

اس طرح بعد صحابہ کئی فقہاء ہوئے ہیں۔ فقہاء سبعہ تک آپ کا حصر غلط ہے۔ بلکہ امام ابن حزمؒ نے ہر شہر کے فقہاء ذکر کیے ہیں۔ جن کی تعداد پہلے ذکر ہو چکی۔ اسی طرح حافظ ابن قیمؒ نے

بھی اعلام الموقعین ص ۱۱ تا ۹۸ ج ایں ذکر کیا ہے۔

قولہ ص ۲۲، س ۷ "محدثین کو فقہاء کی احتیاج" الخ

اقول اس عنوان کا مضمون اس پر موقوف ہے کہ دو جماعتیں ہوں۔ واذلیس فلیس نیز علی التقدیر فقہاء محدثین کے محتاج ہیں۔ کیونکہ احادیث پہنچانے والے بقول شما وہی ہیں۔ وہ بھی جبکہ ان کی فقہ فقہ الحدیث ہو اور اگر دوسری ہے تو پھر یہ سوال ہی نہیں رہا۔

قولہ ص ۲۲ س ۹ "قال الامام الشافعی (الی قولہ) ائمہ مجتہدین جو فرماتے ہیں وہ حدیث کی شرح ہوتی ہے اور تمام حدیث قرآن کی شرح اور تفسیر ہے۔"

اقول ان ائمہ سے مراد اہل حدیث ہیں نہ کہ اہل الرای کیونکہ وہی حدیث کے شارح ہیں۔ جیسا کہ دونوں کے طریقۂ کار سے ظاہر ہے۔ چنانچہ امام ابن قتیبہ ان دونوں جماعتوں کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ

ثم نصیر الی اصحاب الرای فنجدهم ایضا یختلفون ویقیمون ثم یدعون القیاس ویستحسنون ویقولون بالشئی ویحکمون به ثم یرجعون (تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۶۲)

"اہل الرائے کو دیکھتے ہیں تو مختلف پاتے ہیں کبھی تو قیاس کرتے ہیں پھر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی استحسان کرتے ہیں اور ایک چیز کے قائل ہو کر اور اس کا حکم دے کر پھر اس سے رجوع کرتے ہیں یعنی ان کا کوئی موقف نہیں ہے۔ پھر اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ

فاما اصحاب الحدیث فانهم التمسوا الحق من وجهته وتتبعوه من مظانه وتقربوا من الله تعالٰی باتباعهم سنن رسول الله صلی الله علیه وسلم وطلبهم لآثاره واخباره برا وبحرا وشرقا وغربا یرحل الرجل الواحد منهم

راجلا مقویا فی طلب الخبر الواحد والسنۃ الواحدۃ حتی یاخذھا من الناقل لھا مشافھۃ ثم لم یزالوا فی التنقیر عن الاخبار والبحث لھا حتی فھموا صحیحھا وسقیمھا وناسخھا ومنسوخھا وعرفوا من خالفھا من الفقھاء الی الرای فنبھوا علی ذالک حتی نجم الحق بعد ان کان عافیا و سبق بعد ان کان دارسا واجتمع بعد ان کان متفرقا وانقاد للسنن من کان عنھا معرضا وتنبہ علیھا من کان عنھا غافلا وحکم بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان کان یحکم بقول فلان وفلان وان کان فیہ خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تاویل مختلف الحدیث ص۵۵)

اہل حدیثوں نے جس طرح حق تھا تلاش کی اور اس کا تتبع کیا اور بوجہ اتباع سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی احادیث کو بر و بحر مشرق خواہ مغرب میں طلب کرنے کے اللہ تعالٰے کے ہاں مُقرب ہوئے۔ ایک شخص ان میں سے ایک حدیث کی طلب میں پیدل ایسے مقام تک جاتا جہاں معاشں کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ تاکہ ناقل سے براہ راست وہ حدیث سن لے۔ اور تحقیق و بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو صحیح حدیث و ضعیف ناسخ و منسوخ کی معرفت حاصل ہوئی اور فقہاء میں سے جو کہ حدیث کے مخالف اور رائے کے پیچھے تھے۔ ان کا علم ہوا۔ اور لوگوں کو خبردار کیا پس (ان کی کوشش سے) حق مٹنے کے بعد ظاہر و بلند ہوا جو متفرق تھا۔ ایک جگہ جمع ہوا۔ اور سُنّت سے جو معرض تھے ان کے آگے جھک گئے اور جو ان سے غافل تھے وہ متنبہ ہوئے اور جو دوسروں کے اقوال پر فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حدیث کے خلاف ہو وہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر فیصلہ کرنے لگے۔

ناظرین! ان عبارات کو بار بار پڑھو! اور غور کرو کہ کیا طریقہ اہل الرائے کا تھا اور کیا طریقہ اہل حدیث کا۔ اول الذکر نے حدیث کو رائے کے مقابلہ میں ترک کیا اور غیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو مشکل راہ بنایا۔ اور ان کی تعلیم سے لوگ سنتوں سے غافل اور معرض ہونے لگے۔ اور سنت کے بجائے صرف قیاس کو حربہ بنایا۔ اور اسی پر چلتے کبھی بناتے کبھی بگاڑتے۔ اور ثانی الذکر نے خالص حدیثوں کو حاصل کرنے میں کاوشیں اور مشقتیں برداشت کیں۔ ان کو صحت و سقم اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کا علم حاصل ہوا۔ انہی کی بدولت اہل الرائے کی مخالفت کا زور ختم ہوا۔ اور جو لوگ سنتوں سے دور تھے۔ وہ ان کے مطیع ہونے لگے۔ اور غیروں کے بجائے نبوی فرامین پر فیصلے ہونے لگے۔ اور انہی کی مخلصانہ کوشش سے حق ظاہر ہوا۔ اور متفرق سنتیں یکجا جمع ہوئیں۔ اب قارئین کرام دونوں کے تفقہ کا خود فیصلہ کریں ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

قولہ ص ۲۲ س ۱۳ "امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ لولا الشافعی ما عرفنا فقہ الحدیث" الخ

اقول: فقہ الحدیث فقہ اہل حدیث ہے نہ کہ فقہ اہل الرائے۔ نیز کیا آپ امام احمدؒ کے قول کو صحیح مانتے ہیں یا نہیں علی الاول کیا امام ابو حنیفہ فقہ الحدیث کے عارف نہیں تھے؟ کیونکہ وہ امام شافعیؒ سے قبل تھے۔ اور بقول امام احمدؒ فقہ الحدیث کی معرفت امام شافعی کے بعد ہی حاصل ہوئی۔ اور اس طرح آپ نے مذہب حنفی کی ترجیح کے لیے جو صنا سے صنا تک پورے آٹھ ورق لکھ دیئے ہیں وہ سارا کچھ غلط ہوا۔ وعلی الثانی پھر ایسے قول کو کیوں نقل کیا۔ جس کو صحیح نہیں مانتے ہو۔

قولہ صلا ۲۲ سطا ۱۶ "امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے تو (الی قولہ) اگر حدیث سمجھنا ہے تو امام شافعیؒ کی سواری کی دُم پکڑ کر چلو" الخ۔

اقول :۔ حدیث کا سمجھنا یہ فقہ اہل حدیث ہے۔ نہ کہ فقہ اہل الرائے جیسا کہ امام ابن قتیبہ رح کے قول میں گذرا۔ اور اہل حدیث ہمیشہ ایک دوسرے سے حدیث سمجھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ بھی شافعی رح کی سواری کی دُم پکڑیں گے۔ اور حنفیت کو چھوڑ دیں گے ؟

قولہ صـ۲۳ سـ۶ " (ترجمہ) زعفرانی کہتے ہیں کہ اصحاب حدیث خواب میں تھے امام شافعیؒ نے آکر ان کو جگایا" الخ

اقول :۔ امام شافعی رح خود اہل حدیث تھے دیکھو " الملل والنحل للشہرستانی " صـ۵ ج ۲ بر ہامش الفصل لابن حزم اور اہل حدیث ایک دوسرے کو معانی سمجھاتے رہتے ہیں، لیکن آپ بتائیں کہ آپ کے اہل الرائے نے کیا کیا۔ ؎

گر ز عشقت خبرے ہست بگوئے واعظ

ورنہ خاموش ایں شور و فغاں چیزے نیست

قولہ صـ۲۳ سـ۱۱ " وقال داؤد بن علی امام اهل الظاهر " الخ

اقول : یہاں بھی امام شافعی رح کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا کوئی منکر نہیں ہے۔ یہ تفقہ یہ درایت و فہم سب اہل حدیثوں کے کام ہیں۔

قولہ صـ۲۴ سـ۱۶ " عبد الرحمٰن بن مہدی جو اپنے زمانہ میں اہل حدیث کے امام تھے انھوں نے امام شافعی رح سے درخواست کی کہ اُصول فقہ میں کوئی کتاب تصنیف فرمائیں " الخ

اقول : اہل حدیث اہل الرائے کو نہیں کہہ سکتے بلکہ اہل حدیث کو ہی کہیں گے۔ اور اہلحدیث ایک دوسرے سے فائدہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اہل الرائے کا یہ منصب نہیں۔ نیز آپ نے لکھا ہے کہ " عبد الرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید القطان امام شافعی رح کے رسالہ اصول فقہ کو بہت پسند کرتے تھے اور اس طرح اس زمانہ کے تمام علماء " کیا آپ بھی اسے پسند کرتے ہیں یا کسی دوسری کتاب کو

قولہ ص۲۵ س۲ " علامہ سیوطی تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ میں لکھتے ہیں

روی عن الحسن بن الحارث قال سمعت النضر بن شمیل " الخ

اقول اولاً یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی بوجوہ۔ اوّل یہ کہ حسن بن الحارث خود مجہول ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں اس کا پتا نہیں لگتا۔ دوم سیوطی نے تبییض الصحیفۃ میں یہ روایت بحوالہ سند ابی عبد اللہ الحسین بن محمد بن خسرو البلخی سے نقل کی ہے۔ اور یہ صاحب خود ضعیف معتزلی اور حاطب اللیل تھے۔ کما فی لسان المیزان ص۳۱۲ ج ۲ سوم ابن حزم اور حسن بن حارث کے درمیان کی سند معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت سنداً مردود ہے۔ ثانیاً اگر اس روایت کی صحت قبول کی جائے۔ تو بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے لوگوں کو مجتہد ہو کر رہنے کی ترغیب اور خود سوچنے و تفقہ رکھنے کی توجہ دلائی ہے۔ اور یہی معنی نیند سے بیدار کرنے کی ہے۔ پھر آپ امام کے برخلاف تقلید کا حکم کیوں دیتے ہیں۔ یہ امام کی اتباع تو نہ ہوئی بلکہ ع

کایں رہ کہ تو مے روی بترکستان است

قولہ ص۲۵ س۱ " اور حافظ ذہبی نضر بن شمیل کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ الخ

اقول بے شک اہل حدیث کا یہی کام ہے کہ ہر جگہ حدیث و سنت کو پھیلائیں اور رائے و قیاس کے اثر کو ختم کریں۔

قولہ ص۲۵ س۱۲ " روی ایضاً عن عبد الرزاق قال کنت عند معمر " الخ

اقول: یہ روایت مولوی صاحب نے تاریخ خطیب بغدادی کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ اور اس کی سند وہاں اس طرح ہے۔ اخبرنا التنوخی حدثنی ابی حدثنا ابوبکر محمد بن حمدان بن الصباح النیسابوری حدثنا احمد بن الصلت الحمانی حدثنا علی بن المدینی قال سمعت عبد الرزاق تذکرہ (تاریخ بغداد ص۳۳۹ ج ۱۳) اور احمد بن الصلت الحمانی مشہور

مشہور جھوٹا اور روایتیں گھڑنے والا ہے۔ تمام ائمۂ جرح و تعدیل نے اس کو کذاب و وضاع بتایا ہے۔ یہاں تک کہ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی جس کا آپ نے صلے پر ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "قانون الموضوعات والضعفاء" صلے ۲۴۶ میں لکھا ہے کہ

قال ابن عدی مارأیت فی الکذابین اقل حیاء منہ۔ امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے راویوں میں اس شخص جیسا کوئی بے شرم نہیں۔

اور کشف الاحوال للمدراسی صلے۱۲ میں بھی یہی نقل موجود ہے۔ اور یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ کان یضع الحدیث "یعنی حدیثیں گھڑتا تھا۔ اسی طرح میزان خواہ لسان سب میں اس کے دروغ گوئی کی تصریح ہے۔ خود شیخ طاہر فتنی نے بھی کذاب کہا ہے۔ نیز جلال الدین سیوطیؒ نے ذیل اللآلی صلے۳۵، صلے۲۶ میں بھی اس کو کذاب کہا ہے۔ اور امام دارقطنی اور حافظ ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ وہ جھوٹی روایتیں بناتا تھا پس ایسی بناوٹی بات پر اعتماد رکھنا علماء کی شان نہیں ہے۔ نیز اسی طرح اس روایت سے آگے ابن المبارک کی مسعر سے روایت اس کے بعد ابو یوسف کی روایت یہ دونوں تاریخ بغداد للخطیب میں علی الترتیب صلے۳۴۳ ج ۱۳ صلے۳۴۴ ج ۱۳ میں موجود ہیں اور ان دونوں کی سندوں میں یہی بے شرم جھوٹا احمد بن الصلت الحمانی ہے پس یہ تینوں روایتیں اسی بے شرم کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان پر اور زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

قولہ صلے۲۷ سطر ۱ "وسئل الاعمش عن المسئلۃ" الخ

اقول یہ روایت الخیرات الحسان میں بلا سند منقول ہے اور بلا تحقیق حال رواۃ کیسے اس پر بھروسہ کیا جائے۔

قولہ صلے۲۷ سطر ۶ "امام ابوحنیفہؒ ایک روز امام اعمش کی مجلس میں حاضر تھے" الخ

اقول یہ روایت کتاب مناقب الامام ابی حنیفہ رح للموفق ص۱۶۳ ج ا میں اس سند سے مروی ہے۔ قال اخبرنی الامام ابو المحسن الحسن بن علی المرغینانی فی کتابہ الی بخاری انا رکن الاسلام ابو اسحاق ابراھیم بن اسماعیل الصفار انا ابو علی الحسینی بن علی الصفار انا الفقیہ ابو نصر احمد بن محمد ابن مسلم انا ابو عبداللہ محمد بن عمر انا الشیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد عبد الحارثی ح واخبرنی عالیا تاج الاسلام ابو سعد السمعانی فی کتابہ انبانا ابو الفرج الصیرفی باصبہان انا ابو الحسینی الاسکاف انا ابو عبداللہ بن مندۃ الحافظ انا الاستاذ ابو محمد الحارثی قال حکی علی بن معبد عن عبید اللہ بن عمرو بن الاعمش فذکرہ اور یہ ابو محمد الحارثی الاستاذ مشہور کذاب روایتیں گھڑنے والا شخص تھا۔ اس کا مفصل حال میزان الاعتدال ص۲۷ ج ۲ اور لسان المیزان ص۳۴۸ ج ۲ میں مذکور ہے۔ یہاں ہم صرف علماء حنفیہ کی کتابوں سے اس کا حال ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی تاج التراجم ص۳۰ میں لکھتے ہیں کہ قال ابن مندۃ غیر ثقۃ ولہ مناکیر ۔ ۔ ۔ وقال ابن الجوزی ان ابا سعید الرواس قال منھم یضع الحدیث اھ ۲۔ شیخ عبدالقادر قرشی حنفی الجواہر المغیئہ ص۲۸۹ ج ا میں لکھتے ہیں۔ قال کان غیر ثقۃ ولہ مناکیر وذکر ابن الجوزی ان ابا سعید الرواس قال منھم یضع الحدیث اھ۔ ۳۔ علامہ لکھنوی الفوائد البہیۃ ص۱۰۴ میں لکھتے ہیں۔ کان ضعیف الروایۃ غیر موثوق بہ فی ما ینقلہ بہ من الروایۃ ۔ ۔ ۔ ۔ وذکر ابو بکر الخطیب الحافظ صاحب عجائب وغرائب ومناکیر ولیس بموضع الحجۃ وقال ابو زرعۃ ضعیف وقال الحاکم صاحب عجائب وافراد من الثقات سکتوا عنہ اھ ۴۔ علامہ عبدالوہاب مدراسی

کشف الاحوال ص۶۳ میں لکھتے ہیں: قال فی المیزان منهم بوضع الحدیث وقال فی المغنی یاتی بعجائب واهیة وقال الخلیلی حدثونا عنه بعجائب اھ ص۵ علامہ فتنی قانون الموضوعات ص۲۴۲ میں لکھتے ہیں۔ متهم بوضع الحدیث اھ ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حارثی ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔ حجت نہیں، اس کی روایات پر بھروسہ نہیں۔ حدیثیں بنانے سے متہم ہے۔ محدثین نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور معتبر راویوں سے کئی عجیب غریب منکر اور واہیات روایتیں لاتا ہے۔ پس اس کی روایت مردود ہے۔ ثانیاً اس کی علی بن معبد سے بھی ملاقات نہیں، کیونکہ حارثی دو سو اٹھاون ہجری میں تولد ہوا ہے۔ (الفوائد البہیہ ص۱۰۵) اور علی بن معبد دو ہیں ایک ابن نوح بغدادی جو ۲۵۹ھ ہجری میں فوت ہوا ہے اور دوسرا ابن شداد الرقی جو ۲۱۸ھ ہجری میں فوت ہوا ہے (تہذیب ص۲۸۵، ص۳۸۶ ج ۷) اب اگر پہلا مراد ہے تو اس کی وفات وقت حارثی ایک سال کا بچہ تھا اور اگر دوسرا ہے تو اس کی وفات کے چالیس سال بعد حارثی پیدا ہوا ہے۔ پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ درمیان کا فاصلہ معلوم نہیں ثالثاً یہ حارثی مدلس بھی ہے کما فی اللسان ص۳۴۹ ج ۳ نقلا عن الخلیلی اور ضعیف راوی کی تدلیس اگرچہ وہ سماع کی تصریح بھی کرے اور حدثنا وغیرہ کہے مگر پھر بھی مقبول نہیں (طبقات المدلس لابن حجر ص۲) وبالخصوص جب کہ یہاں اس نے سماع کی تصریح بھی نہیں کی۔ رابعاً یہ خود موفق قابل اعتماد شخص نہیں تھا۔ کما سیأتی نقلا عن المنتقی للذهبی الحاصل یہ روایت قطعاً معتبر نہیں بلکہ اسی حارثی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی موفق نے ص۱۶۳ ج ا میں اعمش کی ایک روایت اس سند سے لائی ہے۔

اخبرنی ابو النجیب سعید بن عبد الله الهمدانی فیما کتب الی من همدان عن ابی الطیب طلحة بن الحسین الصالحانی عن ابی الفتح احمد بن محمد العطار عن ابی احمد الحسن بن عبد الله العسكری باسناده ان الاعمش الخ اولاً یہ سند مجہول ہے

ثانیاً عسکری سے لے کر اعمش تک سند غائب ہے۔ کیونکہ عسکری ۲۹۳ھ میں تولد ہوا ہے۔ (بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ للسیوطی ص۲۲۱) اور اعمش ۱۴۸ھ ہجری میں فوت ہو چکا تھا (تقریب التہذیب ص ۱۳۱ ج ۱ مصری) نامعلوم ان کے درمیان کتنے واسطے ہیں اور وہ سب سچے ہیں یا جھوٹے؟ ثالثاً موفق خود غیر معتبر ہے۔

قولہ ص۲۷ س۱۲ "یعنی یہ تفقہ اور یہ استنباط حدیث پر عمل کرنے کی برکت سے ہے"

اقول:۔ اہل حدیث ہی براہ راست حدیث پر عمل کرتے ہیں، نہ کہ فقہاء رائے و قیاس پس وہی فقیہ و مجتہد ہوئے نہ کہ مقلد اور فقہی جزئیات پر قناعت اور اقوال الرجال و آراء الرجال پر کفایت کرنے والے۔

قولہ ص۲۸ س۱ "اور طبیب وہ ہے جو دواؤں کے خواص و آثار اور طریق استعمال اور معالجہ سے واقف ہو اور عطار وہ ہے جس کے پاس دواؤں کا ذخیرہ ہو اور ظاہر ہے کہ عطار کسی بیماری کا علاج نہیں کر سکتا ہے۔"

اقول یہ تقریر بتاتی ہے کہ محدثین کے پاس تفقہ نہیں اور فقہا کے پاس حدیث نہیں اور تفقہ کا مدار حدیث پر ہے۔ پس جب تک آپ کے فقہا محدثین کے دروازہ پر نہ جائیں وہ تفقہ نہیں کر سکتے اور فقہاء محدثین کے محتاج ہوئے نہ کہ اس کے برعکس اور آپ کی کوشش کہ محدثین کو فقہاء کا محتاج بنائیں ناکام ہوئی۔ نیز اگر جب بقول شما محدث صرف عطار ہیں۔ ان کو تفقہ نہیں تو ان پر فقہا نے کیسے اعتماد کیا۔ اور ان کی حدیثوں پر بھروسہ کر کے ان پر دنیا کے لوگوں کے روحانی علاج کی بنیاد رکھی۔ عجب تماشہ ہے کہ فقہاء تو حدیث نہیں جانتے۔ محدثین جن سے وہ لیتے ہیں وہ بھی تفقہ نہیں رکھتے ہیں ان کی روایات پر کیسے اعتماد کیا۔ کیا خبر کہ ان سے روایات میں الفاظ کی کمی و بیشی ہو گئی ہو۔ اسی طرح گویا کہ دین کے ماخذ کو بالکل بے بنیاد اور بے ثبوت بنا دیا۔ استغفر اللہ۔

دراصل محدثین ہی ہیں، جنھوں نے احادیث کی اسانید اور متون دونوں کی تحقیق کی اور مسائل بنائے وہی طریقہ کافی ہے۔

قولہ صـ۲۸ سـ۲۰ "حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ (الی قولہ) بھلا ایسی شہادت کیا خلاف واقع ہوسکتی ہے۔" صـ۲۹ سـ۹

اقول:۔ اعمش کے علم وفضل وزہد وتقویٰ وعبادت وریاضت سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر جس شہادت پر آپ نے اپنے دعوے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے متعلق بیان ہوچکا۔

قولہ صـ۲۹ سـ۱۱ "اور اسی طرح کا واقعہ امام اوزاعی کے ساتھ پیش آیا الخ"

اقول:۔ اس واقعہ کا حوالہ نقل نہیں کیا۔ اور نہ کسی کتاب میں نظر ہی آتا ہے۔ پہلے اس کا حوالہ چاہیے پھر اس پر ان شاء اللہ کلام کریں گے۔ نیز امام اوزاعی نے امام صاحب کے حق میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ تاریخ بغداد صـ۳۹۸ ج ۱۳ میں مذکور ہیں جس سے یہ نسبت اس کی طرف سے غلط ہوجاتی ہے۔

قولہ صـ۲۹ سـ۱۹ "جب تک اطمینان نہ ہوجائے" الخ

اقول غیر فقیہ محدث پر کیسے اعتماد ہوسکتا ہے؟

قولہ صـ۳۰ سـ۲ "اسی بناء پر امام شافعی رح فرمایا کرتے تھے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں"

اقول یہ روایت تاریخ بغداد صـ۳۴۶ ج ۱۳ میں تین اسانید سے مذکور ہے پہلی میں راوی حمزہ بن علی بصری ہے۔ دوسری میں دو راوی ابراہیم بن محمد بن احمد ابو اسحاق البخاری اور اس کا استاذ عباس بن عزیز ابو الفضل القطان ہیں اور یہ تینوں نامعلوم شخص ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں ان کا نشان نہیں ملتا۔ پس یہ دو سندیں بیکار ہوئیں اور تیسری میں وہی بے شرم جھوٹا احمد بن الصلت

ہے۔ جس کا حال بیان ہو چکا۔ پس یہ روایت جھوٹی ہوئی نیز یہ روایت مناقب الموفق صـ۱۳ ج ۲ میں مذکور ہے۔ وہاں یہ الفاظ زیادہ ہیں "الناس عیال علیہ فی القیاس والاستحسان" ثابت ہوا کہ فقہ الحدیث مراد نہیں، بلکہ فقہ القیاس والاستحسان مراد ہے۔ پس اگر روایت کو ثابت مانا جائے تو بھی امام شافعی کا یہ کلام کوئی تعریف یا مدح کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ ایک قسم کا قدح ہے کیونکہ امام شافعی استحسان کے سخت خلاف تھے بلکہ اس کو نئی شریعت بنانا کہتے تھے (مختصر الاصول لابن حاجب تلمی حجۃ اللہ البالغہ صـ۱۴۸ ج ۱ شرح تحریر ابن ہمام صـ۸۰ ج ۳)

ناظرین! امام شافعیؒ سے امام محمد بن حسن شیبانی کی تعریف میں جو باتیں نقل کی جاتی ہیں تو ان کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب الام صـ۲۷۴ ج ۷ میں امام محمدؒ کی تردید میں ایک مستقل عنوان بنام کتاب الرد علی محمد بن الحسن رکھا ہے۔ جس سے فریق ثانی کی ساری امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قولہ صـ۳ سطر ۱۲ "عیال میں جو کمال ہے وہ باپ کی تربیت کا ثمرہ ہے"

اقول امام ابوحنیفہ رحمہ اپنے اساتذہ سے سیکھے ہیں پس آپ پر ان کی اتباع لازم ہوئی اور ان ہی کا مذہب چلنا چاہیے۔

قولہ صـ۳ سطر ۱۷ "امام نوویؒ تہذیب الاسماء الخ"

اقول یہ اونٹ کتابوں والی روایت ثابت نہیں کیونکہ تاریخ بغداد صـ۳۴۶ ج ۱۳ میں روایت اس سند سے ہے۔ اخبرنا محمد بن احمد بن رزق قال انبانا عثمان بن احمد الدقاق قال انبانا محمد بن اسماعیل التمار الرقی قال حدثنی الربیع قال سمعت الشافعی فذکرہ۔ اور محمد بن اسماعیل التمار الرقی کی کہیں توثیق نہیں ملتی، خود خطیب نے تاریخ صـ۴۵ ج ۲ میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن توثیق نہیں کی پس کیسے یہ روایت معتبر ہو سکتی ہے؟

قولہ ص۳۲ سطر۱۱ "عن یحیی بن معین" الخ

اقول اس کی سند میں علی بن عمرو الجوہری ہے (تاریخ بغداد ص۱۷۵ ج ۲) جس کا حال معلوم نہیں پس مجہول کی روایت حجت نہیں بن سکتی نیز اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام یحیٰی بن معین امام محمدؒ پر سخت جرح کرتے ہیں لسان المیزان ص۱۲۲ ج ۵ میں ابن معین سے امام محمدؒ کے حق میں کذاب جھمی لیس بشئی لا یکتب حدیثہ جیسے الفاظ منقول ہیں۔

قولہ ص۳۲ سطر۱۲ "عن ابراھیم الحربی" الخ

اقول امام احمدؒ کی اس روایت کی سند میں بھی وہی غیر معروف شخص علی بن عمرو ہے۔ (تاریخ بغداد ص۱۷۱ ج ۲) اور نیز اسی سند میں ابو بکر القراطیسی ہے۔ جس کی توثیق نہیں ملتی (خطیب نے ص۹۱ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی توثیق یا تعدیل نہیں کی۔ پس بوجہ دو مجہول راویوں کے یہ روایت غیر معتبر ہوئی نیز اس کا بطلان اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام احمد کا خود فرمان ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے ساتھیوں کو علم حدیث میں کوئی بصارت نہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ نیز اہل الرائے کی کتابوں سے تو امام احمد رحؒ سختی سے روکتے تھے۔ دیکھو مختصر طبقات الحنابلۃ ص۱۹۵، ۲۳۸، ۲۴۰ بلکہ امام احمد رحؒ تو امام محمدؒ پر جرح کرتے تھے۔ اور اس کو حدیث کا مخالف اور جہمیہ بتاتے ہیں۔ دیکھو تاریخ بغداد ج۲ ص۱۷۵ لسان المیزان ص۱۲۲ ج ۵ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار مصنف جد امجد سید رشد اللہ شاہ مرحوم ص۹۰

قولہ ص۳۲ سطر۱۴ "ناظرین غور تو فرمائیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین جیسے مسلم امام حدیث کو امام ابوحنیفہ رحؒ کے ایک تلمیذ کی کتابوں کی کیا ضرورت پیش آئی" الخ

اقول جس روایات پر اس کی بنا رکھی ان کا حال ظاہر کر دیا گیا پس یہ بات بے سود رہی۔

قولہ ص۱۳۱ س۳ "مزورت یہ تھی کہ عامل فقہ تھے فقیہ نہ تھے" الخ

اقول "مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم"

امام احمدرح اور امام ابن معینؒ فقیہ نہیں تھے؟ استغفر اللہ۔ حالانکہ امام شافعی رح، عبدالرزاق رح خلیل رح سب امام احمد رح کو افقہ بتاتے ہیں (تہذیب ص۷۵، ج۱) اور مختصر طبقات الحنابلہ ص۵ میں امام شافعی رح سے منقول ہے کہ امام احمدؒ حدیث فقہ سنت لغت ورع وغیرہ سب میں امام تھے اور امام ابن معینؒ کو امام ابن المدینی رح علم کا منتہی بتاتے ہیں (تہذیب ص۲۸۳ ج۲) اور امام حاکم نے علوم الحدیث ص۴۲ میں اس کو فقہا محدثین میں شمار کیا ہے۔

قولہ ص۱۳ س۴ "کتاب المناقب للامام الموفق ص۱۴۴ ج۲ میں ہے عن محمد بن سعدان سمعت من حضر یزید بن ھارون" الخ۔

اقول یہ روایت بھی بناوٹی ہے اس کی کئی وجوہ ہیں:

اولاً اس میں صریحاً ایک مجہول واسطہ ہے جیسا کہ لفظ ہے "سمعت من حضر یزید بن ھارون" اور آپ ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن سعدان کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے سنا جو یزید بن ہارون کی مجلس میں حاضر تھا" اور لفظ "اس شخص" نا معلوم سے کیا مراد ہے یہ کون ہے؟ کس پائے کا آدمی ہے؟ اسی طرح مجہول لوگوں سے (جن کے اسلام کا بھی پتا نہیں) کئی باتیں بنا کر ہم میں ڈال گئے۔ اس لیے اصولاً مجہول کی روایت مردود ہے۔

ثانیاً محمد بن سعدان کے لئے لسان المیزان ص۱۴۵ ج۵ میں لکھا ہے کہ "لا یعرف" یعنی اس کے حال کا کوئی پتا نہیں۔

ثالثاً اس کا تلمیذ ابراہیم بن علی الترمذی کا بھی اسماء الرجال کی کتابوں میں پتا نہیں لگتا۔

رابعاً اس میں بھی وہی ابو محمد حارثی کذاب ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ پس یہ بناوٹی

روایت کچھ مفید نہ ہوگی۔

خامساً سب محدثین جن کے نام اس روایت میں لیے گئے ہیں یعنی یزید بن ہارون یحییٰ بن معین، علی بن المدینی احمد بن حنبل اور زہیر بن حرب ان سب نے امام صاحب پر جرحیں کی ہیں۔ دیکھو تاریخ بغداد علی الترتیب صـ ۲۹۷، ۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۱ ج ۱۳ اصـ ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۰، ۲۶۹ ج ۱۳

قولہ صـ ۳۱ سـ ۱۸ " محمد بن اسحاق امام مغازی جب کوفہ آئے تو امام ابو حنیفہ رح کی زیارت کے لیے بار بار حاضر ہوتے اور جو مسائل ان کو پیش آتے ان میں امام ابو حنیفہ رح سے استفادہ کرتے (کذافی مناقب الموفق صـ ۲۳ ج ۲)

اقول یہ بھی جعلی روایت ہے:

اولاً خود موفق غیر معتبر ہے کما سیأتی:

ثانیاً اس کا ناقل وہی حارثی کذاب ہے۔

ثالثاً اس کا استاد یحییٰ بن اسماعیل جس کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔

رابعاً حسن بن عثمان جھوٹا اور وضاع ہے میزان الاعتدال صـ ۲۱ ج ۱ میں ہے۔ "کذبہ ابن عدی" یعنی حافظ ابن عدی نے اس کو جھوٹا بتایا ہے اور کشف الاحوال للمدراسی صـ ۳۲ میں ہے "کان کذابا یضع الحدیث ویسرق حدیث الناس" یعنی جھوٹا تھا اور حدیثیں گھڑتا اور لوگوں کی حدیثیں چراتا تھا۔ نیز میزان میں ایک اور حسن بن عثمان بھی مذکور ہے اس کو بھی مجروح بتایا ہے لیکن وہ متاخر معلوم ہوتا ہے۔ دراصل وہی پہلا اسی طبقہ کا نظر آتا ہے پس ایسی روایت نقل کرنا علماء کو زیبا نہیں۔

قولہ صـ ۳۲ سـ ۲ " یہ وہی محمد بن اسحاق ہیں کہ جو حدیث قرأت خلف الامام کے راوی ہیں "

اقول کیا پھر اس کی وہ حدیث مانتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر علی تقدیر صحۃ الروایۃ اس کا یہ عمل کیسے سند ہوا؟۔

قولہ صـ۳۲ سـ۳ ” اور امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ نے ان کا امیر المومنین فی الحدیث ہونا ثابت کیا ہے ۔

اقول پھر آپ کے احناف اس کو مجروح کیوں کہتے ہیں؟ نیز امیر المومنین فی الحدیث کو اہل الرائے کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو خود بقول ابن ناصر الدین علم میں بحر تھے۔ (شذرات الذہب صـ۲۲۰ ج ۱)

قولہ صـ۳۲ سـ۵۔ عن ثابت الزاهد قال کان إذا أشکل علی الثوری مسئلة الخ

اقول۔ یہ روایت مناقب الموفق میں نہیں، بلکہ مناقب کردی (وھو فی ذیل المناقب للموفق) میں اس طرح مذکور ہے۔ و ذکر ابو النجیب سعد بن عبد اللہ المروزی عن العسکری عن ثابت الزاهد فذکرہ اور یہ روایت مردود ہے۔ اولاً ابو النجیب اور عسکری کے درمیان کم از کم دو واسطے ہیں جیسا کہ ایک ایسی سند پہلے گذری ہے جس میں اعمش کا ذکر تھا۔ ثانیاً ثابت زاہد ۲۱۵ھ میں فوت ہوا ہے۔ (تقریب صـ۱۱ مصری تہذیب صـ۱۲ ج ۱) اور عسکری ۲۹۳ھ میں تولد ہوا ہے کما تقدم بحوالہ بغیۃ الوعاۃ یہ ثابت کی وفات کے بعد اسی سے زیادہ برس بعد پیدا ہوا ہے اور درمیان کا واسطہ معلوم نہیں پس ایسی ظلمت (اندھیری) والی روایت معتبر نہیں۔ نیز امام ثوری نے جو امام صاحب کے متعلق الفاظ کہے ہیں وہ تاریخ بغداد صـ۲۱۸ ج ۱۳ میں دیکھیں۔ نیز امام ثوری تو آپ کو فتوی کا اہل بھی نہیں کہتا تھا۔ دیکھو کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد بن حنبل صـ۲۵۸ ج ۱)

قولہ صـ۳۲ سـ۳ قال الحافظ ابن حجر الخ

اقول۔ اس بات کا جس روایت پر مدار ہے وہ اسی عبارت میں بااسناد مذکور ہے اور وہ بچند وجوہ باطل ہے۔ اولاً ابن ابی العوام تک سند معلوم نہیں۔ ثانیاً ابن ابی العوام خود کا حال معلوم نہیں۔ ثالثاً یوسف بن احمد مکی اور محمد بن حازم دونوں کا بھی حال معلوم نہیں بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔

روی سعید بن أبی مریم عن أشهب بن عبد العزیز قال رأیت أبا حنیفة بین یدی مالك كالصبی بین یدی أبیه (تذکرة الحفاظ ص ۱۹۵ ج ۱ طبع ۳)

اشہب بن عبد العزیز کہتا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو امام مالک کی خدمت میں اس طرح بیٹھے دیکھا جیسا بچہ اپنے باپ کے آگے بیٹھتا ہے۔ نیز امام شافعی جو کہ امام مالک کے شاگرد ہیں اس کا امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد سے اس بات پر مناظرہ ہوا کہ کون اعلم ہے اور امام محمد نے اقرار کیا کہ امام مالک امام ابوحنیفہ سے اعلم ہے۔

قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن أیهما أعلم صاحبنا أم صاحبكم یعنی أبا حنیفه ومالكا رحمهما الله تعالیٰ قلت علی الإنصاف قال نعم قلت ناشدتك بالله من أعلم بالقرآن قال قلت صاحبنا أم صاحبكم قال اللهم صاحبكم قال قلت ناشدتك بالله من أعلم بالسنة صاحبنا أم صاحبكم قال اللهم صاحبكم قال قلت ناشدتك بالله من أعلم بأقاویل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم المتقدمین صاحبنا أم صاحبكم قال اللهم صاحبكم قال الشافعی فلم یبق إلا القیاس وهو لا یكون إلا علی هذه الأشیاء فعلی أی شیئ یقیس. ترجمة الإمام مالك الملحقة بابتداء تنویر الحوالك

شرح موطا مالک الدیباج المذهب فی اعیان المذہب لابن فرحون ص۳۲ شذرات الذھب ص۲۵۹ ج۱ مقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص۱۲۰)

امام شافعی نے کہا کہ مجھے امام محمد نے کہا کہ ہمارے استاد (ابوحنیفہ) اور آپ کے استاد (مالک) دونوں میں زیادہ علم والا کون ہے؟ میں نے کہا کہ انصاف سے کہوں؟ میں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں دونوں میں قرآن مجید کا علم کون زیادہ رکھتا ہے۔ ہمارا استاد (مالک) یا آپ کا (ابوحنیفہ)؟ کہا: بخدا آپ کا استاد۔ میں نے قسم دی کہ علم حدیث کو زیادہ جاننے والا کون ہے ہمارا استاد یا آپ کا استاد کہا: بخدا آپ کا۔ میں نے پھر قسم دی کہ متقدمین صحابہ کے اقوال کو زیادہ جاننے والا کون تھا؟ ہمارا استاد یا آپ کا؟ کہا: بخدا آپ کا۔ امام شافعی نے کہا (جب قرآن حدیث اور اقوال صحابہ میں ہمارا استاد امام مالک زیادہ علم رکھتا ہے) اب باقی قیاس کے سوا اور کیا رہا۔ اور وہ بھی انہی چیزوں (قرآن وحدیث آثار) پر ہوتا ہے (جن کا زیادہ علم ہمارے استاد کو ہے) پس آپ کا استاد کن چیزوں پر قیاس کرتا ہے۔

ناظرین! امام محمد دونوں اماموں کے شاگرد ہیں۔ مگر اللہ کی قسم کھا کر فیصلہ دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ میں امام ابوحنیفہ کی نسبت امام مالک کو زیادہ علم تھا جس سے ظاہر ہے کہ وہ روایت جو کہ مصنف رسالہ اجتہاد و تقلید نے ذکر کی ہے۔ وہ صحیح نہیں اور امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے استفادہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز امام محمد کے حلقۂ درس کا یہ حال تھا کہ:

کان اذا حدث عن مالک امتلأ منزله وکثر الناس حتی یضیق علیه الموضع واذا حدث عن غیر مالک لم یجئه الا یسیر من الناس۔ (تهذیب الاسماء النووی ص۸۱ ج۱)

جب امام مالک سے رسنی ہوئی حدیثیں) بیان کرتا تھا تو لوگوں سے مکان بھر جاتا تھا۔ اور جگہ تنگ ہوجاتی تھی۔ مگر جب کسی اور سے بیان کرتے تو بالکل تھوڑے لوگ آتے تھے۔

اب یہاں لوگوں کی نظر میں امام مالک اور دوسروں کے درمیان جو فرق ہے۔ وہ ظاہر ہے نیز امام ابوحنیفہ تو امام مالک کے شاگرد تھے۔ دیکھو الدیباج المذہب صفحہ ۳۰ خود احناف کو بھی یہ اعتراف ہے۔ دیکھو مناقب الامام ابی حنیفہ الموفق والکردی علی الترتیب صفحہ ۵ ج ا ص ۸۶ ج ا بلکہ جلال الدین سیوطی نے تو اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس میں وہ روایتیں جمع کی ہیں جو امام ابوحنیفہ نے امام مالک سے سنی ہیں (مقدمہ ملحقہ با بتداء تنویر الحوالک) ایضاً امام مالک نے جو امام ابوحنیفہ کے حق میں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ تاریخ بغداد للخطیب صفحہ ۳۷۰-۳۸۳-۳۹۶ ج ۱۳ میں دیکھیں وہ تو ان کا رد کرنے والے تھے۔ چہ جائیکہ ان کی کتابوں سے استفادہ کریں۔ وعلی التقدیر یہ آپ کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید نہیں۔ (فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۲ ج ۲ مع المصفی)

قولہ صفحہ ۳۳ سطر ۱۲ ''اصل اہل حدیث فقہا ہیں''

اقول چشم ما روشن دل ما شاد ریس ہمارے مسلک کی تصدیق ہوگئی۔

قولہ صفحہ ۳۳ سطر ۱۲ ''اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا'' الخ

اقول یہی حال محدثین کا ہے۔ کما مضی۔ اور جن واقعات پر آپنے بنا رکھی ہے وہ سب ثابت نہیں ہوئے۔

قولہ صفحہ ۳۴ سطر ۱۷ ''قال الخطابی واصحاب السنن'' الخ

اقول۔ اس تعریف سے بھی ظاہر ہے کہ اہل حدیث خود حدیث کے معانی سے واقف ہوتے ہیں اور وہ خود فقہ الحدیث میں درک رکھتے ہیں۔ پھر تفریق باطل ہوگئی۔

قولہ ص۴۳ س۴ "الغرض اہل حدیث کا لفظ حفاظ سے مختص نہیں" الخ

اقول حفاظ حدیث ہی فقہاء الحدیث ہیں۔ کما مضی۔ پس تفریق بے معنی ہوئی۔

قولہ ص۴۳ س۵ "خصوصاً فقہائے حنفیہ" الخ

اقول۔ ان کو تو اصحاب الرائے کہا گیا ہے۔ نہ کہ اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث جیسا کہ اوپر شہرستانی کے کلام میں گذرا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرای میں ذکر کیا ہے اور اگر آپ کے حنفیہ بھی اہل حدیث ہیں تو پھر اہل حدیث پر اعتراض کیوں اور ان سے عداوت کس لیے؟ بلکہ آپ کو تو تقلید کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اہل حدیث تقلید کے قائل نہیں ہیں۔

قولہ ص۴۴ س۵ "کہ ان کے نزدیک مرسل اور منقطع اور خبر مستور اور بلاغات بھی معتبر ہیں۔"

اقول یہی اس کی دلیل ہے کہ وہ اہل حدیث نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں مرسل منقطع مستور اور بلاغات حجت نہیں۔ جیسا کہ مقدمہ مسلم الباعث الحثیث لابن کثیر ص۴۸ طبع۳ میں مذکور ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی النکت میں لکھتے ہیں کہ

وھوالذی علیہ عمل ائمۃ الحدیث اسی (عدم قبول المراسیل) پر ائمہ حدیث کا عمل ہے۔

ثابت ہوا کہ فقہائے اہل الرای اور فقہائے محدثین کا طریق کار الگ رہا ہے

قولہ ص۴۴ س۶ "اور حدیث ضعیف کے متعلق امام ابوحنیفہ اور ان کے تمام اصحاب و اتباع کا مشہور و معروف مسلک ہے کہ الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال حدیث ضعیف میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے کہیں بہتر ہے"

اقول یہی مسلک امام صاحب سے کئی علماء نے نقل کیا ہے لیکن پھر آپ رائے اور قیاس کو کیوں وزن دے رہے ہیں۔ نیز آپ کے فقہا نے خبر واحد پر قیاس کو کیوں ترجیح دی ہے۔ نیز بنا بریں امام صاحب کا مسلک تو اہل حدیث ہوا۔ پھر حنفی مذہب کی اصل کہاں تک پہنچا ؤ گے۔

قولہ ص۳۲ س۱۱، اجتہاد اور استنباط کی بھی ضرورت (س۱۱ قولہ) حق و جل و علی نے اس مجمل قانون کو اپنے نبی پر نازل کیا اور اس کا پورا مطلب بھی سمجھایا ص۳۵ س۱۷۔

اقول۔ اس عنوان سے لغایتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس شرعی ہونا چاہیئے اور اس کی فضیلت سے یہ ظاہر ہوا کہ ہر ایک حسبِ طاقت و استعداد خود قیاس کرے۔ نہ کہ کسی دوسرے کے قیاس کی تابعداری کرے اور قیاس مجتہد ہی کر سکتا ہے نہ کہ مقلد چنانچہ آپ خود قیاس و علل کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ کام مجتہد کا ہے (ص۳۷ س۸) نیز آپ اخیر میں یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ مجمل احکام کی تفصیل بھی اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دی۔ پس اب قیاس کی ضرورت کیا رہی، جبکہ تفصیل پہلے موجود ہے۔ شارح اعظم و شارح اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کچھ سمجھا دیا۔ اب انہی سے لینا ہے۔ کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں رہی نہ کسی قیاس کی حاجت باقی رہی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ

لا حجۃ فی قول احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کثروا ولا قیاس ولا فی شئی (المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۱ ج۱)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کا قول حجت یا دلیل نہیں۔ اگرچہ کتنے ہی ہوں۔ نہ قیاس نہ کوئی اور چیز۔

اور امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ

البول فی المسجد احسن من بعض القیاس (مناقب الموفق ص۹۱ ج۱ الاحکام ص۲۶ ج۱

لابن حزم)

بعض قیاس ایسے ہیں جن سے تو مسجد میں پیشاب کرنا کہیں بہتر ہے۔

اور دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ

من لم یدع القیاس فی مجلس القضاء لم یفقہ (الاحکام لابن حزم ص۳۶ ج ۸)

فتویٰ کے وقت جس نے قیاس سے کام لینا نہیں چھوڑا وہ فقیہ نہیں۔

ثابت ہوا کہ فقہا اہل الرائے والقیاس اور ہیں اور فقہائے محدثین اور

قولہ ص۲۵ س۱۷ " کما قال ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ

ثم ان علینا بیانہ"

اقول:۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ سب چیزیں بیان کر دی گئی ہیں پھر قیاس کی

کیا ضرورت رہی۔

قولہ ص۳۵ س۱۹ " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر علم کی ضرورت تھی اور جتنی حکمت

اور مصلحت تھی۔ اس قدر اس کی تفصیل فرمائی۔"

اقول۔ جب سب کچھ ہو چکا تو پھر قیاس کی حاجت نہ رہی۔

قولہ ص۳۶ س۱ " بہت سے اصول و قواعد صراحۃً اور بہت سے اصول جزئیات کے

ضمن میں بیان فرمائے تاکہ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کے لیے رہنمائی کر سکیں۔"

اقول۔ یہاں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ بقول شما ضمنی مسائل بھی شارح بارح صلی اللہ

علیہ وسلم سے ماخوذ ہوئے اور یہ اتباع نصوص یعنے دلائل کی ہوئی اور اتباع دلیل تقلید نہیں۔

اور غیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کی ضرورت نہیں رہی۔ دوم یہ کہ جب قیامت تک کے

آنے والے واقعات کے لیے بھی اس میں ضمناً مسائل ہیں تو پھر آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ " اجتہاد اب بند ہو گیا۔

اور اب تقلید ہی ہو گی۔ کیونکہ قیامت تک آنے والے مسائل کئی ایسے بھی ہیں جو کہ سابقا ائمہ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمانہ میں کثرت سے مجتہدین کا رہنا ضروری ہے۔ تاکہ آنے والے واقعات اور نوازل کے لیے نصوص سے مسائل نکالتے رہیں۔ نیز ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ کا اجتہاد بھی ناتمام ہے۔ بلکہ کئی مسائل قیامت تک پیش آتے رہیں گے جن کے لیے مجتہدین اجتہاد کرتے رہیں گے اور اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ مردود ہوا۔ والحمد للہ۔

قولہ ص ۳۶ سطر ۳ "اہل فہم اور ارباب فراست کے لیے گنجائش چھوڑ دی کہ وہ حضرات غیر منصوص مسائل میں" الخ

اقول اہل فہم و ارباب فراست سے مراد مجتہدین ہیں یا مقلدین علی الاول ہر زمانہ میں اجتہاد کی گنجائش رہی۔ بلکہ یہی طریقہ اسلم ہوا۔ اور آپ کا کہنا غلط ہوا کہ "بغیر تقلید شخصی کے اتباع ہوا سے محفوظ رہنا عادۃ اور فی زماننا محال ہوتا ہے" (ص ۸ سطر ۱۱) وعلی الثانی یہ غلط ہو گا کیونکہ قیاس مقلدین کا کام نہیں۔

قولہ ص ۳۶ سطر ۱ "ناظرین غور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور تفسیر کے بعد وہ کیا چیز ہے جس کو "لعلھم یتفکرون" سے بیان فرمایا۔ اور مستقلا واو عاطفہ سے "لتبین" پر اس کا عطف کیا گیا ہو۔ وہ مجتہدین کا قیاس اور استنباط ہے"۔

اقول نکتہ شناس نہای دلبر خطا ایں جا است۔ "یتفکرون" کا ضمیر الناس کی طرف راجع ہے۔ اور الناس میں لام استغراق کا ہے۔ گویا کہ سب لوگ حسب استطاعت مجتہد ہو کر رہنے کے مامور ہیں نہ کہ مقلد ہو کر۔ اور تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۱ ج ۲ میں تحت الآیت مذکور ہے کہ

"ولعلهم یتفکرون" أی ینظرون لأنفسهم فیهتدون فیفوزون بالنجاة فی الدار۔

"ولعلهم یتفکرون" کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود اپنے لیے سوچیں اور غور کریں تاکہ ہدایت والے ہو کر دارین میں نجات کی کامیابی حاصل کریں۔

اور ظاہر ہے کہ نظر و استدلال مجتہد کی شان ہے نہ کہ مقلد کی۔

قولہ ص۲۶ س۱۵ "اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انس عن ربیعة" الخ

اقول۔ اوّلاً یہ روایت تفسیر در منثور کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور وہاں اس کی سند مذکور نہیں لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں رہا۔ ثانیاً اس قول کا قائل ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن المعروف بربیعة الرای ہے جو تابعی ہے اور تابعی کا قول کسی کے ہاں حجت نہیں۔ بالخصوص کتاب و سُنت کے مقابلہ میں جبکہ وہ دین کو کامل بتاتے ہیں۔ ثالثاً خود ربیعہ کا یہ حال ہے کہ امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ

کانوا یتقونه لموضع الرای (تہذیب ص۲۵۸ ج۳)

کثرت رائے کی وجہ سے لوگ اس سے بچتے رہتے تھے۔

پس اگرچہ یہ اس کا قول ہو لیکن قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رائے سے حذر کرتے تھے گویا کہ... یہ قول عام ائمہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ والعیاذ بالله کثرت رائے کی وجہ سے خود ربیعہ لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا چنانچہ امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ

لم یزل امر الناس معتدلا حتی غیر ذالک ابو حنیفة بالکوفة وعثمان البتی بالبصرة وربیعة ابن ابی عبد الرحمٰن بالمدینة (تاریخ بغداد ص۳۹۵ ج۱۳ جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر ص۱۴۷ ج۲ الاحکام لابن حزم ص۵۶ ج۶)

لوگوں کا حال ہمیشہ اعتدال سے رہا۔ حتیٰ کہ اس کو بدل دیا امام ابو حنیفہ رح نے کوفہ میں اور عثمان بتی

نے بصرہ میں اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے مدینہ میں۔

یعنی کثرت رائے کی وجہ سے اہل علم کے نزدیک ربیعہ مقدوح تھا بلکہ امام لیث بن سعدرح فرماتے ہیں کہ

رایت ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن فی المنام فقلت لہ یا ابا عثمان ما حالک؟ فقال صرت الی خیر الا انی لم احمد علی کثیر مما خرج منی من الرای (جامع بیان العلم صفحہ ۱۴۶ ج ۲)

میں نے ربیعہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور حال پوچھا، کہا تو ویسے تو خیر ہے لیکن میری کثرت رائے و قیاس کی وجہ سے میری اچھائی نہیں ہوئی۔

خاصتاً خود امام مالک رح جو اس روایت میں ربیعہ سے راوی ہیں وہ اس کے اس قول (رائے و قیاس کے لیے جگہ باقی رکھی) کا مخالف ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ

من احدث فی ھذہ الامۃ شیئاً لم یکن علیہ سلفھا فقد زعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالی یقول الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" فما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا (الاحکام لابن حزم صفحہ ۵۸ ج ۶)

جس نے ایسا نیا رواج ڈالا جو پہلے نہیں تھا تو گویا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت پہنچانے میں خیانت کی ہے کیونکہ اللہ تعالے کا فرمان ہے کہ

ترجمہ:- میں نے آپ کا دین پورا کر دیا اور آپ پر نعمت تمام کر دی اور آپ کے لیے دینِ اسلام پسند کیا" پس جو اس وقت دین نہیں تھا وہ اب دین نہیں ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام مالک ربیعہ کے اس قول کو باطل جانتا ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ بیان کرنے کے قابل چیز تھی۔ بیان کر دی گئی اور یہ غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں حدیث سے بیان فرمائیں اور رائے وقیاس کے لیے جگہ باقی رکھی۔ صلہ ۲۶ / ۱۸۔ سادساً ربیعہ خود اپنی رائے کو کچھ نہیں سمجھتا تھا چنانچہ امام ابن شہاب زہری کو اس نے کہا کہ:۔

ان حالی لیس یشبہ حالک انما اقول برایی من شاء اخذہ وعمل بہ ومن شاء ترکہ (الاحکام لابن حزم صلہ ۱۲۵ ج ۶)

میرا حال آپ کے حال سے مشابہ نہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی رائے سے کہتا ہوں جو چاہے اس پر عمل کرے اور جو چاہے اس کو ترک کرے۔

ربیعہ کے اس قول سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ خود اپنی رائے پر بھروسہ نہیں رکھتا تھا۔ دوم یہ کہ رائے وقیاس خطاء وصواب کا مجموعہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی پابند نہیں، پس وہ قرآن وحدیث جیسی معصوم چیزوں کی طرح کیسے قابل اخذ رہی۔

قولہ صلہ ۳۷ سطر ۴ "تاکہ مجتہدین اور مستنبطین (الی قولہ) یہ کام مجتہد کا ہے" الخ

اقول، اولاً اس کی معنی کہ اجتہاد قیامت تک جاری ہے اور ہر ایک اجتہاد کرنے کا مامور ہے نہ کہ تقلید کا۔

دوم یہ کہ محدثین سب مجتہد تھے جیسا کہ اوپر گذرا۔ پس یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

قولہ صلہ ۳۷ سطر ۹ "بالفرض اگر شریعت میں رائے وقیاس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوتی الخ"

اقول:۔ اس سے کیا مراد ہے یہ کہ ان دلائل قرآنیہ، حدیثیہ سے بذریعہ عقل وفہم مسائل نکالے جائیں یا کہ اسی عقل سے مسائل وضع کیے جائیں؟ بصورت اولی نص کا اتباع ہوا نہ عقل و

قیاس کا اور بصورتِ دیگر نصوص کا ترک لازم آئے گا جیسا کہ آیت " اکملت لکم دینکم " کے بارہ میں امام مالک کا قول ذکر ہوا۔ ایضاً یہ بات اب بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اجتہاد کیسے بند ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ " یہ کام مجتہد کا ہے " ایضاً نص کے مقابلہ میں قیاس بالاتفاق معتبر نہیں ہے یہ شرائط خود بتاتے ہیں کہ قیاس کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کہ قیاس دو قسم کا ہے یا نص کے موافق ہوگا یا مخالف اور جب تک نص معلوم نہیں کیا پتا لگے گا یہ قیاس اس کے موافق ہے یا مخالف اس طرح قیاس مشکوک ہوا۔ " وإن الظن لا يغني من الحق شيئا (النجم ع ۲ پ ۲۷) اور جب نص موجود ہے تو پھر قیاس غیر ضروری ہوا اس طرح قیاس کا قیام نہیں رہ سکتا۔ اب قیاس کے متعلق سلف کے اقوال لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رح کے اقوال گذر چکے۔ اسی طرح

۲۔ امام شافعی رح کا بھی قول گذرا کہ قیاس حجت نہیں بلکہ حجت حدیث شریف ہے۔

۳۔ عن مجاهد قال قال عمر اياك والمكايلة يعني المقايسة (اعلام الموقعين ج ۱ ص ۲۵۲)

مجاہد سے روایت ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیاس کرنے سے بچو۔

اور احکام ابن حزم ص ۲۸ ج ۸ میں مجاہد سے مروی ہے کہ

عن عمر بن الخطاب نهى عن المكايلة يعني المقايسة

کہ امیر عمر رض نے قیاس کرنے سے منع فرمایا ہے کہ

نیز اس روایت کے ساتھ دوسری روایت ہے کہ

قال عمر بن الخطاب قد وضحت الأمور وسنت السنن ولم يترك لأحد متكلم الا ان يضل عبد عن عمد

امیر عمر رض نے فرمایا کہ سارے احکام واضح کر دیے گئے ہیں اور سنتیں مقرر کر دی گئیں اور کسی

ایک بولنے والے کے لیے گنجائش نہیں رکھی گئی مگر ہاں جان بوجھ کر کوئی بندہ اگر گمراہ ہو تو اور بات ہے۔

اس فرمان فاروقی سے ربیعہ کی سابقہ روایت (قیاس ورائے کی گنجائش رکھی) کی تکذیب ہو گئی۔

۴۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال لیس عام الا والذی بعدہ شر منہ لا اقول عام امطر من عام وعام اخصب من عام ولا امیر خیر من امیر ولکن ذھاب علماء کم وخیارکم ثم یحدث قوم یقیسون الامور برایھم فینھدم الاسلام وینثلم (الاحکام ص۲۱ ج۸)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ہر آنے والا سال پہلے سال سے برا ہوگا، اس سے برسات یا قحط سالی یا امراء کا برا ہونا مراد نہیں۔ لیکن مراد یہ ہے کہ تمہارے علماء اور اچھے اچھے آدمی چلے جائیں گے۔ بعد میں ایسے نئے لوگ پیدا ہوں گے جو احکام وضع کرنے میں رائے وقیاس سے کام لیں گے۔ پس اسلام گرتا اور ڈھتا جائے گا۔

ابن مسعود کے اس فرمان سے واضح ہوا کہ قیاس نئی بدعت ہے۔ پہلے نہیں تھا۔ نیز قیاس بری چیز ہے اور اسلام کے گرنے کا باعث ہے۔

۵۔ عن ابن عمر قال العلم ثلاثۃ کتاب اللہ الناطق وسنۃ ماضیۃ ولا ادری (اعلام الموقعین ص۵۹ ج۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم تین چیزوں کا نام ہے۔ قرآن حدیث تیرا لاادری یعنی میں نہیں جانتا۔ یعنی اگر بوجہ قصور فہم قرآن وحدیث سے کوئی مسئلہ نہ حل ہو سکے تو جواب میں لاادری کہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بقول ابن عمر قیاس علم شرعی کی قسم نہیں ہے۔

۶۔ بلکہ امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ فھو لاء عمر وابن عمر وابن مسعود وابو ہریرۃ ومعاذ بن جبل وسمرۃ بن جندب وابن عباس والبراء بن عازب وعبد اللہ بن ابی اوفی ومعاویۃ کلھم یبطل القیاس (الاحکام ص۳۱ ج۸)

یعنی یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم قیاس کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اب تابعین ومن بعدہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۷۔ عن ابن سیرین قال القیاس شؤم وأول من قاس إبلیس فھلک وإنما عبدت الشمس والقمر بالمقاییس (الاعلام ص۲۵۴ ج ۱)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ قیاس شومی بخت ہے۔ اور سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا اور ہلاک ہو گیا اور سورج وچاند کی پوجا بھی قیاسات ہی کی وجہ سے ہوئی۔

۸۔ عن الحسن البصری قال أول من قاس ابلیس (سنن دارمی ص۳۶ طبع کانپور)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ابلیس ہی نے قیاس کیا۔

۹۔ عن الشعبی قال إیاک والمقایسة فوالذی نفسی بیدہ لإن اخذتم بالمقایسة لتحلن الحرام وتحرمن الحلال ولکن ما أتکم عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحفظوہ (الاحکام ص۳۳ ج ۸)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قیاس سے بچو اور اللہ کی قسم اگر تم قیاس کرو گے تو ضرور کئی حرام چیزوں کو حلال اور کئی حلال چیزوں کو حرام بناؤ گے لیکن جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ کو حدیثیں پہنچیں ان کو یاد کرو۔

امام شعبیؒ کا رائے کے متعلق ایک قول پہلے گزر چکا۔ اس کا دوسرا قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ

ما حدثوک ھؤلاء عن أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہ۔ وما قالوا فیہ برأیھم فبل علیہ (جامع بیان العلم وفضلہ ص۳۲ ج ۲)

یہ لوگ تمہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ حدیثیں سنائیں لے لو اور

جو بات اپنی رائے سے کہیں تو اس پر پیشاب کر دو۔

یہ تھی ان کے ہاں رائے کی عزت۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

السنة لم توضع بالمقاييس (الاحکام ص۳۳ ج ۱)

سنت وطریقہ قیاسوں سے نہیں بنایا گیا ہے۔

۱۰۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حسن بصریؒ سے فرماتے ہیں کہ

بلغني أنك تفتي برأيك فلا تفت برأيك الا ان يكون سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم او كتاب منزل (حجة الله البالغة ص۱۴۸ ج ۱)

مجھے خبر ملی ہے کہ تم رائے وقیاس سے فتویٰ دیتے ہو۔ ایسا نہ کرو رائے سے فتویٰ مت دو صرف قرآن وحدیث سے دیا کرو۔

۱۱۔ امام جعفر صادق امام ابو حنیفہ رح سے فرماتے ہیں کہ

اتق الله ولا تقس فانا غدا نقف نحن ومن خالفنا بين يدى الله فنقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الله وتقول أنت وأصحابك رأينا وقسنا فيفعل الله بنا وبكم ما يشاء (اعلام الموقعين ص۲۵۵ ج ۱)

اللہ سے ڈرو قیاس نہ کیا کرو۔ کل (قیامت میں) ہم کو اور ہمارے مخالفین کو اللہ کے آگے کھڑا ہونا ہے۔ ہم تو کہیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اللہ نے ایسا فرمایا (اس پر ہمارا عمل تھا) اور آپ اور آپکے ساتھی یہ کہیں گے اسی طرح ہماری رائے تھی اور ہمارا قیاس تھا۔ پھر ہم سے اور آپ سے اللہ جو چاہے گا وہ کرے گا۔

۱۲۔ مسروق فرماتے ہیں کہ

إني اخاف أو أخشى أن أقيس فتزل قدمي (سنن دارمی ص۴۶)

میں قیاس کرنے سے ڈرتا ہوں کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے۔

۱۳ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ

ما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاییس (اعلام الموقعین ص۲۵۰ ج ۱)

سورج اور چاند کی پوجا قیاسات کے علاوہ کسی اور وجہ سے نہیں ہوئی۔

۱۴۔ اصمعی سے کہا گیا کہ خلیل بن احمد قیاس کو باطل کہتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ

ھذا اخذ عن ایاس بن معاویۃ (الاحکام ص۱۱۳۸ ج ۸)

اس نے یہ (قیاس کو باطل کہنا) ایاس بن معاویہ تابعی سے لیا ہے۔

۱۵ شریح کندی کہتے ہیں کہ

ان السنۃ سبقت قیاسکم (سنن دارمی ص۷۱) سنت قیاس سے سبقت کر گئی۔

اس کے دو مطلب ہیں یعنی سنت پہلے سے ہے قیاس بعد میں احداث ہوا نیز قیاس کے رواج سے پہلے سنت نے سب احکام بتا دیئے۔ اب یہ فضول چیز ہے۔

۱۶ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

الزم ما قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع امران ترکتھما فیکم کتاب اللہ وسنۃ نبیہ (الاحکام ص۳۵ ج ۸ الاعلام ص۶۵ ج ۱)

اس چیز کو پکڑلو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ذکر فرمایا کہ دو حکم تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ جب تک ان کو پکڑتے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے۔ قرآن اور حدیث۔

اگر امام صاحب کے نزدیک قیاس حجت شرعیہ ہوتی تو اس کو بھی ذکر فرماتے۔

۱۷۔ امام احمد بن حنبل رحمہ کے متعلق پڑھیں۔

قال الخلال ثنا ابوبكر المروزی قال سمعت ابا عبد الله احمد بن حنبل ينكر على اصحاب القياس ويتكلم فيه بكلام شديد (الاعلام ص۲۵۷ ج ۱)

"امام خلال ابوبکر مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رح سے سنا کہ قیاس کرنے والوں پر انکار کرتے اور اس میں سخت کلامی کرتے تھے۔"

ان سب اقوال سے ظاہر ہوا کہ شریعت میں قیاس ورائے کی گنجائش نہیں ہے اور سلف صالحین بلا رائے وقیاس صرف قرآن وحدیث پر فیصلہ کرتے اور ان سے مسائل نکالتے تھے۔

قولہ ص۳۷ سطر ۲۱: "پھر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں عقل کر جو تفکر اور تدبر اور تعقل اور تامل کا جو حکم مذکور ہے" الخ

اقول: یہ تو کام عالم کا ہے اسی کو حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ

تلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (العنکبوت ع۴ پ۲۰)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور اور پر واضح ہوا کہ مقلد عالم نہیں اور نہ تقلید علم ہے نیز اس بناء پر آیت فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون جس سے آپ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ہر زمانہ میں مجتہدین گے اور مجتہد ہو کر رہنے کی ترغیب ہے نہ مقلد ہو کر۔

قولہ ص۳۷ سطر ۱۶: "اس استنباط واجتہاد کی برکت سے جو بال کی کھال نکلی ہے" الخ

اقول: کیا اب بھی نکلتی ہے یا نہیں؟ علی الاول اجتہاد باقی ہے وعلی الثانی یہ روزانہ جو نئے نئے مسائل نکل رہے ہیں یہ کیا ہیں؟ نیز اجتہاد سے مراد رائے وقیاس نہیں بلکہ قرآن وحدیث سے مسائل لینا مراد ہے۔

قولہ ص۳۷ سطر ۱۷: "اور ارباب فہم وفراست اور اصحاب سفاہت کا فرق ظاہر نہ ہوتا"

اقول : دونوں کا فرق امام عبدۃ بن زیاد کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے ۔

دین النبی محمد اخبار — نعم المطیۃ للفتی الآثار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حدیثیں ہی ہیں ہے — حدیث ہی مدد کے لیے بہتر چیز ہے

لا تخدعن عن الحدیث واھلہ — فالرای لیل والحدیث نھار

حدیث اور اہل حدیثوں سے کہیں دھوکے میں آکر پھر جانا — کیونکہ رائے رات ہے اور حدیث دن ہے

ولربما غلط الفتی سبل الھدیٰ — والشمس بازغۃ لھا انوار

انسان باوجود ہدایت کے راستہ سے غلط ہو جاتا ہے — حالانکہ سورج اپنے انوار کے ساتھ روشن ہے

شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۶

نیز یہ بتائیں کہ اس وقت لوگوں میں فرق کر سکتے ہیں یا نہیں کہ ارباب فراست کون ہیں ۔ اصحاب سفاہت کون علی الاول اجتہاد باقی ہے اور نیز کیسے معلوم کرتے ہو مخطی اور مصیب میں فرق کرنا تو مجتہدین کا کام ہے اور اعلم وافقہ کا جاننا بھی اجتہاد کی قسم ہے کما مر ۔ وعلی الثانی پھر اس تقریر سے کیا فائدہ ؟

قولہ ص۲۳ سطر۱۸ ، اور فقیہ کی غیر فقیہ پر فضیلت نہ ظاہر ہوتی ۔"

اقول : اس کا جواب بھی وہی ہے نیز فقہا و محدثین اور اہل الرائے کا فرق بھی فضیلت بتا دیتا ہے ۔

قولہ ص۲۳ سطر۱۸ ، علاوہ ازیں جب تمام احکام منصوص ہو جاتے ۔" الخ

اقول : ۔ اوپر ذکر کی ہوئی دار قطنی کی روایت جس میں بیان ہوا کہ احکام شرع چار حالتوں سے باہر نہیں ۔ وہ بتاتی ہے کہ مسائل سب منصوص ہیں رہا تی یہ کہنا کہ اگر منصوص ہوتے تو حرج اور تنگی ہوتی اور صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی ۔ یہ عذر لنگ ہے کیونکہ جو مسائل منصوص ہوئے ۔ آپ ان

سب کے قائل ہیں؟ کیا ان میں خلاف ورزی نہیں ہوتی؟ نیز خلاف ورزی کا باعث مذہب بندی اور فرقہ بندی ہے۔ حنفی مالکی شافعی حنبلی جعفری وغیرہ ہیں اگر سب ایک اور محمدی ہوتے تو کیا یہ خرابی لازم آتی؟ ہرگز نہیں بلکہ عدم منصوص ہونے کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ انسان غلط راہ پہ چلا جائے کیونکہ جب بے وجہ عدم نص کے قیام ورائے سے کام لیا گیا تو اس میں خطا کا امکان ہے۔ المجتهد يخطی و یصیب مسلم ہے

ائمۂ دین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

عن ابی حنیفة انه قال علمنا هذا رائی وهو احسن ما قدرنا علیه ومن جاء باحسن منه قبلناه۔۔۔۔ وقال معن بن عيسى القزاز سمعت مالكا یقول انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی قولی فکل ما وافق الکتاب والسنة فخذوا به وما لم یوافق الکتاب والسنة فاترکوه۔۔۔ عن مالك انه كان يكثر ان يقول ان نظن الا ظنا وما نحن بمستيقنين۔۔۔۔ وقال الشافعي مثل الذی ینظر فی الرای ثم یتوب منه مثل المجنون الذی عولج حتی برء نا عقل ما یکون قد هاج به وقال عبد الله بن ابی داؤد وحدثنا عبد الله بن احمد بن حنبل سمعت ابی یقول لا تکاد تری احدا نظر فی الرای۔ الا وفی قلبه دغل اه مختصر۔

(اعلام الموقعین ص۷۵-۷۶ ج۱)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے بحسب قدرت ہم نے اچھی رائے پیش کی ہے اور جو اس سے بہتر لائے گا تو ہم اس کو قبول کریں گے اور امام مالکؒ نے کہا کہ میں انسان ہوں، کبھی خطا کبھی صواب دونوں کرتا ہوں، میرے قول میں دیکھا کرو جو قرآن و حدیث کے موافق ہو لے لو اور جو خلاف ہو چھوڑ دو نیز امام مالکؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری رائے تو صرف گمان ہے اس پر ہم

کو یقین نہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار رائے و قیاس میں دیکھتا ہے پھر اس سے توبہ کرتا ہے۔ اس کی مثال دیوانہ کی ہے جو علاج کرنے سے درست ہو جائے۔ پس زیادہ عقلمند وہی ہے جو رائے پر حملہ کرتا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا رائے و قیاس میں دیکھنے والا جو بھی تو دیکھے گا اس کے دل میں لگاڑ و فساد ضرور ہوگا۔

اور اسی بناء پر امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ

وھذا ابن القاسم لا یری بیع کتب الرای لانه لا یدری احق فیھا ام باطل ویری جواز بیع المصاحف وکتب الحدیث لانھا حق (الاحکام صفحہ ۱۲ ج ۶)

امام ابن القاسم (امام مالکؒ کے خاص ساتھی اور شاگرد) رائے و قیاس کی کتابوں کی تجارت کو جائز نہیں مانتے تھے اس لیے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے نہ معلوم حق ہے یا باطل اور قرآن کا اور حدیث کی کتابوں کی تجارت جائز کہتے تھے کیونکہ ان میں حق ہی ہے۔

پس ایسی چیز کا دروازہ کھولنا دین میں خطاؤں کا انبار لگانا ہے۔ اس کے بجائے نصوص کی طرف جانا اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنا چاہیے جس میں خطا کا امکان بھی نہیں اور اتحاد و اتفاق بھی قائم رہے گا۔

ممنون سنتم کہ فرستد پیام صلح
مگریزم از خرد کہ گریزد زنام صلح

قولہ صفحہ ۳۸ سطر ۸۔ قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین آمنوا" الخ

اقول: یہی آیت تقلید کی جڑ کاٹتی ہے کیونکہ جہاں اولو الامر متفق ہیں تو وہ اتباع دلیل ہے اس لیے کہ رجوع الی الاجماع تقلید نہیں۔ کما فی مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۰ ج ۲ فی ذیل المصفی) اور جہاں مختلف ہیں کسی ایک کی طرف جانا یا اس کا فتویٰ یا قول کو لینا ممنوع ہوا۔

بلکہ صرف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے جس کے معنی تو تقلید ہو ہی نہیں سکتی اگرچہ آپ نے
فی زمانہ تقلیدہ کو اصلح بتایا ہے مگر قرآن حکیم اس کے خلاف رجوع الی الکتاب والسنۃ کو اصلح
بتایا ہے۔ ع نشر کما نخیر کما الفداء

قولہ صفحہ ۳۸ سطر ۱۳ "امام رازی فرماتے ہیں" الخ

اقول :- اکثر مفسرین یہی معنی بتلاتے ہیں کہ عندالتنازعہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع
کیا جائے۔ دیکھو تفاسیر ابن جریر، قرطبی، ابن کثیر فتح القدیر للشوکانی، بغوی، خازن، جلالین،
جامع البیان لمعین الدین۔ درمنثور وغیرہا اور جلالین میں تو صاف ہے کہ :-

فان تنازعتم ای اختلفتم فی شئی فردوہ الی اللہ ای کتابہ والرسول مدۃ
حیاتہ وبعدہ الی سنتہ ای اکشفوا علیہ منہما ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر
ذالک ای الرد الیہما خیر لکم من التنازع والقول بالرائی (جلالین صفحہ مجتبائی)

پس اگر تم کسی چیز میں نزاع یعنی اختلاف کرو تو اس کو اللہ یعنی اس کی کتاب کی طرف
اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لوٹاؤ جب تک آپ زندہ ہیں اور وفات کے بعد
آپ کی حدیث کی طرف لوٹاؤ۔ یہ طریقہ تمہارے لیے اگر ایماندار ہو تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے
کہ نزاع کرو یا قیاس ورائے سے فیصلہ کرو۔

اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول قال مجاھد وغیر واحد من
السلف ای الی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ وھذا امر من اللہ عزوجل بان کل شئی
تنازع الناس فیہ من اصول الدین وفروعہ ان یرد التنازع فی ذالک الی الکتاب
والسنۃ کما قال وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ فما حکم بہ الکتاب

والسنة وشهد اله بالصحة فهوالحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ولهذا قال تعالی ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخرای ردوا الخصومات والجهالات الی کتاب اللہ وسنة رسول فتحاکموا الیهما فیما شجر بینکم ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر فدل علی ان من لم یتحاکم فی محل النزاع الی الکتاب والسنة ولا یرجع الیهما فی ذالک فلیس مومنا باللہ ولا بالیوم الاخر (تفسیر ابن کثیر ص۵۱۸ ج۱)

مجاہد اور دوسرے سلف صالحین اس آیت کی یہ معنی کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی طرف لوٹاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ کسی بھی اصولی یا فروعی مسئلہ میں جب مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کو فیصلہ کے لیے قرآن و حدیث کی طرف لوٹایا جائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر فرمایا کہ (ترجمہ) جس چیز میں تم اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے (سورت شوریٰ ع ۲ پ ۲۵)

پھر جو قرآن و حدیث نے فیصلہ دیا اور جس بات کی صحت کی گواہی دی۔ وہی حق ہے اور حق کے بعد یعنی اس کا معارض گمراہی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ" ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر یعنی اپنے جھگڑے اور جہالتیں سب کو فیصلہ کے لیے اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو قرآن و حدیث ہی کی طرف لوٹاؤ۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جس شخص نے جھگڑے کے وقت قرآن و حدیث کی طرف فیصلہ کے لیے رجوع نہیں کیا تو وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر

نیز امام ابن قیم فرماتے ہیں

ان الناس اجمعوا ان الرد الی اللہ سبحانہ هو الرد الی کتابه والرد الی الرسول صلی اللہ علیه وسلم هو الرد الیه فی حیاته والی سنة بعد وفاته (اعلام الموقعین ص۴۹ ج۱)

اس پر سب لوگوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب اس کی

کتاب کی طرف لوٹانا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے سے مراد آپ کی حیات میں آپ کی ذات مبارک کی طرف اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حدیث شریف کی طرف لوٹانا مراد ہے۔

ثانیاً امام رازی نے تو حدود میں بھی قیاس مانا ہے اور آیت کا حکم عام رکھا ہے حالانکہ آپ (حنفیہ) حدود میں قیاس کے قائل نہیں دیکھو فواتح الرحموت ص۳۱۳ ج ۲ التحریر لابن ہمام ص۱۹ وغیرہ۔ ثالثاً امام رازی اس آیت سے استحسان کو باطل ثابت کرتے ہیں اور آپ اس کے قائل ہیں۔ رابعاً امام رازی آیت " افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (المنساء ع ۱۱ پ ۵) سے تقلید کا باطل و فاسد ہونا ثابت کرتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص۳۹۹ ج ۳ پھر ص۶۸ ج ۲ میں تحت آیت واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول الآیۃ لکھتے ہیں کہ وھو رد علی اصحاب التقلید یعنی تقلید والوں کی تردید ہے۔ اب بتاؤ کہ امام رازی کا یہ استدلال بھی مانتے ہو یا نہیں۔ خامساً بر تقدیر تسلیم آیت میں سب مومنین کو خطاب ہے جیسا کہ یا ایھا الذین امنوا سے ظاہر ہے یعنی سب مومنوں کو چار اربعہ قرآن و حدیث اجماع اور قیاس سے دین لینے کا حکم ہے۔ جس کے معنی جو مقلد رہے گا وہ نص قرآنی کا خلاف کرتا ہے کیونکہ وہ اجتہاد کرنے یا چار اربعہ سے مسئلہ لینے سے محروم بلکہ ممنوع ہے۔ " اما المقلد فمستندہ قول امامہ (مسلم الثبوت) اب بتائیں کہ اس آیت میں سب لوگ مخاطب ہیں یا نہیں؟ علی الاول تقلید ختم۔ سب کو اجتہاد کا حکم اور خود دلائل دیکھ کر فیصلہ کرنے کی تاکید ہے۔ وعلی الثانی کن کو خارج کریں گے مقلدین کو؟ کیا وہ ایماندار نہیں؟ حکم تو سب مومنین کو ہے بلکہ آیت کا مضمون بتاتا ہے کہ ایماندار ہوتے ہی مجتہد ہیں۔ سادساً اگر اولوا الامر سے مراد بقول شما اجماع ہے تو پھر تقلید شخصی باطل ہو گئی۔ کیونکہ جب علماء متفق ہیں تو یہ دلیل کی اتباع ہے۔ کما مر۔

اور اگر مختلف ہیں تو دوسرا حکم ہے۔ یعنی الرد الی الکتاب والسنۃ۔ پس تقلید متعذر ہو گئی کیونکہ اختلاف اور اتفاق کے علاوہ کوئی دوسری صورت ہے ہی نہیں۔ سابعاً اگر الرد الی اللہ والرسول سے مراد قیاس ہے تو یہ الرد الی النفس والی الرای والقیاس ہوا نہ الرد الی الکتاب والسنۃ ثامناً اگر قیاس مراد ہے تو بتائیں خود قیاس کرے یا کسی دوسرے کے قیاس کی طرف رجوع کرے۔ علی الاول یہ اجتہاد کا حکم ہے۔ جو تقلید کے منع کو مستلزم ہے لان وقوع احد ھما یستلزم ارتفاع الآخر۔ وعلی الثانی وہی تسلسل لازم آئے گا کہ آیا وہ متفق ہیں یا مختلف؟ اگر متفق ہیں تو اجماع ہوا جس کی طرف رجوع تقلید نہیں اور اگر مختلف ہیں تو پھر اس حکم کو کہاں لوٹاؤ گے۔ تاسعاً قیاس کو اگر دلیل شرعی مانتے ہو تو بھی الرجوع الی الدلیل ہے پس اگر آیت میں قیاس مراد ہے تو بھی ترک تقلید کا حکم متضمن ہے۔ عاشراً یہ آیت اختلاف کے وقت تحکیم کا حکم دیتی ہے اب اگر فردوہ الی اللہ والرسول سے مراد الرد الی القیاس ہے تو معلوم ہوا کہ قیاس ہی حکم ہے نہ قرآن وحدیث اور قرآن وحدیث کی صرف اطاعت ہے۔ باقی اختلاف کے وقت حکم قیاس ہے یہ قرآن وحدیث پر قیاس کو ترجیح دینا ہے اور افضل کہنا ہے جو کفریہ کلمہ ہے۔ کسی مسلمان کا مذہب نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ ص ۳۸ س ۱۷، یعنی جس شئی کا حکم کتاب وسنت میں منصوص نہ ہو اور اجماع علماء میں سے اس کا کوئی حکم معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اقول یہ کس جملہ کا ترجمہ ہے اللہ سے ڈرو قرآن میں تحریف نہ کرو۔ قرآن میں تو یہ الفاظ ہیں

"فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول"

جس چیز میں تم نزاع واختلاف کرو وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ یعنی جو

بھی مسئلہ چھوٹا یا بڑا اصولی یا فروعی اگر مختلف فیہ ہو۔

تو اس کو فیصلہ کے لیے قرآن و حدیث کی طرف لوٹا دو۔ پھر ان اقوال میں جس قول کی وہاں تائید ملے اس کو مان لو لیکن یہ کہاں ہے کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو یا اجماع سے نہ ملے تو اس کو کتاب و سنت کی طرف لوٹا دو کیونکہ یہ حکم نزاع سے مشروط ہے اور نزاع کے وجود سے قبل تو رد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ جب اختلاف ہو جائے تو ان اقوال کا معیار و کسوٹی کتاب و سنت ہے۔ خلاصہ آیت یہ ہے کہ اے ایماندار و قرآن و حدیث کی اطاعت کرتے رہو۔ جہاں اولوالامر متفق ہوں ان کی بھی لیکن اگر اختلاف کریں تو ان کی ثالثی قرآن و حدیث ہی کر سکتے ہیں اور جو آپ نے رجوع کا مطلب لیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۳۹ سطر رجوع کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں ان کے نظائر کو تلاش کرو اور اس کی علت میں غور و فکر کرو اور اشتراک علت اور مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرو۔ الخ

اقول: جب ہو کہ سارے احکام ہم کو معلوم ہوں اور ہر حکم کی علت ہم کو بتائی گئی ہو۔ و اذلیس فلیس۔ کیونکہ جب یہ تعلیل یقینی نہ ہوئی تو پھر اشتراک و مماثلہ بھی یقینی نہ ہوں اور پھر قیاس بھی یقینی چیز نہ رہی نیز علت و معلول بیان کرنے والے مختلف ہیں۔ کیونکہ طبائع مختلف علوم مختلف عقول مختلف افکار مختلف پھر آپ کس کو ترجیح دیں گے اور اس نزاع و اختلاف میں کس کو حکم قرار دیں گے۔ نیز یہ سارے کام مجتہدین کے ہیں۔ مقلدین کے نہیں۔ پس قرآن اجتہاد کا حکم دیتا ہے نہ تقلید کا۔ ایضاً ہم پوچھتے ہیں۔ یہ علتیں جو آپ بتاتے ہیں ان کی تین صورتیں ہیں چوتھی نہیں ہو سکتی یا تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اسی کے حکم سے یا غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور اسی کے حکم سے ہیں یا تو نہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور نہ کسی غیر اللہ کی۔ آپ کس صورت کے قائل ہیں۔

اخیری دو صورتیں تو آپ کہہ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ اگر غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں تو مطلب ہوا کہ غیر اللہ بھی خالق وفاعل للحکم ہے یہ تو شرک وکفر ہے اور اگر کہو گے کہ نہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے نہ غیر اللہ کی تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ۔ جہاں میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا کوئی خالق نہیں اور وہی اشیاء حاکم ہیں اور اپنی مرضی سے حلال وحرام ہوا کرتی ہیں۔ یہ بھی دہریت اور کفریہ عقیدہ ہے اور پہلی صورت میں پھر سوال عائد ہو گا کہ ان علتوں کو اللہ نے کس علت کی وجہ سے بنایا ہے یا بلا علت۔ علی الثانی: آپ کا اصل باطل اور اقرار کر چکے کہ اللہ بلا کسی علت کے اشیاء بناتا اور احکام وضع فرماتا ہے نیز یہ بھی سوال ہو گا کہ احکام ثانیہ کی تو علت ہو اور احکام اول کی کوئی علت نہ ہو بلکہ وہی اول احکام ثانیہ کی علت ہوں۔ اس کے برعکس کیوں نہیں۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ وعلی الاول۔ پھر وہی تین صورتوں والا سابق سوال عائد ہو گا۔

"فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون في الارض"

ہم علل واسباب کے منکر بھی نہیں لیکن جہاں اللہ نے خود اسباب بتائے ہوں ہمیں کب اختیار ہے خود اسباب مقرر کریں۔

قولہ ص۳۹ س۱۲ "تنازع سے محض باہمی منازعت اور اختلاف مراد نہیں۔ اس لیے کہ اس کا سہل علاج یہ ہے کہ اس نزاع کو ترک کر دیا جائے"۔

اقول: کیسے ترک کر دیں مثلاً ایک فقیہ کوے کو حلال بتاتا ہے اور دوسرا حرام۔ اب کیسے اس نزاع کو چھوڑیں بلکہ قرآن وحدیث کو دیکھنے سے نزاع دور ہو سکتا ہے۔ وہاں اگر حرمت کا حکم ہے تو حرام کہنے والا مصیب اور حلال کہنے والا مخطی اور اگر حلت کا حکم ہے تو حلال کہنے والا مصیب اور حرام کہنے والا خاطی ہے اور اسی طرح وہی فیصلہ حق ہو گا۔

باقی باطل اور سب متفق ہو سکتے ہیں یہی اس کا علاج ہے صرف نزاع کیسے چھوڑیں گے ۔

قولہ ص۳۹ س۶ "بلکہ تنازع کے اصول شرعیہ اور دلائل کا تجاذب اور تنازع مراد ہے۔

اقول: دلائل کتاب وسنت تو اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان کے اندر یہ حال نہیں ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (النساء ۱۱ پ ۵)

اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں کئی اختلافی چیزیں پائی جاتیں۔

ثابت ہوا کہ اللہ کی طرف سے جو حکم آیا ہو، اس میں ایسا تجاذب یا تخالف نہیں ہو سکتا ہے۔

البتہ قیاس اور رائے جو کہ مخلوقین کی تفقہات ہیں۔ ان میں ایسا ضرور ہو سکتا ہے جیسا کہ مشاہدہ سے ظاہر ہے بلکہ چار مذاہب کی فقہی کتابوں کو دیکھیں۔ ان کا تفقہ قیاس اور استنباط کتنا مختلف ہے۔ پس آیت کا توبرعکس یہ حکم ہوا کہ جہاں فقہاء کا قیاس مختلف ہو تو کسی کو مت مانو بلکہ قرآن وحدیث سے ان سب اقوال وآراء واقیسہ کا مقابلہ کرو جو موافق آئے اس کو قبول اور جو مخالف ہو اس کو ترک کر دو۔ یہی معاملہ اجماع کا ہے کیونکہ جہاں وہ متفق ہیں وہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور جہاں مختلف ہیں تو ان میں سے ایک ہی حکم اللہ کی طرف ہو سکتا ہے یعنی جو قرآن وحدیث کے موافق ہو باقی سب باطل ہیں۔

قولہ ص۳۹ س۷ "اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دلائل کا تجاذب" الخ

اقول: دلائل اسمانیہ میں تو ایسا نہیں ہو سکتا لیکن اقوال علماء میں ہو سکتا ہے ان کے لیے تحقیق ضروری ہے اور حکم دلیل الہٰی قرآن و حدیث ہے۔

قولہ ص۳۹ س۱: "تو مجتہد کو اس وقت اس ترتیب کی رعایت چاہیئے" الخ

اقول: آیت میں سب مومنین کو خطاب ہے کیا سب کو مجتہد مانو گے؟ الحمد للہ بصورت دیگر کیا مقلد ایماندار نہیں؟ نیز آپ کے جو ترتیب دی ہے خود اجتہاد کو چاہتی ہے نہ کہ تقلید کو بلکہ اس کے منافی ہے کہ اختلاف کے وقت کسی ایک کی بات پکڑی جائے۔

قولہ ص۳۹ س۱۴: "رائے اور قیاس کی حجیت" الخ

اقول: اس عنوان کے تحت جو لکھا ہے بے سود ہے۔ سابقہ آیت کا اشارہ دیا ہے لیکن اس کے متعلق بحث گزری کہ یہ آیت خود تقلید رائے و قیاس اور تعلیل کی تردید کرتی ہے باقی دلائل پر بحث موقع بموقع آتی رہے گی ان شاء اللہ تعالےٰ۔

قولہ ص۳۹ س۱۵ و قال اللہ تعالیٰ فاعتبروا یا أولی الأبصار۔ اے نگاہ والو عبرت پکڑو۔

اقول: عبرت کے معنی قیاس کسی لغت میں نہیں عام مفسرین معنی اتعاظ (نصیحت لینا) کرتے ہیں دیکھو قرطبی ص۵ ج ۱۸، ابن کثیر ص۳۳۰ ج ۴ خازن ص۲۹ ج ۷، دبرحاشہ البغوی ایضاً جامع البیان برحاشیہ جلالین ص۴۵۲ الجمل ص۳۱۱ ج ۴ فتح القدیر للشوکانی ص۱۹۱ ج ۵ احکام القرآن لابن للعربی ص۲۵۷ اج ۴۔ المراغی ص۳۵ ج ۲۸ وغیرہ۔ اور اگر بالفرض یہ آیت قیاس کا حکم دیتی ہے تو پھر بتائیں کہ سب مومنین کو حکم ہے یا بعض کو علی الاول مجتہد ہو کر رہنے کا حکم ہے۔ وعلی الثانی کیا عذاب عام لوگوں کے لیے عبرت نہیں ہے؟ پھر آپ کی اس تقریر کا کیا مطلب کہ عذاب کی علت میں غور کرو۔ اگر کہو گے کہ صرف مجتہدین کو حکم ہے (جن کو آپ مجتہد مانتے ہیں) تو کیا مقلدین

اندھے ہیں۔ اولی الابصار نہیں ؟ خیال کریں کہیں آپ کے ساتھی سن نہ لیں اگر کہیں گے کہ دل کا اندھاپن مراد ہے لیکن یہ اندھاپن اپنے لیے قبول کریں گے ؟ عجب تو یہ ہے کہ عالم ہیں فاضل ہیں حافظ قاری مفتی مدرس، مفسر شارح مناظر اور مصنف وغیرہ سب کچھ ہیں لیکن پھر بھی دل کے اندھے ہیں (جل جلالہ) جناب کی شان ہیں میاں محمد صدیقی صاحب ۔ ابتداء رسالہ اجتہاد و تقلید میں "پیش لفظ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ :۔

جامع الکمالات والفضائل شیخ المفسرین والمحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں !!

حضرت موصوف علوم شریعت اور معارف کتاب و سُنت میں اپنے تحقیقی کمالات و فضائل کے اعتبار سے پاک و ہند کے مشاہیر علماء کے درمیان ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں !!

کیا آپ بھی کہیں کہ اولی الابصار میں سے تو نہیں ہیں ؟

قولہ :۔ ص ۲۹ س ۱۶ "یعنی یہ سوچو کہ جن پر عذاب آیا اس کی کیا علت ہے" الخ

اقول :۔ یہ استدلال صحیح نہیں ہے من وجوہ ۔ اولاً یہ جب ہو کہ جو بھی ایسی نافرمانی کرے گا اس کو وہی عذاب ہوگا یعنی اپنے ہاتھوں سے اور مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھر ڈھانا حالانکہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے اور جب علت میں اصل و فرع متحد ہیں تو حکم بھی متحد ہو پس یہ قیاس کی مثال یا اس کا حکم اس آیت میں نہیں ہے ۔ ثانیاً :۔ قائل کہہ سکتا ہے کہ یہ اس عذاب کی علت نہیں ہے کیونکہ علت و معلوم کا انفکاک نہیں ہوتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم والے کئی لوگ ایسے عذاب کے تحت نہیں آتے ۔ ثابت ہوا کہ علت معلول نہیں ہے ۔ ثالثاً بر تقدیر تسلیم کہ اس میں یہ حکم ہے کہ اپنی عاقبت کو کفار کی عاقبت پر متفرع کرو لیکن یہ کہاں ہے کہ احکام شرعیہ میں بھی ایسا کرو ؟ رابعاً بلکہ سیاق مضمون خود بتاتا ہے کہ یہاں عقل کو

کوئی دخل نہیں ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے

هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر ماظننتم ان یخرجوا و ظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (الحشر ع ا پ ۲۸)

اللہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو پہلی نکالی والے دن ان کے گھروں سے نکالا تم کو ان کے نکلنے کا گمان تک نہ تھا اور وہ یقین کرتے تھے کہ ان کے قلعے اُن کو اللہ سے بچائیں گے لیکن اللہ ان پر عذاب لایا جہاں سے ان کو گمان ہی نہ تھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈالا اور وہ اپنے اور مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنے لگے۔ اے آنکھوں والو عبرت لو نصیحت لو۔

اب غور کرو کہ اللہ نے وہ کام کیا جو مسلمان خواہ کفار کے وہم و گمان میں نہ تھا بلکہ ان کے عقل و فراست سے دور تھا لیکن یفعل الله مایشاء یحکم ما یرید لا معقب لحکمه پس یہ سیاق خود بتاتا ہے کہ یہاں نصیحت لینے کا حکم ہے۔ خامساً اصول فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب تلویح ص۵۵ ج ۲ میں اس آیت کے متعلق ہے کہ

ولاشك ان سوق الاٰیة للا تعاظ فیدل علیه عبارة وعلی القیاس اشارة۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آیت کا سیاق اتعاظ (نصیحت لینے) کے لیے ہے اور اسی پر عبارۃ دلالت کرتی ہے اور قیاس پر اشارہ۔

اور بموجب اصول تعارض کے وقت عبارت، اشارۃ پر مقدم ہے اور یہاں ایک ہی معنی متعین ہو سکتا ہے دونوں نہیں کیونکہ اتعاظ اور قیاس میں فرق ہے۔ اتعظ بمعنی قبل الموعظة

دعمل بو فقہ دقایس قیاسًا ومقایسۃ بین الامرین قدر۔ اب اگر نصیحت کرنے کے معنی لیں گے تو بغیر چون وچرا کے اتباع لازم آئے گا اور اگر تقدیر بین الامرین کا معنی لیں گے تو اپنی عقل کے موافق کرنا ہوگا بس ایک ہی معنی متعین ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جو معنی عبارت نکلتا ہے وہی مقدم ہوگا۔

قولہ ص۳۹ سطر۱۸" اور اشتراک علّت کی وجہ سے غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرنے کا نام قیاس ہے"

اقول: یہاں کسی حکم کے نافذ کرنے کا امر ہے کیا ایسے کافر پر جلاوطنی کا حکم نافذ کرو گے ثانیًا یہ جب ہو کہ ایسا حکم انشاء کے معنی میں ہو۔ یہاں تو صرف خبر ہے اور اللہ جب چاہے جو چاہے کرے لیکن یہ کب حاصل ہے کہ جس طرح بھی اللہ کرے تم بھی کرو۔

ثالثًا بالغرض یہ بتلانا کہ ان غیر منصوص مسائل میں جو منصوصہ کا حکم جاری کرو گے اس حکم کا اتباع النص ہوگا یا اتباع القیاس؟ علی الاول قیاس متبوع نہیں رہا لہٰذا دلیل شرعی بھی نہیں رہا۔ وعلی الثانی آپ نے نص پر قیاس کو ترجیح دے دی کہ جو کسی کا مذہب نہیں کیونکہ حکم نص کا جاری کرتے ہیں اور حاکم قیاس کو قرار دیتے ہیں اور نص کو اپنے رحم وکرم پر چھوڑتے ہیں۔ اگر کہو گے کہ قیاس نصوص سے مسائل حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو بھی غلط ہوگا کیوں کہ اس کے معنی کہ قیاس نص پر قاضی ہے بلکہ اگر تسلیم کریں۔ تو بھی یہی قیاس کے عدم حجیت پر کافی دلیل ہے کیونکہ دلیل کے معلوم کرنے کا ذریعہ دلیل نہیں ہوا کرتا ہے مثلاً علوم نحو صرف معانی ادب وغیرہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے ذریعے ہیں کیا ان کو بھی حجت قرار دیں گے؟ اسی طرح حجت وہی نصوص ہیں نہ قیاس سے

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

قولہ ص۳۹ س۱۹: جلال الدین سیوطی تفسیر اکلیل میں فرماتے ہیں کہ" الخ

اقول: سیوطی نے بصیغہ تمریض استدلال کرکے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود اس نے اکلیل میں اور کئی استدلال ذکر کیے ہیں مثلاً ص۱ آیت ولقد اتینٰک سبعًا من المثانی کے تحت لکھتا ہے کہ ھی الفاتحۃ اخرجہ البخاری وغیرہ ففیہ وجوب قراءتھا فی الصلوٰۃ فی کل رکعۃ ص۱۳۶ اور آیت وما زادھم الا ایمانًا وتسلیمًا کے تحت لکھتے ہیں۔ استدل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ ص۱۶ اور آیت" وماکان اللہ لیضیع ایمانکم کے تحت لکھتے ہیں کہ استدل بہ علی ان الایمان قول وعمل ص۲۲ اور آیت فلا تعضلوھن کے تحت لکھتے ہیں کہ فیہ اعتبار الولی فی النکاح والا لم یلتفت الی عضلہ ص۵۲ اور ص۵ میں لکھتے ہیں کہ

واستدل عطاء بن ابی رباح بقولہ" الا ان تتقوا منھم تقٰۃ" علی عدم وقوع طلاق المکرہ اخرجہ ابن ابی حاتم اور آیت ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابًا من دون اللہ کے تحت لکھتے ہیں:۔ قال الکیا فیہ رد علی من قال بالاستحسان المجرد الذی لا یستند الی دلیل شرعی وعلی من قال یجب قبول قول الامام فی التحلیل والتحریم دون ابانۃ مستند شرعی ص۵۳ اور آیت یرید اللہ لیبین لکم کے تحت لکھتا ہے کہ یدل علی امتناع خلو واقعۃ عن حکم اللہ ص۵۶ اور آیت ان یتبعون الا الظن کے تحت لکھتے ہیں کہ استدل بہ علی ابطال التقلید فی العقائد واستدل بہ الظاہریۃ علی ابطالہ مطلقًا وابطال القیاس ص۱۰۲ اور آیت" وانحر" کے تحت لکھتا ہے کہ فیہ اشارۃ الی وجوب الاعتدال والطمانینۃ فیہ ص۲۲۹ اور آیت فان لم تفعلوا کے تحت لکھتا ہے کہ فیہ دلالۃ علی الأمر باستعمال حجج المعقول وابطال التقلید ص۱۵ اور آیت فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ الآیۃ کے تحت لکھتا ہے استدل بہ من قال بتکفیرھما تارکیھا ص۱۱۶ اور آیت" وما یتبع اکثرھم الا ظنا" کے

تحت لکھتا ہے کہ استدل بھا منع التقلید فی اصول الدین ص۱۳۵ اور آیت قل ارایتم ما انزل اللہ لکم من رزق کے تحت لکھتا ہے کہ استدل بہ نفاۃ القیاس وفیہ دلیل علی انہ لا حکم للعقل ص۱۲۵ اور آیت من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا" کے تحت لکھتا ہے کہ یدل علی من توضاء للبرد او للتنظیف لا یصح وضوءہ ص۱۲۱ اور آیت "ولا یطؤن موطا" کے تحت لکھتا ہے کہ استدل بھا ابو حنیفۃ علی جواز الزنا لنساء اھل الحرب فی دار الحرب ص۱۲۳ کیا یہ سب استدلال آپ مانیں گے ؟

قولہ ص۸ سے "قیاس کے حجت ہونے کے بارہ میں بے شمار حدیثیں ہیں" الخ

اقول: کسی حدیث میں قیاس کا نام نہیں البتہ ایک روایت میں قیاس کی مذمت آئی ہے ۔

عن عوف بن مالک الاشجعی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقۃ اعظمھا فتنۃ علی امتی قوم یقیسون الامور برأیھم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال (جامع البیان العلم ص۱۳۴ ج۲ الاحکام لابن حزم ص۳۵ ج ۸ ۔ اعلام الموقعین ۔ ج ۔ ۱ ص ۲۵۰

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہوں گے امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ اس فرقہ کا ہوگا جو کہ قیاس و رائے سے احکام نکالیں گے ۔ پھر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کریں گے ۔

ص۲۵ ج ۱ اس روایت کو امام ابن حزمؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے صحیح مانا ہے اور جن روایات کو صاحب رسالہ نے ذکر کیا ہے ان پر کلام آئے گا ۔

قولہ ص۸ سے "عن ابن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن الخ

اقول اولاً یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ مصنف نے ابوداؤد ترمذی اور دارمی کا حوالہ دیا ہے ۔

حالانکہ تینوں کتابوں میں سنداس طرح ہے

عن شعبة عن ابی عون عن الحارث بن عمرو ابن اخی المغیرة بن شعبة عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ عن معاذؓ اور یہ سند بچند وجوہ ضعیف اور باطل ہے

اول یہ کہ حارث مجہول ہے کما فی المیزان ص۲۰۱ ج ۱ والتهذیب ص۱۵۲ ج ۲ والتقریب ص۱۴۳ ج ۱ مصری والتاریخ الکبیر للبخاری ص۵۵ ج ۱ قسم ۲ المحلی لابن حزم ص۶۲ ج ۱ نیز عقیلی ابن جارود اور ابوالعرب نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ کما فی التهذیب۔

دوم اناس من أهل حمص خود مجہول ہیں کوئی پتا نہیں کہ کون ہیں کما فی الاحکام لابن حزم ص۱۱۱ ج ۷، اور التلخیص الحبیر میں بھی مجہول لکھا گیا ہے۔

سوم سند میں بھی اختلاف ہے۔ ترمذی میں عن اناس من اصحاب معاذ ہے اور معاذ بن جبل کا نام نہیں پس یہ روایت مرسل ہوئی اور التلخیص الحبیر ص۴۰۱ میں ہے کہ:۔

قال الدارقطنی فی العلل رواه شعبة عن أبی عون هکذا وارسله بن مهدی وجماعات عنه والمرسل أصح وقال أبو داؤد اکثر ما کان یحدثنا شعبة عن أصحاب معاذ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال مرة عن معاذ۔

امام دارقطنی نے کتاب العلل میں کہا کہ عام جماعت اس کو مرسل نقل کرتی ہے اور اسی طرح ٹھیک ہے اور ابوداؤد طیالسی نے کہا کہ شعبہ اکثر ہم کو یہ روایت مرسلاً سناتا تھا اور ایک مرتبہ معاذ کا واسطہ ذکر کیا۔

اور امام ترمذی نے بھی سنن میں مرسل کو ترجیح دی ہے۔ کما سیأتی اور محدثین نے بھی اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ التلخیص الحبیر ص۴۰۱ میں ہے کہ

قال الترمذی لانعرفه الا من هذا الوجه ولیس اسناده بمتصل وقال

البخاری فی تاریخہ الحارث بن عمرو عن اصحاب معاذ وعنہ ابو عون لا یصح ولا یعرف الا بھذا۔۔۔ وقال ابن حزم لا یصح لان الحارث مجھول وشیوخہ لا یعرفون قال وادعی بعضھم فیہ التواتر وھذا کذب بل ھو ضد التواتر لان مارواہ غیر ابی عون بن الحارث فکیف یکون متواترا وقال عبدالحق لا یسند ولا یوجد من وجہ صحیح فقال ابن الجوزی فی العلل المتناھیۃ لا یصح وان کان الفقھاء کلھم یذکرونہ فی کتبھم ویعتمدون۔۔۔ وقال ابن طاھر۔۔۔ انی فحصت عن ھذا الحدیث فی مسانید الکبار والصغار وسألت من لقیتہ من اھل العلم بالنقل فلم اجد لہ غیر طریقین احدھما طریق شعبۃ والاخری طریق محمد بن جابر عن اشعث بن ابی الشعثاء عن رجل من ثقیف وکلاھما لا یصح اھ مختصرا۔

امام ترمذی نے کہا کہ اس کی ایک ہی سند ہے اور وہ بھی متصل نہیں اور امام بخاری نے کہا کہ حارث کی روایت صحیح نہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور روایت میں اس کا پتا نہیں لگتا۔ امام ابن حزمؒ نے کہا کہ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حارث مجہول ہے اور اس کے اساتذہ کا کوئی حال معلوم نہیں اور بعض نے اس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر یہ جھوٹ ہے بلکہ برعکس ایک ہی سند ہے پھر کیسے متواتر ہو سکتی ہے اور عبدالحق نے کہا کہ یہ روایت کسی صحیح سند سے نہیں پائی جاتی اور ابن جوزی نے کہا اگرچہ سب فقہاء اس کو لاتے اور اعتماد کرتے ہیں مگر صحیح نہیں ہے اور ابن طاہر نے کہا کہ میں نے حدیث کی چھوٹی بڑی کتابوں میں اس کی تلاش کی اور ہر ملنے والے عالم بالحدیث سے پوچھا مگر دو ہی سندیں ملیں اور وہ دونوں صحیح نہیں۔

اور امام ابن حزم نے الاحکام ص۱۱۲ ج ۷ میں لکھا ہے کہ

ان ھذا الحدیث ظاھر الکذب والوضع یہ روایت ظاہراً جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نے بھی نصب الرایہ ص۶۳ ج ۴ میں امام ترمذیؒ اور امام بخاریؒ سے اس کا غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابوالحسن سندھی نے بھی حاشیہ مسند احمد بن حنبل میں اس کو غیر صحیح کہا ہے لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں۔ ثانیاً خود صحیح حدیث نبوی میں رائے کی مذمت آئی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا ینزع العلم بعد ان أعطاهموه انتزاعا ولکن ینتزعه منهم مع قبض العلماء بعلمهم فیبقی ناس جهال یستفتون فیفتون برأیهم فیضلون و یضلون۔
(صحیح بخاری ص۱۰۸۸ ج ۲)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم دے کر واپس نہیں چھینے گا بلکہ ان سے علماء کو علم سمیت لے جائے گا پھر جاہل لوگ رہ جائیں گے جو فتویٰ پوچھے جائیں گے پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے اور خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

ناظرین! اس روایت سے چند امور ظاہر ہوئے

اوّل:۔ یہ کہ سلف میں رائے کا رواج نہ تھا۔

دوم۔ یہ نئی محدث چیز ہے۔

سوم:۔ رائے وقیاس علم نہیں۔

چہارم:۔ رائے گمراہی کا باعث ہے۔

پنجم:۔ رائے وقیاس پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

ششم:۔ کیونکہ اس طرح لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ ثالثاً خود معاذ رضی اللہ عنہ رائے

کے خلاف تھے چنانچہ آنے والے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ویبتدع کلام لیس من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فایاکم وایاہ فانہ بدعۃ وضلالۃ قال معاذ ثلاث مرات (اعلام الموقعین ص۲۲ ج ۱)

ایسا نیا کلام نکلے گا جو نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں اس سے اپنے کو بچاؤ کیوں کہ وہ بدعت وگمراہی ہے اس طرح معاذ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ فرمایا۔

معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ باقی کلام خواہ قیاس ورائے جو کچھ بھی ہو وہ بدعت ہے۔ پس کس طرح کہے گا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کس طرح اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے۔

رابعاً یہ روایت الاحکام لابن حزم ص۱۲۵ ج ۶ میں دوسری سند سے مروی ہے جس میں اجتہد برائی کے بجائے یہ لفظ ہیں "اؤم الحق جہدی" جس کا مطلب ہے کہ جہاں سے حق حاصل ہوتا ہے وہاں سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور حق قرآن وحدیث ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

خامساً علی التقدیر یہ اس وقت کی بات ہو سکتی ہے کہ جب دین کامل نہیں ہوا تھا۔ احکام اُترتے رہتے تھے لیکن جب آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" اتری اور دین کامل ہوا پھر یہ سوال ہی غلط ہے کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث میں معاذ اللہ نہیں ہے اس لیے قیاس کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ (قرآن وحدیث کو ناقص سمجھنا) مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے

سادساً علی التقدیر "اجتہد برائی" سے کیا مراد ہے کہ میں اپنی رائے استعمال کروں گا؟ یہ فاسد گمان صحابیؓ پر نہیں ہو سکتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر مجھے مسئلہ نہیں ملا تو بھی ہمت نہیں ہاروں گا بلکہ قرآن وحدیث میں تلاش کرتا رہوں گا بالآخر وہ مسئلہ مجھے مل جائے گا کیونکہ اجتہاد کا مطلب ہے کوشش کرکے قرآن وحدیث سے مسائل نکالنا۔

سابعاً اجتہاد بالرائے سے مراد امام سفیان بن عیینہ یہ لیتے ہیں کہ:

ھو مشاورۃ اھل العلم لا ان یقول برایہ (الاحکام ص۲۶ ج ۲)

اہل علم سے مشورہ کیا جائے نہ کہ اپنی رائے سے فیصلہ دے۔"

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ خود قرآن یا حدیث میں نظر نہ آئے تو اپنے قیاس یا رائے کے بجائے دوسرے علماء سے دریافت کرے۔ ممکن ہے کسی کو اس بارہ میں آیت یا حدیث معلوم ہو کیونکہ "فوق کل ذی علم علیم ہر عالم سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے اور پس علمیت کی انتہا تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ علماء قدیم و حدیث میں بے شمار رہیں ایک سے نہ دوسرے سے تیسرے سے الی مالانہایتہ پس قیاس کا موقع ہی نہیں رہتا ہے اور یہ سوال تقلید نہیں لوچھین۔ الاول یہ اتباع مساروایۃ دلیل ہے نہ رائے و قیاس۔ الثانی رجوع المجتہد الی المجتہد ولذا الی الدلیل تقلید نہیں ہے۔

ثامناً روایت میں لفظ قیاس ہی نہیں ہے۔

تاسعاً ایک دوسری روایت ضعیفہ میں اس کے خلاف ہے۔

عن معاذ بن جبل قال لما بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قال لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشکل علیک امر فقف حتی تبینہ او تکتب الی فیہ (ابن ماجہ ص۔)

رسول اللہ نے مجھے یمن روانہ کرتے وقت فرمایا کہ علم (قرآن و حدیث کے جاننے) کے بغیر ہرگز کوئی فیصلہ یا قضاء کرنا جب تک کہ وہ بات تمہارے لیے ظاہر نہ ہو جائے یا پھر میری طرف لکھنا۔

ناظرین! یہ روایت بھی ضعیف وہ بھی ضعیف دونوں ایک دوسری کی تکذیب کراتی ہیں اور اگر دونوں ثابت ہیں تو بھی تطبیق ممکن ہے کہ "میں کوشش کر کے حق حاصل کر دوں گا" یا علما سے مشورہ کر کے دلیل معلوم کروں گا یا آپ کو لکھوں گا۔

عاشراً۔ اگر ان سب باتوں سے قطع نظر کریں اور روایت کو معتبر مان لیں تو بھی اس اجتہاد کی فضیلت ہے نہ کہ تقلید کی۔ ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ ہم مجتہد نہیں۔ قرآن و حدیث سے خود مسائل تلاش کریں نہ کہ کسی کی تقلید کریں۔ ورنہ معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرتے کہ جب قرآن و حدیث میں مجھے مسئلہ نہیں ملا تو میں کسی کی تقلید کروں گا مگر اس روایت میں یہ ہے کہ میں اجتہاد کرونگا جس کے معنی یہ ہیں کہ مسنون اجتہاد ہوا اور تقلید بدعت۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔ الحاصل یہ کہ روایت آپ کو مضر ہے مفید ہرگز نہیں۔

قولہ؛ صلاع سطر "اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں"

اقول:۔ بشرط صحت اس روایت سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

اول۔ مسئلہ قرآن و حدیث سے ہی تلاش کرنا چاہیے نہ فقہی کتاب سے۔

دوم۔ اگر بوجہ قصور علم وہاں نہ ملے تو دوسرے علماء سے مذاکرہ کرے ممکن ہے کہ کہیں دلیل مل جائے۔

سوم۔ کوشش کو جاری رکھنا چاہیے یہاں تک دلیل مل جائے اس کے بغیر توقف کرے۔

چہارم۔ اور نہ کسی قول یا رائے پر فتویٰ دے یا عمل کرے۔

پنجم۔ خود اجتہاد کرے دوسرے کی تقلید نہ کرے۔

ششم۔ سب کے سب مسائل قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ ورنہ روایت کے کوئی معنی نہیں بنتے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ اول مسائل قرآن و حدیث سے لے اگر نہ ملیں تو دوسرے علماء سے آیت یا حدیث پوچھے اور کوشش کرتا رہے حتیٰ کہ مل جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ سب مسائل ان میں موجود ہیں ورنہ یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی۔ باقی جو باتیں آپ نے نکالی ہیں ان پر کلام کرتے ہیں۔

قولہ صلاع سطر ۲۰ "اول یہ کہ بہت مسائل ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں ان کے احکام منصوص نہیں"

اقول:۔ یہ بچند وجوہ غلط ہے: اوّل یہ کہ جو ہم نے ششم کے تحت ذکر کیا ہے۔ دوم قرآن و حدیث دین کامل کا پتا دیتے ہیں۔ سوم حدیث میں علیٰ شرط الصحۃ یہ لفظ ہیں "فان لم تجعل" یعنی اگر تو نہ پائے کر" اگر قرآن و حدیث میں موجود نہ ہوں" یہ معاذ کی قصور فہم کی طرف اشارہ ہے جس کو آپ قرآن و حدیث کا قصور بتاتے ہیں۔ یہ آپ کی طبع میں قیاس کی سرایت اور اس پر غلبہ اور اس کی بے پناہ محبت کا نتیجہ ہے ورنہ سے

جمیع العلم فی القرآن لکن   تقاصر عنہ افہام الرجال

بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہاں بشرط ثبوت الروایۃ معاذ رضی اللہ عنہ کا امتحان ہے کہ بوجہ قصور اپنے نا اُمید تو نہیں ہوتا مگر انھوں نے اپنی قوتِ ایمانی سے کہہ دیا کہ نہیں میں نا اُمید نہیں ہوں گا بلکہ دلیل تلاش کرتا ہوں گا۔ یہ تقاعد و تکاسل کا نتیجہ ہے جواب ایسا فرما رہے ہیں ورنہ اگر کوشش کی جائے اور صرف اقوال و آراء اور فقہی کتابوں پر قناعت نہ کی جائے تو انسان ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے بالآخر حاصل کر ہی لیتا ہے اور یہ دونوں چیزیں سب اشیاء سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ یہ وجہ چہارم سمجھنی چاہیئے۔

قولہ صلا سطر ۹ " دوم غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا نہایت درست ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی عین مرضی کے مطابق ہے۔

اقول:۔ یہ بھی بچند وجوہ باطل ہے۔ اوّل: اس کی بنا پہلی بات پر تھی جب وہ نہ رہی یہ بھی نہیں۔ دوم رائے و اجتہاد میں فرق ہے۔ رائے اپنی رائے کو کہتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے اور اجتہاد قرآن و حدیث سے مسائل لینے کا نام ہے۔ سوم غیر منصوص کی قید بھی صحیح نہیں کیا۔ منصوص مسائل کا قرآن و حدیث سے لے لینا اجتہاد نہیں۔ چہارم۔ اجتہاد و مجتہد کا کام ہے گویا کہ اجتہاد صرف غیر منصوص مسائل میں ہے۔ منصوص میں سب مقلد (عجیب)، پنجم منصوص مسائل میں آپ

غیر مقلدیں۔ آپ گویا عوام کو فقہی کتابوں سے مستغنی سمجھتے ہیں چہ خوش۔ ششم۔ اپنی رائے استعمال کرنے کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے مطابق کہنا صریح افترا ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں رائے کی مذمت آئی ہے۔

قولہ صلہ سلا سوم یہ کہ رائے اور اجتہاد حق سبحانہ و تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ پڑھا۔ الخ

اقول:۔ اس پر بھی چند وجوہ کلام ہے۔ اوّل۔ اجتہاد جب اللہ کی نعمت ہے تو اس کو بعض لوگوں کے لیے خاص کرنا یا کسی زمانہ تک محدود کرنا کیسے درست ہے بلکہ ہر ایک بندہ خدا کو ترغیب دلاؤ کہ حسب استطاعت اجتہاد کریں اور خواہ مخواہ ان کو دائرہ تقلید میں بس ہو کر رہنے کی تلقین کیوں کرتے ہو۔ دوم۔ رائے اللہ کی نعمت نہیں بلکہ اس کو حدیث میں اُمت کے لیے بڑا فتنہ کہا گیا ہے۔ کما مر۔ سوم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حمد کرنا معاذ رضی اللہ عنہ کی جرأت اجتہادی پر ہے نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ چہارم۔ یہ اجتہاد جس پر الحمد للہ پڑھی گئی۔ وہ اخذ المسائل من القرآن والسنۃ ہے۔ کما مر۔ پنجم۔ بلا شک شکر کرنے والوں کے لیے نعمت کے زیادہ ہونے کا وعدہ ہے لیکن ان کے لیے جو اس نعمت (اجتہاد) کو استعمال کریں۔ ان پر نعمت زیادہ ہوگی اور مسائل نکالنے میں آسانی ہوتی جائے گی جیسا کہ ارشاد ہے کہ

" والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (العنکبوت ع پ۲۱)

لیکن جو اس نعمت کو استعمال ہی نہ کرے اور کہے کہ میں مقلد ہوں میں اجتہاد کا اہل نہیں ہوں۔ مجھے علم نہیں تو اس آیت کی مثال ہے کہ

"ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض (الاعراف ع ۲۲ پ۹)

ششم۔ بے شک دست نبوی کے فیوض و برکات مجتہد کے ساتھ ہیں لیکن مقلد کے

ساتھ کس کے ہاتھ ہیں۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

قولہ ص۱۴۱ س۱۵ "نیز غیر منصوص مسائل میں صحابہؓ اور تابعینؒ کا اجتہاد اور قیاس سے فتویٰ دینا حد تواتر کو پہنچ چکا ہے" الخ

اقول۔ صحابہ اور تابعین کے چند اقوال قیاس ورائے کی مذمت میں ہم نقل کر آئے ہیں جس کے معنی نہ اجماع ہے نہ تواتر محض خوش فہمی ہے بلکہ صحابہؓ کے اجتہاد کا یہ حال تھا کہ جو بات اقرب الی الکتاب والسنۃ دیکھتے اس کو لے لیتے۔ کما فی اعلام الموقعین ص۵۸ ج۱۔ یہ نہ رائے ہے نہ قیاس اور حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ طبقہ تاسعہ کے اخیر میں فرماتے ہیں کہ

"وکان فی ھذا الوقت خلق من الائمۃ اھل الرای والفروع" (تذکرہ ص۱۲۶ ج۲)

یعنی اس زمانہ میں ائمہ اہل الرائی تھے۔ یہ طبقہ صحابہ اور تابعین　　سے بہت بعد کا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رائے و قیاس کا بانی بعد میں ہوا۔

قولہ ص۱۴۱ س۱۸ "امام بخاریؒ نے قیاس کی حجیت ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاریؒ میں ایک باب منعقد فرمایا:۔

باب من شبہ اصلا معلوما باصل مبین وقد بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمھما لیفھم السائل"

اقول:۔ یہ سراسر دھوکا ہے۔ امام بخاریؒ نے قیاس کے اثبات کیلئے نہیں بلکہ اس کے ابطال کے لیے رکھا ہے۔

اولاً "من شبہ اصلا معلوما باصل مبین" پر غور کریں کیونکہ قیاس میں مقیس فرع اور مقیس علیہ اصل ہوتا ہے۔ ایک اصل کو دوسرے اصل کے ساتھ تشبیہ کا ذکر ہے۔

قیاس نہیں۔ مقیس اصل نہیں کہلاتا۔ ثانیاً اصل معلوم سے یکی ظاہر ہے کہ وہ دلائل سے ثابت و مبرہن اور معلوم و معروف ہے۔ پس اس کے لیے قیاس کی کیا ضرورت ہے۔ ثالثاً ایک اصل کو معلوم دوسرے کو نہیں کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی حکم جو کہ پہلے ہی دلائل سے ثابت اور منصوص ہو اس کو مزید سمجھانے کے لیے کسی اور اصل جو اس سے زیادہ واضح ہو اس سے تشبیہہ دے کر سمجھایا جائے۔ یہ قیاس نہیں تفہیم و مبیّن ہے۔ قیاس جب ہو کہ مسئلہ پہلے منصوص و مدلل ہی نہ ہو۔ اس کو کسی مدلل و منصوص کا فرع بنایا جائے جیسا کہ آپ نے خود قیاس کی تعریف کی ہے رابعًا بقیہ عبارت "وقد بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمهما لیفهم السائل" اس پر شاہد ہے کہ ایک اصل کو دوسری سے تشبیہہ دے کر مبین و واضح کیا جائے۔ خامسًا امام بخاریؒ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے پہلی حدیث میں ایک اعرابی نے اپنے بچہ پر کالے رنگ کا جنے کی وجہ سے شبہ کیا لیکن یہ شبہہ فی الحقیقت کوئی چیز نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ " ومن ایاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم " (الروم ع ۳ پ ۲۱) پس یہ مسئلہ تو پہلے ہی منصوص ہے جو بذاتِ خود ایک اصل معلوم ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعرابی کو مزید سمجھانے کے لیے اونٹوں کے مختلف رنگوں کی مثال دے کر سمجھایا۔ دوسری روایت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حج عن المیت کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہ مسئلہ بھی منصوص ہے چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں "نعم" (ہاں) فرمایا۔ یہ صراحۃً تنصیص ہے اور یہی روایت امام بخاریؒ نے کتاب الحج میں لائی ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ نعم حجی عنها " (ہاں اس کی طرف سے تم حج کر لو) اس تنصیص کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وصحبہ وسلم) نے قرض کی مثال دے کر سمجھایا۔ ثابت ہوا کہ یہ قیاس نہیں۔

سارا سارا بلکہ امام بخاریؒ نے صحیح میں کتاب الاحکام میں متعدد ابواب قیاس کے ابطال کے لیے رکھے ہیں۔

مثلاً:۔

۱۔ "باب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم"

"جب آپ کے کلمات مبارکہ جامع ہیں تو پھر سارے مسائل منصوص ہوئے اور قیاس کی کوئی ضرورت نہیں رہی"

۲۔ باب ما یذکر من ذم الرأی وتکلف القیاس ولا تقف ما لیس لك به علم"

یہاں صریحاً قیاس کی تردید کی گئی ہے اور آیت سے استدلال کیا گیا ہے جو چیز معلوم نہیں اس کے پیچھے پڑنے کی ممانعت ہے جو نص سے معلوم ہو اس کو لیا جائے جو نہ ہو سکے اس میں توقف کیا جائے نہ کہ قیاس ورائے کا تکلف کیا جائے۔

۳۔ باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول لا أدری او لم یجب حتی ینزل علیہ الوحی ولم یقل برأی ولا بقیاس لقولہ تعالیٰ بما أراك اللہ وقال ابن مسعود سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح فسکت حتی نزلت الآیۃ"

یہاں تصریح ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ایسا مسئلہ آتا جس کے متعلق خدا کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا ہو تو آپ خاموش رہتے یا لاعلمی کا اظہار فرماتے جب تک وحی کا نزول نہ ہو مگر قیاس یا رائے سے فتویٰ نہیں دیتے تو پھر دوسرے مفتیوں یا علماء کو کیا حق ہے کہ قیاس کریں بلکہ منصوص میں تلاش کرتے رہیں۔ جب تک نہ ملے خاموش رہیں یا لاادری کہہ کر معذرت کر دیں۔ یہاں امام مالکؒ کا قول نقل کرنا مناسب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام المرسلین وسید العالمین یسئل عن الشیٔ فلا یجیب حتی یأتیہ الوحی من السماء (الاحکام ص۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے امام اور سب جہان والوں کے سردار ہونے کے باوجود کسی مسئلہ میں جواب نہیں دیتے تھے، جب تک آسمان سے وحی نہ آئے۔

۴۔ "باب تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمتہ من الرجال والنساء بما علمہ اللہ لیس برائی ولا تمثیل"

یہاں بھی صاف بیان ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم محض وحی کے آئے ہوئے علم کے ماتحت بھی جو کہ نص ہے نہ کہ اپنی رائے سے یا محض مثالوں سے بتاتے تھے۔ جیسے ظاہر ہے کہ اس باب (باب من شبہ اصلا معلوما الخ) سے مراد وہ مسئلہ ہے جو اللہ کی طرف سے بیان کیا ہوا ہو لیکن اس کے سمجھانے کے لیے تمثیل دیتے تھے۔ نہ کہ مثال کو اصل بنا کر اس پر تفریع کرتے تھے معاذ اللہ!

۵۔ "باب ما جاء فی اجتہاد القضاۃ بما أنزل اللہ تعالیٰ لقولہ تعالیٰ ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک هم الظالمون ومدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب الحکمۃ حین یقضی بها ویعلمها ولا یتکلف من قبلہ ومشاورۃ الخلفاء وسؤالہ أهل العلم"

اس باب سے سفیان بن عیینہ کے سابق قول کی وضاحت ہو گئی کہ اجتہاد الرای سے مراد اہل علم سے مشورہ کرنا ہے تاکہ کہیں نہ کہیں دلیل مل جائے اور اس باب میں امام بخاریؒ نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق آپ کو نص معلوم نہ تھی تو صحابہ رضؓ سے پوچھا کہ

أيكم سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص۱۰۸۵ ج ۲ مصری)

اس مسئلہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے آپ میں سے کچھ سنا ہے۔

چنانچہ بتانے کے بعد اسی کے مطابق حکم نافذ فرمایا۔ ان اثر سے امیر عمر رض ہزار بار اعلم والفقہ تھے مگر بوجہ عدم اطلاع علی النص قیاس نہیں کیا بلکہ دوسرے صحابہ رض سے مشورہ کرکے نص معلوم کی۔ پس یہی طریقہ حق معلوم کرنے کا ہے۔

۶۔ باب قول اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئی"

جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اختیار نہیں تو دوسروں کو اپنی رائے یا قیاس استعمال کرنے کا کیا حق ہے۔

۷۔ "باب الاحکام التی تعرف بالدلائل وکیف معنی دلالۃ التفسیر وقد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الخیل وغیرہ ثم سئل عن الحمر فدلهم علی قولہ تعالےٰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ" الخ۔

یہاں یہ بیان کیا ہے کہ مسائل عمومات میں داخل ہیں ان سے لیے جائیں۔ قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ الغرض یہ ابواب خود بتاتے ہیں کہ امام بخاری رح قیاس کو ثابت کرتا ہے، یا رد کرتا ہے؟ سابقًا نیز الفاظ، وقد بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکمهما" پر غور کریں اور بعض نسخوں میں ہے کہ بین اللہ تعالیٰ" کما فی فتح الباری ص۲۸۲ ج ۱۳ اور ضمیر تثنیہ جو اصل معلوم اور اصل بین کی طرف راجع ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جس کا مطلب صاف ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ خاص طرح واؤ حالیہ تو اس کو اور صاف کر دیتا ہے۔ پس یہ تو منصوص مسائل کا ذکر ہے۔ جن کی تفہیم و مزید تبیین ہے اور نہ قیاس نہ غیر منصوص میں منصوص کا حکم جاری کرتا ہے۔

فافہم۔

قولہ ص۲۴۴ س۲ " حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں فرماتے ہیں اول من انکر القیاس "۔ الخ

اقول: یہاں بھی دھوکے سے کام لیا گیا ہے۔ اس لیے یہ کلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا اپنا نہیں ہے بلکہ ابن بطال سے نقل کیا ہے اور اس کی پھر تردید میں نقل فرماتے ہیں کہ

وتعقب بعضهم الاولية التى ادعا ابن بطال بان انكار القياس ثبت عن ابن مسعود من الصحابة ومن التابعين عن عامر الشعبى من فقهاء الكوفة وعن محمد بن سيرين من فقهاء البصرة (فتح البارى ص۲۴۲ ج ۱۳)

بعض اہل علم نے ابن بطال کے اس دعوی (قیاس کا انکار سب سے پہلے ابراہیم نظام وغیرہ نے کیا ہے) کو رد کرتے ہوئے کہا کہ حالانکہ قیاس کا انکار اس سے پہلے صحابہؓ میں سے ابن مسعودؓ اور تابعینؒ میں سے کوفہ کے فقیہ شعبی اور بصرہ کے فقیہ محمد بن سیرین نے بھی کیا ہے۔

اور پھر اس عبارت سے آگے فرماتے ہیں کہ وذالك مشهور عنهم یعنی قیاس کا انکار صحابہؓ اور تابعینؒ سے مشہور ہے بلکہ حافظ صاحب اپنا نظریہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

والمذهب المعتدل ما قاله الشافعى ان القياس مشروع عند الضرورة لا انه اصل برأسه (فتح البارى ص۲۴۳ ج ۱۳)

درمیانہ مذہب وہی ہے جو امام شافعیؒ نے کہا کہ قیاس بوقتِ ضرورت مشروع ہے نہ کہ وہ بذاتِ خود کوئی اصل ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ قیاس اصول شرعیہ میں سے نہیں ہے اور اس کی مشروعیت ضرورت سے مشروط ہے۔ اور ضرورت کا معنی ہے کہ نص نہ ملے سو اس سے سہل یہ طریقہ ہے کہ

نص کی تلاش جاری رکھے جیسا کہ امیر عمرؓ نے کیا یا سفیان بن عیینہ نے کہا گویا کہ حافظ عسقلانی بھی قیاس کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔

قولہ ص۱۱۲ "وانشد ابن عبد البر لابی محمد الیزیدی النحوی المنقری المشہور بروایۃ عمرو ابن العلاء من ابیات طویلۃ فی اثبات القیاس" الخ

اقول:۔ جامع بیان العلم وفضلہ ص۶۸/۶۷ ج ۲ میں یہ اشعار اس سند کے ساتھ مذکور ہیں۔

"قال ابو محمد الیزدی فی القیاس و ذالک فیما حدث بہ شیخنا ابو الاصبغ عیسیٰ بن سعید ابن سعدان قال حدثنا ابو الحسن بن مقسم قال حدثنا ابو الحسن بن المنادی قال انشدنی ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن علی بن محمد بن علی بن عبد العزیز العمری الموصلی خال ابی علی البیاضی الہاشمی قال انشدت لابی محمد الیزیدی فذکرہ"

اور ابو الحسن بن مقسم متکلم فیہ ہے۔ کما فی المیزان ص۲۲ ج ۳۔ اگرچہ خطیب نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی قراءۃ میں تحریف کی بدعت بھی نقل کی ہے اور باوجود (توبہ) کے اس پر مصر رہا (تاریخ بغداد ص۲۰۷ ج ۲) نیز ابو عبد الرحمٰن العمری الموصلی کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا پس یہ سند قابلِ اعتماد نہیں نہ معلوم یہ اشعار کس کے ہیں۔ ثانیاً اشعار کوئی سند نہیں۔

"والشعراء یتبعھم الغاوٗن" (الشعراء ع ۱۱ پ ۱۹)

ثالثاً ان اشعار میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ مردود ہے چنانچہ شعر نمبر ۷ میں وہی معاذ کی روایت اجتہد برائی کا ذکر ہے وہ غیر صحیح ہے۔ کما تقدم شعر ۱۸، ۱۹ میں امیر عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، حالانکہ وہ ان سے ثابت نہیں۔ امام ابن حزم نے اس کو دو سندوں سے ذکر

کیا ہے۔

"حدثنا احمد بن عمر العذری ثنا ابوذر عبد بن احمد الھروی ثنا ابوسعید الخلیل بن احمد القاضی السجستانی ثنا یحیٰی محمد بن صاعد ثنا یوسف بن موسیٰ القطان ثنا عبید اللہ بن موسیٰ ثنا عبد الملک بن الولید بن معدان عن ابیہ قال کتب عمر بن الخطاب فذکرہ وحدثنا احمد بن عمر ثنا عبد الرحمٰن بن الحسن الشافعی ثنا القاضی احمد بن محمد الکرجی ثنا محمد بن عبد اللہ العلاف ثنا احمد بن علی ابن محمد الوراق ثنا عبد اللہ بن سعد ثنا ابوعبد اللہ محمد بن یحیٰی بن ابی عمر العدنی ثنا سفیان عن ادریس یزید الاودی عن سعید بن بردۃ بن ابی موسیٰ الاشعری عن ابیہ قال کتب عمر بن الخطاب فذکرہ"

پھر امام ابن حزم دونوں سندوں کے لیے بطور فیصلہ فرماتے ہیں کہ

وھذا لا یصح لان السند الاول فیہ عبد الملک بن الولید ابن معدان متروک الحدیث ساقط بلا خلاف وابوہ مجھول واما السند الثانی فمن بین الکرجی الی سفیان مجھولون وھو ایضا منقطع فبطل القول بہ جملۃ (الاحکام ص۱۰۰۲ ج۷)

یہ روایت صحیح نہیں پہلی سند میں عبد الملک جو کہ متروک (متہم بالکذب) اور بلا خلاف اعتبار سے گرا ہوا ہے اور اس کا باپ ولید مجہول ہے اور دوسری میں کرجی اور سفیان کے درمیان چاروں راوی مجہول ہیں نیز سند منقطع بھی ہے پس اس کو لینا ہر لحاظ سے باطل ہے۔

ناظرین! پہلی سند کے متعلق جو امام ابن حزم نے عبد الملک اور اس کے باپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو امام ذہبیؒ نے بھی میزان ص۲۷۶ ج۲ میں تسلیم کیا ہے اور ساتھ یہ کہا ہے کہ ولید اس روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہے اور تہذیب ص۴۲۹ ج۶ میں بھی عبد الملکؒ کے متعلق

ابن حزم کا قول نقل کیا ہے اور ائمۂ جرح و تعدیل ابی حاتم بخاری نسائی ابن عدی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے اور رازی سے اس کا منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے اور ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ

یقلب الاسانید لا یحل الاحتجاج به

یہ شخص سندیں بدل دیتا ہے اس کی روایت سے دلیل لینا حرام ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کے باپ ولید کو ابن حبان نے ثقات طبقہ تابعین میں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب اس طرح ہے۔ اول ابن حبان کی یہ شرط نہیں کہ وہ کتاب الثقات میں مجاہیل کو ذکر نہیں کرے گا بلکہ کئی مجہول راویوں کو ذکر کر دیتا ہے۔ دیکھو مقدمہ لسان المیزان اور جلد اول کی آخر۔ دوم حافظ ذہبی نے اس کی جہالت اور ساقط ہونے کو بحال رکھا ہے۔ ثابت ہوا کہ جہالت مرتفع نہیں ہوئی۔ سوم ابن حبان نے اس کے ترجمہ میں یوں کہا ہے کہ

یعتبر من حدیثه ما لم یروه عنه ابنه (ثقات ابن حبان ج ا)

اس کی وہ روایت معتبر ہے جس میں اس سے اس کا بیٹا راوی نہ ہو۔

اور فیما نحن فیه اس کا بیٹا عبدالملک اس سے روایت کرتا ہے لہٰذا بقول ابن حبان بھی وہ اس روایت میں قابلِ اعتبار نہیں۔ چہارم "یعتبر به" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس کی روایت اگرچہ من غیر طریق ابنه عنه ہو پھر بھی احتجاجاً قابلِ قبول نہیں بلکہ شواہد میں لی جائے گی۔ سو یہاں اس کا کوئی صحیح شاہد نہیں ہے۔ لہٰذا مردود ہے اور دوسری سند میں محمد بن یحیی العدنی کا ترجمہ تقریب و تہذیب میں مذکور ہے اس کی ائمہ نے توثیق کی ہے مگر ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ

کان رجلا صالحا و کان به غفلة و رأیت عنده حدیثا موضوعا

حدث به عنه ابن عیینة وکان صدوقاً تہذیب ص۱۹ ج ۱)

یہ شخص صالح تھا لیکن اس میں غفلت کی بیماری تھی میں نے اس کے پاس ایک موضوع روایت دیکھی جس کو سفیان بن عیینہ نے اس سے روایت کیا اور وہ بذاتِ خود سچا تھا جس کا مطلب کہ اس کی روایت بھی محتاج تحقیق ہے کہیں غفلت کی وجہ سے کوئی جھوٹی روایت ان کی روایتوں میں مل نہ گئی ہو اور باقی تین راوی مجاہیل ہیں۔ ان کے حال کا پتا کہیں نہیں لگتا۔

الحاصل:۔ یہ روایت بھی غیر معتبر ہے بلکہ امیر عمرؓ سے تو قیاس کی تردید پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ باقی ان اشعار کو دلیل نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔

قولہ ص۴۳ سطر۱۷ "رائے محمود اور رائے مذموم کو حافظ ابن قیم رحمہ نے اعلام الموقعین میں نہایت تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود اور ایک مذموم" الخ

اقول:۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس رائے کو بھی مذموم میں شمار کیا ہے جس کی نصوص میں شہادت نہ ملتی ہو اور منصوص مسائل کے لیے قیاس آپ بھی غیر ضروری جانتے ہیں۔ اب دوسرے مسائل اگر ان میں قیاس نصوص سے مؤید ہے تو وہ اتباع النص ہوا اور قیاس بلافائدہ اور اگر مؤید نہیں تو وہ مذموم رائے میں شمار ہو گا۔ نیز ابن قیمؒ نے استحسان کو بھی رائے مذموم میں شمار کیا ہے۔ دیکھو اعلام ص۶۹ ج ۱ کیا اس کو بھی مانیں گے یا نہیں؟ استحسان کے باطل ہونے کے قائل ہوں گے؟

قولہ ص۴۳ س۱۹ "محمود وہ ہے کہ جو اصول اور قواعد کے مطابق ہو اور کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو"

اقول:۔ کتاب و سنت اور اجماع دلائل ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ان کا اتباع دلیل کا

اتباع ہے نہ قیاس کا۔

قولہ ص۲۴۴ س۱: "اور مذموم وہ ہے جو نصوص کے خلاف ہو یا محض ظن اور تخمین پر مبنی ہو"

اقول: جس مسئلہ میں بوجہ قصور علمی نص نہیں ملتی اس میں قیاس کرنا خود ظن و تخمین ہے کیا خبر یہ نص کے موافق ہوگا یا مخالف۔ الحمدللہ آپ ہی کے فیصلہ سے ثابت ہو گیا کہ قیاس مذموم رائے میں شمار ہے۔

قولہ ص۲۴۴ س۲: "جن احادیث اور آثار صحابہؓ میں رائے کی مذمت آئی ہے" الخ

اقول: اس میں قیاس ہے۔ کما ذکر اور محمود رائے بقول شما وہ ہے جو نصوص سے مؤید ہے۔

قولہ ص۲۴۴ س۵: "حافظ ابن قیمؒ دونوں قسم کی روایتیں تفصیل کے ساتھ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:۔ ولا تعارض بحمد اللہ" الخ

اقول: یہی تطبیق قیاس کو رد کرتی ہے اور وہ مذموم رائے میں شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ گذرا۔

قولہ: ص۲۴۴ س۱۰: "اسی طرح حافظ موصوف نے اعلام الموقعین اور حافظ ابن تیمیہؒ نے کتاب القیاس فی الشرع الاسلامی میں قیاس کی دو قسمیں بیان کی ہیں" الخ

اقول: لیکن اس کا معیار نص ہے اور جو اس سے مؤید نہیں اس کو ابن قیمؒ مذموم شمار کرتا ہے اور جو مؤید بالنص ہے وہ کوئی چیز نہیں کیونکہ نص بذات خود متبوع اور مستغنی عن الغیر ہے۔ بلکہ ابن قیمؒ نے تو صاف لکھا ہے کہ

إن الرأي نوعان أحدهما رأي مجرد لا دليل عليه بل هو خرص وتخمين فهذا الذي أعاذ الله الصديق والصحابة منه والثاني رأي مستند إلى إستدلال وإستنباط من النص وحده أو من نص آخر معه (الاعلام ص۸۳ ج ۱)

رائے دو قسم کی ہے ایک خالی رائے جس پر کوئی دلیل نہ ہو صرف ظن اور تخمین ہو۔ ایسی رائے سے اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو پناہ دے۔
دوسری قسم وہ رائے ہے جس پر دلیل ایک نص ہو یا دوسری نص اس کے ساتھ ملا کر استنباط کی گئی ہو۔

ناظرین! غور کریں کہ جس قیاس ورائے پر نص شاہد ہے وہ محمود اور جس پر نص شاہد نہیں وہ محمود نہیں۔ مذموم۔ یہ تو نص کا اتباع ہے نہ قیاس کا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قیاس بذات خود دلیل نہیں بلکہ اس کی صحت کا معیار خود نص ہے۔ لہٰذا نص دیکھے بغیر قیاس پر اعتبار نہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ مسائل سب منصوص ہیں اور دلیل اسی طرح منصوص اور غیر منصوص کی تقسیم بھی غلط ہوئی۔
والحمد للہ اور امام ابن تیمیہؒ قیاس فاسد میں استحسان کو بھی شمار کرتے ہیں۔ دیکھو نقض المنطق ص۱۲ اور ص۱۴۴ میں فرماتے ہیں کہ

والدين ما شرعه الله ورسوله وقد بين أصوله وفروعه ومن المحال أن يكون الرسول قد بين فروع الدين دون أصوله۔

دین وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقرر کیا ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کے اصول اور فروع سب بیان کر دیئے ہیں اور نا ممکن ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کے فروعات تو بتائے ہوں لیکن اصول نہیں۔

بلکہ اس مسئلہ کے متعلق امام موصوف نے مستقل رسالہ بنام "معارج الوصول الی معرفة ان اصول الدین و الفروع حق بینها الرسول" تصنیف کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

واما العمليات وما تسميه ناس الفروع والشرع والفقه فهذا

قد بينه الرسول أحسن بيان فما شئ مما أمر الله به أو نهى عنه أو حل له أو حرمه إلا بين ذالك (ص۱۹)

اعمال اور جس کو لوگ فروعی یا شرعی یا فقہی مسائل کہتے ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح بیان کردیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالے نے حکم دیا یا منع کیا یا حلال یا حرام فرمایا سب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان کر دیئے۔

پھر فرماتے ہیں:

وان الكتاب والسنة وافيان بجميع أمور الدين (ص۲)

قرآن وحدیث میں سب مسائل پورے آگئے ہیں۔

جب مسائل مبین اور منصوص ہیں تو پھر قیاس کی ضرورت نہیں رہی۔ صرف یہ ہے کہ جہاں نص نہیں ملتی وہاں عالم کا قصور ہے نہ قرآن وحدیث کا بس تلاش کرتا رہے آخر نص مل ہی جائے گی، ان شاء اللہ اور قیاس صحیح کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ

وكذالك القياس الصحيح حق يوافق الكتاب والسنة (معارج الوصول ص۱۶)

قیاس صحیح حق ہے وہ قرآن وحدیث کے موافق ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق صحیح قیاس کتاب سنت کے موافق ہوتا ہے اور مخالف فاسد یہ تقسیم بتاتی ہے کہ جب نص معلوم نہیں تو کیا خبر کہ یہ قیاس اس کے موافق ہے یا مخالف؟ پس پہلے نص کا وجود لازمی ہے اور جب نص مل گئی تو قیاس سے استغنا ہوگیا نہایتہ وہ تفہیم اور مزید تائید ہوگی۔

قولہ ص۴۴ س۱۶ اور جو رائے اور قیاس کتاب وسنت اور اجماع امت سے مستفاد ہو

اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو وہ محمود ہے۔"

اقول:۔ اس کے معنی کہ جس مسئلہ میں ہم قیاس کریں پہلے اس کے لیے قرآن وحدیث یا اجماع کا ہونا ضروری ہے ورنہ نہیں اسی طرح قیاس دلیل نہیں رہا۔

قولہ صـ۲۲ سـ۱۷ " اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب صحیح قیاس کی حجیت کے لیے منعقد کیا جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔"

اقول: اس کا جواب بھی ہم مفصل دے چکے ہیں نیز اس میں صحیح وغیر صحیح کی تقسیم کہاں ہے؟۔

قولہ صـ۲۴ سـ۱۹ " اور ایک باب رائے مذموم اور قیاس فاسد کی تحذیر میں" الخ

اقول:۔ یہ تقسیم و تفصیل وہاں مذکور نہیں بلکہ آپ کی تخریج ہے نیز یہی ایک باب نہیں اور کئی ابواب ہیں جو کہ ہم نے ذکر کیے۔

قولہ صـ۲۵ سـ۳ " حافظ ابنِ حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔" ما یذکر من ذم الرأی الخ

اقول:۔ اس عبارت کی خود آپ نے یہ تشریح کی ہے کہ " حاصل کلام یہ کہ جن آیات اور احادیث میں عمل بالرائی کی مذمت آئی ہے۔"

"اس سے وہ رائے مراد ہے جو کہ محض انہی کی رائے ہو اور اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔"

اور جس پر دلیل ہے تو وہ ہی متبوع و ماخوذ ہوگا ثابت ہوا کہ قیاس و رائے دلیل نہیں بلکہ دلیل قرآن وحدیث ہے۔ پھر آپ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اور اسی طرح حدیث میں اس شخص کی مذمت آئی ہے جو بلا علم اور بلا تحقیق فتوے دے۔"

"دے اور خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کرے اور جو لوگ کتاب و سنت سے

صحیح استنباط کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم میں ان کی مدح فرمائی ہے۔

مقام غور ہے کہ علم ہوا ور علم بالقرآن والسنۃ مراد ہے کیونکہ اگر قرآن وحدیث معلوم نہیں تو قیاس کے صحیح یا فاسد ہونے کا کیا پتا لگے گا۔ ثانیاً مطلب یہ کہ قیاس حجت نہیں اور جب تک کسی مسئلہ میں نص نہ ہو قیاس نہیں ہو سکتا اور یہ مقتضی ہے اس کا کہ سب مسائل منصوص ہوں اور منصوص مسائل اور غیر منصوص کی تقسیم عبث ہوئی۔ ثالثاً تحقیق کرے اور اس میں اجتہاد کی ترغیب ہے اور وہ اب بھی جاری ہے نیز ثابت ہوا کہ مقلد کو فتویٰ دینے کا حق نہیں کیونکہ تحقیق مجتہد کا کام ہے اور تحقیق و تقلید دو الگ چیزیں ہیں جیسا کہ ابتداء کتاب میں گذرا۔ رابعاً کتاب و سنت سے صحیح استنباط کا کوئی منکر نہیں۔ انکار صرف تقلید کا ہے جو کہ مذموم ہے اور قیاس دلیل نہیں کیونکہ اس سے کسی مسئلہ کی تصحیح نہیں ہو سکتی بلکہ قیاس خود تصحیح کا محتاج ہے۔

الحاصل :۔ آپ ہی کی عبارت سے کام تمام ہوا۔ ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں   زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

اور اسی عبارت عربیہ میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ

فالرأی اذا کان مستندا الی اصل من الکتاب او السنۃ او الاجماع فھو محمود و اذا کان لا یستند الی شئ منہا فھو المذموم۔

محمود قیاس وہ ہے جو قرآن یا حدیث یا اجماع میں سے کسی سے مستند ہو جو ایسا نہیں وہ مذموم ہے۔

پس یہی معیار خود بتاتا ہے کہ قیاس خود محتاج تحقیق ہے چہ جائیکہ اس سے کسی مسئلہ کی تحقیق کی جائے نیز اس کو مقتضی ہے کہ سب مسائل ان تینوں (قرآن حدیث اجماع) سے باہر ہوں۔

ورنہ قیاس محمود اور مذموم کا فرق نہیں معلوم ہو سکے گا اور بوجہ مشتبہہ ہونے کے مردود رہے گا۔

قولہ صـ۱۶۹ سـ۱۲ افسوس کہ حضرات اہل حدیث حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں سے رائے مذموم کے بارے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے جو اقوال ہیں ان کو نقل کر دیتے ہیں" الخ

اقول: خیانت کا الزام غلط ہے جو اثبات کے بارہ میں اقوال مذکور ہیں وہ اکثر سب سنداً ضعیف ہیں بعض رائے کے جواز میں صریح نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ اکثر ان کو نقل کر کے ان کی تعلیل بھی کر دیتے ہیں۔ ثانیاً جن اقوال سلف کو وہ رائے و قیاس کی تردید میں نقل کرتے ہیں وہ استدلال نہیں بلکہ استشہاداً لاتے ہیں۔ ان کا دراصل استدلال آیات قرآنیہ و احادیث موئیہ سے ہے۔ ان دونوں میں رائے کی مذمت ہے۔ کما مضی اور یہ اقوال ان کی تائید کے لیے ہیں۔ باقی رائے کے اثبات میں جو اقوال مروی ہیں اگر ان کو صحیح بھی مانا جائے تو بھی ان کے لیے کوئی اصل (قرآن و حدیث سے ثبوت) نہیں ملتی۔ لہٰذا ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ علی الاطلاق حجت نہیں۔ حجت اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے اور ان کے بعد اجماع اگر پایا جائے تو ہو سکتا ہے لیکن رائے و قیاس پر صحابہؓ یا تابعین کا اجماع کبھی بھی ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ کما لا یخفی علی اولی النہی۔

نیز امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

من ادعی ان من المسائل ما لم یتکلم فیہا احد منہم الا بالرای والقیاس فقد غلط بل کان کل منہم یتکلم بحسب ما عندہ من العلم۔

"جس نے یہ دعویٰ کیا کہ بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں صحابہؓ نے صرف رائے و قیاس

کیا تو غلطی کی بلکہ ہر ایک نے اپنی معلومات کے مطابق کلام کیا۔ (معارج الوصول ص۱۳)

معلوم ہوا کہ صحابہؓ صرف قیاس سے استدلال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حسب استعداد قرآن و حدیث سے مسائل لیتے تھے اور اہی کو وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ بعض مسائل قرآن و حدیث میں نہیں ہیں۔ اب وہ قیاس سے لئے جائیں گے اور یہ عقیدہ محدث ہوا کہ غیر منصوص مسائل پر قیاس کریں۔ نیز ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

وھذا کقولھم ان اکثر الحوادث یحتاج فیھا الی القیاس لعدم دلالۃ النصوص علیھا فانما ھذا قول من لا معرفۃ لہ بالکتاب و السنۃ ودلالتھما علی الاحکام (معارج ص۱۷)

اور بعض کا یہ کہنا کہ اکثر نئے مسائل ایسے ہیں جن پر نصوص دلالت نہیں کرتیں اس لیئے ان مسائل میں قیاس کی حاجت ہے۔ ایسا وہی کہہ سکتا ہے جس کو نہ قرآن و حدیث کی معرفت ہے اور نہ وہ احکام پر ان کی دلالت کو جانتا ہے۔

سچ ہے کہ قیاس متکاسلین کا وظیفہ ہے جو کہ نصوص کی تلاش کی زحمت گوارا کرنے کے بجائے قیاس کرنے پر قناعت کرتے ہیں۔ ورنہ مسائل سب منصوصہ ہیں۔ ایضاً اہل حدیث کا یہ اصول صحیح ہے کہ مسائل اصول سے لیے جائیں۔ قیاس کوئی اصل نہیں۔ جبکہ اس کی خامیاں نکال کرتا تے ہیں اور جہاں کہیں نصوص مل جاتی ہیں تو اس کے بعد اگر تفہیم کی ضرورت ہو تو مثال وغیرہ پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ امام بخاری کے باب من شبہ اصلا معلوما الخ کی بحث میں گذرا۔

امام ابن تیمیہؒ اہل حدیث کی شان یوں بیان کرتے ہیں کہ

من المعلوم ان اھل الحدیث یشارکون کل طائفۃ فیما ینتحلون بہ من صفات الکمال ویمتازون عنھم مما لیس عندھم

فان المنازع لهم لابد ان یذکر فیما یخالفهم فیه طریقا اخریٰ مثل المعقول والقیاس والرای والکلام والنظر والاستدال والمحاجة والمجادلة والمکاشفة والمخاطبة والوجد والذوق ونحو ذالک و کل هذه الطرق لاهل الحدیث صفوتها وخلاصتها فیهم اکمل الناس عقلا واعدلهم قیاسا واصوبهم رایا واسدهم کلاما واصحهم نظرا واهداهم استدلالا واقومهم جدلا واتمهم فراسة واصدقهم الهاما واحدهم بصرا ومکاشفة واصوبهم سمعا ومخاطبة واعظمهم واحسنهم وجدا وذوقا وهذا هو للمسلمین بالنسبة الی سائر الامم ولاهل السنة والحدیث بالنسبة الی سائر الملل (نقض المنطق لابن تیمیہ ص۸)

دوسرے فرقے جن جن چیزوں میں کمال رکھتے ہیں اہل حدیث کو ان سب میں وہ امتیازی شان حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں کیونکہ ان سے لڑنے والے ان دوسرے طریقے سے پیش آتے ہیں (جو ان کی دلیل ہے یعنی قرآن وحدیث اس سے نہیں بلکہ) مثلاً عقل قیاس رائے کلام نظر استدلال مناظرہ مجادلہ مکاشفہ مخاطبہ وجد اور ذوق ایسی اور چیزیں اور اہل حدیث کو ان چیزوں کی معلومات میں بھی امتیازی شان حاصل ہے اور وہی سب لوگوں سے عقل میں زیادہ کمال رکھنے والے قیاس میں عدل کرنے والے (کیونکہ اگر نص موجود ہوگی تو فہماور نیز ایسے کو فاسد ثابت کر دیں گے اور پاش پاش کر دیں گے) اور رائے میں زیادہ مصیب (کیونکہ ان کی رائے نص سے ماخوذ ہوتی ہے) اور کلام میں مضبوط، نظر میں

صحیح استدلال میں ہدایت والے جدل میں قائم فراست میں پورے، الہام میں سچے بصارت و مکاشفہ میں تیز سمع و خطاب میں باصواب، وجد و ذوق میں بلند اور بہتر یہ حال جس طرح مسلمانوں کا بنسبت دوسری امتوں کے ہے اسی طرح اہل حدیث کا بنسبت دوسرے فرقوں کے ہے۔

بلکہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

ان کل من زعم بلسان حالہ ومقالہ ان طائفۃ غیر اہل الحدیث ادرکوا من حقائق الامور الباطنیۃ فی امر الخلق والبعث والمبدء والمعاد وامر الایمان باللہ والیوم الآخر وتعرف واجب الوجود والنفس الناطقۃ والعلوم والاخلاق التی تتزکی بہا النفوس وتصلح و تکمل دون اہل الحدیث فہو ان کان من المؤمنین بالرسل فہو جاہل فیہ شعبۃ قویۃ من شعب النفاق والا فہو منافق خالص (نقض المنطق ص۱۱)

جو بھی شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ امور خلق و بعث و مبدا و معاد اور اللہ و آخرت پر ایمان واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت اور نفس ناطقہ علوم و اخلاق جس سے نفس کا تزکیہ اور اصلاح و تکمیل ہوتی ہے۔ ان میں اہل حدیث کے علاوہ کوئی اور فرقہ ان کے حقائق غیبیہ تک پہنچا ہے جہاں اہل حدیث نہیں پہنچے تو وہ شخص اگر اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہے تو بھی جاہل ہے اور اس میں نفاق کا ایک پختہ شعبہ ہے اور اگر ایمان نہیں تو پھر پکا منافق ہے۔

قولہ ص۱۶ س۲۱ ”کیا وہ خود امام احمد بن حنبل رح کے مقلد نہیں“ الخ

اقول :۔ حافظ ابن قیمؒ نے تو اعلام الموقعین میں کئی اوراق تقلید کی تردید میں صرف کیے ہیں، ذیل میں ہم چند اقتباسات ذکر کرتے ہیں :

۱۔ اہلِ علم کا اجماع ہے کہ مقلد علماء میں شمار نہیں ہوتا ہے ص۷ ج ۱

۲۔ تقلید علم نہیں ہے۔ مقلد کو عالم کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے اور فتویٰ با تقلید حرام ہے ص۴۵ ج ۱۔

۳۔ تقلید دین میں جرأت عظیمہ ہے ص۲۵۶ ج ۱۔

۴۔ انصاف پسند علم کو تقلید سے زیادہ پسند کرے گا ص۲۸۱ ج ۱

۵۔ مقلد ہدایت پر نہیں ہو سکتا ہے ص۱۷۱ ج ۲۔

۶۔ تقلید و اتباع میں فرق ہے اور تقلید بلا دلیل ہوتی ہے اور قرآن کریم میں کئی جگہ تقلید کی مذمت وارد ہے ص۱۷۱ ج ۱۔

۷۔ حدیث کے جمع کرنے والے سب تقلید کو فاسد کہتے ہیں اور علماء کے پاؤں پھسلنے کا یہی باعث ہے ص۱۷۳ ج ۲۔ اور اسی اثنا میں بعض سلف مثلاً معاذ ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم سے تقلید کی تردید نقل کرتے ہیں اور ساتھ دلائل عقلیہ سے بھی تقلید کو باطل کرتے ہیں۔

۸۔ مقلد اور بہیمہ میں کوئی فرق نہیں ص۳ ج ۲

۹۔ تقلید کے فاسد ہونے پر ائمہ کا اختلاف نہیں ہے ص۱۵۸ ج ۲۔

۱۰۔ چار اماموں نے تقلید سے منع کیا ہے اور بغیر دلیل کسی کی بات لینے کی مذمت کی ہے ص۱۸۱ ج ۲ پھر ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۱۔ مقلد اور صاحب حجت کا دلچسپ مناظرہ نقل کرتے ہیں ص۱۸۲ ج ۲۔ اور اسی اثنا میں یہ

باتیں آتی ہیں۔

۱۲۔ قرآن اور حدیث سے استدلال کرنا مقلد کا منصب نہیں ص۱۸۷ ج ۲

۱۳۔ مقلدین اپنے اماموں کے بھی خلاف ہیں کیونکہ انھوں نے تقلید سے منع کیا ہے اور یہ ان کے خلاف کرتے ہیں ص۱۸۸ ج ۲۔

۱۴۔ صحابہؓ یا تابعین کے زمانہ میں کوئی مقلد نہ تھا اور یہ بدعت چوتھی صدی جو مذموم ہے اس میں نکلی ہے اور مقلدین بلاعلم اشیاء کو حلال و حرام کرتے پھرتے ہیں ص۱۸۹ ج ۲

۱۵۔ مقلدین وہ روایت لیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف نہ ہو اور اس کی صحت و سقم کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ایک ہی حدیث میں جو ٹکڑا موافق ہو لیتے ہیں اور جو مخالف ہو اس کو ترک کرتے ہیں ص۱۹۶ ج ۲۔ پھر اس کی مثال ذکر کرتے ہیں۔

۱۶۔ اللہ تعالےٰ نے ہم کو تقلید کے لیے مجبور نہیں کیا اگر کرتا تو ہمارے سارے کام بگڑ جاتے اور ہم بڑے فساد میں پڑ جاتے بلکہ ہر ایک کو حسب طاقت اجتہاد کا حکم ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ اصلاح اجتہاد میں ہے اور تقلید سے فساد اور زیادہ ہوتا ہے ص۲۳۷ ج ۲۔

۱۷۔ تقلید کی منع ہم نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لیے کی ہے ص۲۵۰ ج ۲۔ اسی اثناء میں بعض مسائل ایسے ذکر کرتے ہیں جو بعض کبار صحابہؓ پر مخفی رہے۔

۱۸۔ پھر وہ صریح احادیث نقل کرتے ہیں جن کو مقلدین نہیں مانتے۔ ص۲۷۵ ج ۲۔

کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے امام ابن قیم کو مقلد کہا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا بلکہ امام موصوف نے تقلید کے رد میں مستقل کتاب بنام ذم التقلید تصنیف کی ہے۔

اور امام ابن تیمیہؒ کو مقلد کہنا بھی بچند وجوہ غلط ہے:

اول یہ جس نے اس کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ امام موصوف تقلیدی جکڑ سے بہت دور تھے۔

دوم خود امام صاحب نے اپنے مقلد ہونے کا صاف انکار کیا ہے۔ چنانچہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ

ولقد انكر بعض المقلدين على شيخ الاسلام فى تدريسه فى مدرسة ابن الحنبل وهى وقف على الحنابلة والمجتهد ليس منهم فقال انما اتناول ما اتناوله منها على معرفتى بمذهب احمد لا تقليدى له (اعلام الموقعين ص۲۲۲ ج ۲)

"بعض مقلدین نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ابن الحنبلی کے مدرسہ میں درس دینے کو برا سمجھا کیونکہ یہ مدرسہ حنابلہ کے لیے وقف ہے اور مجتہد حنابلہ میں سے نہیں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ حنابلہ کی بعض باتیں اس لیے لیتا ہوں کہ میں امام احمد رحمہ کے مذہب کی بابت اچھی معرفت رکھتا ہوں نہ کہ میں امام احمد رحمہ کا مقلد ہوں۔"

سوم۔ امام صاحب بذات خود حنبلی وغیرہ نسبتوں کے قائل نہیں تھے (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مصنفہ محمد بہجۃ البیطار ص۳۲)

چہارم۔ امام صاحبؒ کا خود بیان ہے کہ

"امام احمد بن حنبلؒ تو کتاب و سنت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو لوگوں تک پہنچانے والوں میں سے ایک فرد ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی

بات کہے جس کی سند اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی سنت میں نہیں ہے تو پھر وہ کسی طرح بھی قبول نہیں کی جا سکتی چاہے وہ امام احمد بن حنبل رحؒ ہی کا کہا ہوا کیوں نہ ہو۔" (امام ابن تیمیہؒ مصنفہ محمد یوسف کوکن عمری ص۲۰۲)

اس تصریح سے عیاں ہوا کہ امام موصوف بالکل آزاد مجتہد تھے۔

پنجم۔ جب آپ کو بوجہ بعض عقائد و مسائل کے تکالیف کا سامنا ہوا تو اس وقت آپ کو کہا گیا کہ

"مخالفین کے دلوں میں اپنی جماعت کا تعصب اتنا ہے کہ بر سرِ عام اپنے مقتداؤں کے اقوال کے خلاف کسی دلیل کو بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہوں گے اس لیے اگر امام موصوف یہ مان جائیں کہ انھوں نے امام احمد بن حنبل رحؒ اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ لکھا ہے تو مخالفین کی مخالفت ختم ہو جائے گی اور مسلمان بھی اس کشمکش اور فتنہ و فساد سے جو اس وقت انہیں ہیجان میں ڈالے ہوئے ہے نجات پا جائیں گے۔ اور اس طرح تمام علماء کی عزت بھی باقی رہ جائے گی۔ امام ابن تیمیہؒ نے کہا اللہ کی قسم عقائد اور اعمال و افعال کے معاملہ میں امام احمد بن حنبل کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ میں نے درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ اور تابعین اور تمام ائمہ اہل حدیث اور علماء سلف کا عقیدہ لکھا ہے۔" (امام ابن تیمیہؒ مصنفہ محمد یوسف کوکن ص۲۱۰)

ششم۔ کئی علماء اور مؤرخین نے آپ کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ مثلاً۔ حافظ ذہبی رحؒ نے تذکرۃ الحفاظ ص۲۷۸ ج۴ طبع ۲ میں اور حافظ ابن کثیر رحؒ نے تاریخ البدایہ والنہایہ۔ (قلمی ص۲۸۰) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے التقریظ علی الرد الوافر ص۵۱ میں اور جلال الدین سیوطیؒ نے

طبقات الحفاظ (قلمی) میں اور ابن العمادی نے شذرات الذہب ص۸۰ ج ۶ میں اور امام شوکانی رح نے البدر الطالع ص۶۳ ج ا میں نواب صدیق حسن خان نے التاج المکلل ص۴۲۶ میں اور شیخ تقی الدین سبکی نے کما فی الدرر الکامنۃ لابن حجر ص۱۵۹ ج ا۔ و التاج المکلل النواب ص۴۲۵ اور شیخ بدر الدین عینی نے حنفی التقریظ علی الرد الوافر ص۸۵ میں عبد الرحمٰن تفہنی المالکی تقریظ ص۸۳ میں۔ صفی الدین بخاری نابلسی حنفی نے القول الجلی ص۲۰ لیس مفتی الحنیفۃ محمد التفلانی تقریظ القول الجلی ص۱۲۷ میں شیخ موسیٰ بن یوسف الحرمی نے الکواکب الدریۃ فی مناقب ابن تیمیہ ص۱۳۸ میں۔ شیخ شہاب الدین احمد بن فضل العمری نے مسالک للابصار میں کما فی الکواکب الدریۃ ص۱۴۲ و التاج المکلل ص۴۱۳ شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن علی البزاز کتاب الا علام العلیۃ میں کما فی الکواکب ط۱۴۹ علامہ عبد الحی لکھنوی حاشیہ النافع الکبیر ص۱۴۲ میں اسی طرح شیخ ابن ناصر الدینؒ الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر" میں بھی آپ کو مجتہد ثابت کیا ہے۔ بلکہ کئی ائمہ سے نقل کیا ہے۔ مثلاً شیخ شمس الدین ابن عبد الہادی شیخ ابن الدین الوانی شیخ ابو المعال ناصر الدین محمد بن طغریل ابن الصیرفی شیخ کمال الدین ابن الزملکانی شیخ ابو العباس احمد بن ابراہیم بن محمود الزبری المقدسی البقاعی شیخ ابو محمد محب الدین عبد اللہ بن احمد بن المحب القدسی الصالحی شیخ ابن رجب البغدادی الدمشقی شیخ صفی الدین ابو الفضائل عبد المؤمن بن عبد الحق البغدادی شیخ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن محمد بن العباس البعلی شیخ کمال الدین ابو حفص عمر بن الیاس بن یونس المراغی امیر کبیر شمس الدین قراسنقر بن عبد اللہ المنصوری ان سب نے شیخ الاسلام کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رح نے الدرر الکامنۃ میں حافظ صلاح الدین العلائی سے بھی ذکر کیا ہے۔

مختصر۔ حافظ ابن حجر رح نے الرد الوافر پہ تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان ائمۃ عصرہ شہدوا لہ بان ادوات الاجتہاد فیہ حتی کان اشد المتعصبین علیہ

والعاملین فی ایصال الشر الیہ وھو الشیخ کمال الدین الزملکانی شھد لہ بذالک وکذالک الشیخ صدر الدین بن الوکیل الذی لم یثبت لمناظرتہ غیرہ اھ۔

اور الردالوافر ص۲۵ میں الزملکانی کا قول مذکور ہے کہ اجتمعت فیہ شروط الاجتہاد علی وجہھا اھ اور علامہ لکھنوی حاشیہ النافع الکبیر ص۱۱ میں لکھتا ہے کہ وکان یحق لہ الاجتہاد لاجتماع الشروط فیہ اھ ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ امام موصوف میں اجتہاد کے سب شرائط موجود تھے۔ اور اس کے ہمعصر ائمہ نے بالخصوص شیخ زملکانی جو کہ آپ کے ساتھ سخت تعصب رکھنے والا اور نقصان پہنچانے میں کوشاں تھا۔ اور شیخ صدرالدین بن وکیل جس کے بغیر آپ کے سامنے کوئی مناظرہ میں ٹھہر نہیں سکتا تھا سب نے آپ کے مجتہد ہونے کی گواہی دی ہے۔ پس ایسے شخص کو تقلید کی کیا ضرورت تھی؟

الغرض ان ہستیوں کو مقلد کہنا کھلی نادانی ہے۔

قولہ ص۲۷ سطر ۱۱ "تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث امام بخاری کو مجتہد بتلائیں اور منکر قیاس بھی" الخ

اقول:۔ اجتہاد قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے کو کہتے ہیں نہ کہ قیاس ورائے کو۔ ابن مسعودؓ ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اسی طرح ابن سیرین شعبی وغیرہ تابعین منکر قیاس تھے۔ کما تقدم۔ کیا وہ بھی مجتہد نہیں تھے؟ آپ ص۹۹ میں داؤد ظاہری کو مجتہد مانتے ہیں حالانکہ وہ بھی قیاس کا منکر تھا۔ جیسا کہ ص۹۶ پر خود تسلیم کرتے ہیں۔ نیز علامہ لکھنوی نے بھی النافع الکبیر ص۱۶ میں امام بخاری کو مجتہد مستقل مانا ہے۔

قولہ ص۲۷ سطر ۱۳ "رائے محمود اور قیاس صحیح کی حجیت پر تمام علماء اہلسنت والجماعۃ کا

اجماع ہے۔"

اقول :۔ اجماع کا دعویٰ غلط کردیا گیا۔ نیز محمود وغیر محمود اور صحیح وغیر صحیح کی تمیز آپ نہ کرسکے۔

قولہ ص۱۲۴ سطر۵ "اور داؤد ظاہری اور ان کے متبعین جن کو فرقہ ظاہری کے نام سے موصوف کیا جاتا ہے کوئی قیاس کا منکر نہیں۔"

اقول :۔ ص۸۶ سطر۱ میں خود فرماتے ہیں کہ

"۲۷۰ھ میں داؤد ظاہری ظاہر ہوئے جنھوں نے سب سے پہلے قیاس کا انکار کیا کچھ لوگ ان کے متبع ہوئے۔"

اب بتائیں کہ ان دو متضاد باتوں میں کون سی سچی اور کون سی جھوٹی ؟

قولہ ص۱۲۴ سطر۸ "امام ابوحنیفہ رم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے دین میں اپنی رائے سے بات کہنے سے بچو اور سنت کا اتباع کرو۔"

اقول :۔ پھر آپ اپنے امام کے خلاف رائے وقیاس کا اتباع کیسے کرتے ہیں اور دوسروں کو ترغیب کیوں دلاتے ہیں۔ نیز امام صاحب کے اس قول سے ظاہر ہوا کہ اتباع سنت اور چیز ہے اور پیروی قیاس ورائے اور والحمدللہ۔

قولہ ص۱۲۴ سطر۱۱ "پس جب امام موصوف یہ فرمارہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے مرتکب ہوں۔"

اقول : آپ ہی کہتے ہیں کہ وہ رائے وقیاس کرتے تھے۔ نیز بقول شما "بھلا جس کے پاس اجتہاد نہ ہو اور نہ وہ صاحب رائے ہو تو مجتہد کیسے ہوسکتا ہے۔" ص۴۲ سطر۲ سے

مشکل بہت پڑیگی برابر کی چوٹ ہے   آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

قولہ ص۱۴۴ سے ۱۴۵ لقب اصحاب الرائی" الخ

اقول: عجیب ہے کہ اس عنوان کے تحت ایک جھوٹی روایت سے استدلال کیا ہے۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ آپ کو اپنی بات ثابت کرنے کے لیے جھوٹی روایتوں کے سوا کوئی سہارا نہیں ملتا ہے۔ یہی ہے جناب تقلید کا نتیجہ کہ صرف کنز العمال کا نام لے لیا اور اصل کتاب طبقات ابن سعد جس کا اس میں حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس کو نہیں دیکھا۔ ورنہ اگر وہاں دیکھتے تو نقل کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ سنو یہ روایت طبقات ابن سعد ص۱۸۵ ج ۲ طبع بیروت میں اس سند کے ساتھ مروی ہے "اخبرنا محمد بن عمر السلمی قال اخبرنا جاریۃ بن ابی عمران عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ ان ابا بکر الصدیق فذکرہ اور ابن سعد کا استاد محمد بن عمر یہ واقدی ہے جو کہ جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور ہے۔

قال زکریا بن یحیی الساجی ... متھم ... وقال البخاری متروک وقال احمد بن حنبل کذاب وقال ابن معین ضعیف وقال مرۃ لیس بشیء .... و قال الشافعی فیما اسندہ البیہقی کتب الواقدی کلھا کذب وقال النسائی الکذابون المعروفون بالکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ الواقدی (وذکر الباقین) نقال ابن عدی احادیثہ غیر محفوظۃ والبلاء منہ وقال ابن المدینی عندہ عشرون الف حدیث یعنی مالھا اصل لیس بھو متم للروایۃ وابراھیم بن ابی یحیی کذاب وھو احسن عندی حالا من الواقدی وقال ابوداؤد ولا اکتب حدیثہ ولا أحدث عنہ ما اشك انہ کان یفتعل الحدیث لیس ننظر للواقدی فی کتاب الا بین امرہ وروی فی فتح الیمن وخبر العنسی احادیث عن الزھری لیست من حدیث الزھری وقال بندار رما رأیت اکذب منہ وقال اسحاق بن راھویہ ھو

عندی ممن یضع وقال ابو العرب عن الشافعی کان بالمدینۃ سبع رجال یضعون الاسانید احدھما الواقدی وقال ابو زرعۃ وابو البشر الدولابی والعقیلی متروک الحدیث.... وحکی ابن الجوزی عن ابی حاتم کان یضع (تہذیب ص۳۶۳، ۳۶۶ ج۹)

زکریا الساجی نے کہا واقدی متہم ہے اور بخاری نے کہا متروک ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے کہا جھوٹا ہے اور ابن معین نے کہا ضعیف ہے کوئی چیز نہیں۔ اور امام شافعی نے کہا کہ واقدی کی سب کتابیں جھوٹ ہیں۔ نسائی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے مشہور چار شخص ہیں جس میں ایک واقدی ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایتیں غیر محفوظ ہیں اور ان کی مصیبت اس کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ابن المدینی نے کہا اس کے پاس بیس ہزار روایتیں بے اصل اور بناوٹی ہیں۔ یہ روایت لینے کا اہل نہیں ۔ابراہیم بن ابی یحییٰ مشہور جھوٹا اس سے کہیں بہتر ہے۔ ابو داؤد نے کہا اس کی روایت میں نہ لکھوں گا نہ لوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ جب اس کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس کا حال ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس نے یمن کی فتح اور اسود عنسی کے متعلق زہری سے روایتیں بیان کیں لیکن وہ زہری کی حدیثیں نہیں۔ محمد بن بشار بندار نے کہا اس سے زیادہ جھوٹا میں نے نہیں دیکھا اسحاق بن راہوؒ نے کہا یہ حدیثیں بنانے والوں میں سے ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا مدینہ میں سات لوگ سندوں کے گھڑنے والے تھے۔ ان میں ایک واقدی ہے اور ابو زرعہ رازی ، دولابی اور عقیلی نے کہا متروک الحدیث (متہم) ہے۔ اور ابو حاتم رازی نے کہا یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

اور شذرات الذہب ص۱۸ ج۲ میں ہے کہ

اجمع الائمۃ علی ترک حدیثہ ۔قال الذھبی فی کتابہ المغنی..... مجمع علی ترکہ.... وقال النسائی یضع الحدیث اھ مختصرا۔

ابن ناصرالدین نے کہا کہ اس کی روایت کو ائمہ نے بالاتفاق ترک کر دیا ہے۔

اور حافظ ذہبیؒ نے المغنی میں کہا کہ اس کے ترک پر اجماع ہے۔ اور نسائی نے کہا حدیثیں گھڑتا ہے۔

اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال ص۱۱۰ ج۳ میں کہتے ہیں کہ

استقر الاجماع علی وھن الواقدی۔ واقدی کے ضعیف و رد کرنے پر اجماع ثابت ہو چکا ہے۔

پس اس روایت کے جھوٹے ہونے میں کیا شبہ باقی رہا ایسے جھوٹے شخص کی روایت کو سند بنانا علماء کو زیبا نہیں۔ نیز واقدی کا استاد جاریہ بن ابی عمران کے متعلق بھی حافظ ذہبی میزان ص۱۹۰ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ مجہول ہے۔ پس یہ روایت باطل ہے۔

قولہ ص۱۳۴ س۱۳ " اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اہل الرای" الخ

اقول:۔ جب یہ روایت ہی جھوٹی ہے تو پھر یہ تقریر بھی بیکار رہی۔

قولہ:۔ ص۱۳۴ س۱۳ " اہل حدیث تو تمام صحابہؓ تھے" الخ

اقول:۔ یہ بات مدلل و ثابت ہے۔ امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ

لو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا ما اجمع علیہ اھل الحدیث (تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص۷۶ ج ۱ طبع ۲)

جو بات مجھے اس وقت خیال میں ہے اگر پہلے ہوتی تو صرف وہی حدیثیں بیان کرتا جن پر اہل حدیث کا اجماع ہے۔

ناظرین! امام شعبیؒ کے اجماع اہل حدیث سے صحابہؓ اور تابعین مراد ہیں کیوں کہ اس کے وہی اساتذہ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل حدیث پہلی اور نبوی جماعت ہے لیکن ان کو

اہل الرای کہنا کہیں ثابت نہیں بلکہ مصنف رسالہ نے اس کی بنیاد ایک بناوٹی روایت پر رکھی ہے اعاذھم اللہ من ذالک۔

نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل حدیث کو نئی جماعت کہنا یا لقب اہل حدیث پر اعتراض کرنا عدم علمی کے باعث ہے یا محض تعصب ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نبوی جماعت اور صحابہؓ کے طریق پر چلنے والی یہی ہے اور حنفی شافعی مالکی حنبلی اور جعفری ان جماعتوں کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ ایضاً ہر ایک حسب حال فتوی دیتا رہتا تھا۔ اور کوئی ایک لقب اہل الرای سے یاد نہیں کیا گیا۔ بلکہ اہل الرای سے ان کو نفرت تھی اور امیر عمر رضی اللہ عنہ تو اصحاب الرائی کو اعداء السنن (سنتوں کے دشمن) بتاتے ہیں۔ کذا فی اعلام الموقعین ص۵۵ ج ۱)

قولہ ص۴۲ س۱۵ بعد میں یہ لقب ابوحنیفہ رح اور آپکے اصحاب کا ہو گیا ؂

اقول:۔ یہ لقب ان کو اس وقت ملا جب قیاس ورائے کا رواج شروع ہوا۔ خود آپ ص۱۵ س۱ میں قیاس ورائے کا موجد وواضع امام ابوحنیفہ رح بتاتے ہیں۔ کما سیأتی ان شاء اللہ ور اہل الرائے کے لقب کی وجہ یہ ہے کہ

کان الحدیث قلیلا فی اھل العراق لما قد منا فاستکثروا من القیاس ومھروا فیہ فلذالک یقال لھم اھل الرائی (مقدمہ ابن خلدون ص۴۵۶)

چونکہ عراق والوں کے پاس حدیث بالکل تھوڑی تھی لہذا انھوں نے زیادہ قیاس اور رائے کو استعمال کیا اور اسی میں ماہر ہوئے اسی وجہ سے ان کو اہل الرای کہا جاتا ہے۔

اور علامہ جزری فرماتے ہیں کہ

والمحدثون یسمون اصحاب القیاس اصحاب الرائی یعنون انھم یأخذون

برائيهم فيما يشكل من الحديث او ما لم يأت فيه الحديث ولا اثر

النهايه فى غريب الحديث ص۵۸ ج ۲ مصری۔

محدثین قیاس کرنے والوں کو اہل الرائی کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انکو

جہاں حدیث سمجھ میں نہ آئی یا نہ ملی تو اپنی رائے سے کام لیا۔

ثابت ہوا کہ محدثین نے یہ لقب دینے میں ان کی مدح نہیں کی بلکہ رائے وقیاس کے

استعمال کرنے کی وجہ سے اور شاہ ولی اللہ اہل الرائی کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ

لا یکرھون المسائل ولا یھابون الفتیا ویقولون علی الفقہ بناء

الدین فلابد من اشاعتہ ویھابون روایۃ حدیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم والرفع الیہ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۱ ج ۱)

مسائل بیان کرنے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے اور فتوی دینے سے

خوف نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہی ہے۔ اس واسطے

اس کی اشاعت ضروری ہونی چاہیے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

حدیث روایت کرنے میں اور آپ تک سلسلۂ روایت پہنچانے میں خوف محسوس

کرتے تھے۔ النعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ البالغہ مصنفہ شیخ عبد الحق صدیقی حنفی

ص۳۵۲ ج ۱ اصح المطابع)

مطلب یہ ہے کہ اہل الرائی کی فقہ حدیث پر بالکل کم مبنی ہے اس لیے امام ابن خلدون نے مقدمہ ص۴۴۶

میں اہل حدیث کی فقہ اور ان کے استنباط کا طریقہ ان سے الگ بتاتے ہیں۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ بھی

حجۃ اللہ ص۱۵۰ ج ۱ میں اہل حدیث کا طریق فقہ یہ بتاتے ہیں کہ

مھدوا لفقہ علی ھذا القواعد فلم تکن مسئلۃ من المسائل التی تکلم

فیها من قبلهم والتی وقعت فی زمانهم الا وجدها فیها حدیثا مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا صحیحا او حسنا او صالحا للاعتبار او وجدوا اثرا من آثار الشیخین او سائر الخلفاء وقضاة الامصار وفقهاء البلدان او استنباطا من عموم او ایماء او اقتضاء فیسر اللہ لهم العمل بالسنة علی هذا الوجه۔

انہی قواعد (جو کہ اوپر ذکر ہوئے) پر فقہ کو مرتب کیا اور ہر ایک مسئلہ نئے خواہ پرانے کے لیے ان کو کوئی نہ کوئی حدیث یا اثر مل گیا۔ اسی طرح ان کے لیے سنت پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔

ثابت ہوا کہ فقہ اہل حدیث کا طریق اور ہے اور فقہ اہل الرائی اور

قولہ ص ۱۷ ، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات محدثین کے نزدیک فتویٰ اصحاب الرای کا معتبر تھا"

اقول: جب دونوں کی فقہ اور طریق استدلال الگ ہوا پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اہل حدیث صرف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے ہیں اور اہل الرائی قیاس ورائے سے اخذ کرتے ہیں اور ان کے پاس حدیثیں بالکل تھوڑی تھیں بلکہ احادیث روایت کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے تو پھر دونوں کا طریقہ ایک کیسے ہو سکتا ہے اور محدثین اہل الرای کے فتویٰ کو معتبر سمجھیں یا اس پر عمل کریں۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور لکھنوی بھی "النافع الکبیر" ص ۸ میں تصریح کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح کے مذہب میں نسبت اور ائمہ کے قیاس زیادہ پایا جاتا ہے اور ان کو حدیثیں بہت تھوڑی پہنچیں ثانیاً اہل حدیث نے بے شک ان کو لقب اہل الرائی دیا لیکن اس کا سبب بھی معلوم ہو گیا ثالثاً وہ ان کی رائی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ذیل میں کچھ حوالجات

ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

سکتوا عنه وعن رأيه وعن حديثه (التاریخ الکبیر للبخاری ص۸۱ ج۴ قسم ۲)

محدثین نے امام ابوحنیفہ رح اور اس کی رائے اور اس کی حدیث سے سکوت یعنی اس کو ترک کیا ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ رح کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

رأيه مذموم وحديثه لا يذكر (الضعفاء للعقیلی ص۲۶۲ ج۲ قلمی)

ان کی رائے مذموم ہے اور ان کی روایت قابلِ ذکر نہیں۔

۳۔ عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ

ادركت الناس ما يكتبون بحديث ابي حنيفة فكيف الرأي

(الضعفاء للعقیلی ص۲۶۲ ج۲ قلمی)

میں نے لوگوں (محدثین) کو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رح کی رائے تو کجا اس کی حدیث بھی نہیں لکھتے تھے۔

۴۔ شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۷۷ میں ہے کہ

عن عبد الله بن احمد بن شبويه قال سمعت ابي يقول من

اراد علم القبر فعليه بالاثر ومن اراد علم الخبز فعليه بالرأي۔۔۔

وعن يونس بن سليمان السقطي قال نظرت في الامر فاذا هو الحديث

والرأي فوجدت في الحديث ذكر الرب تعالى وربوبيته وجلاله

وعظمته وذكر العرش وصفة الجنة والنار وذكر النبيين والمرسلين

والحلال والحرام والحث علی صلۃ الارحام وجماع الخیر فیہ ونظرت فی الرأی فاذا فیہ المکر والغدر والحیل وقطیعۃ الارحام و جماع الشر فیہ۔

ابن شبویہ نے کہا کہ جو شخص قبر میں کام آنے والا علم سیکھنا چاہے وہ حدیث پڑھے اور جو صرف خبر کا ارادہ رکھتا ہو وہ رائے و قیاس سیکھے اور یونس بن سلیمان سقطی نے کہا کہ میں نے خوب غور کیا تو دو چیزیں پائیں۔ حدیث اور رائے۔ حدیث میں تو اللہ رب العالمین اور اس کی ربوبیت جلال و عظمت کا ذکر پایا۔ عرش جنت و دوزخ اور نبیوں اور رسولوں کا اور حلال و حرام یعنی کونسی چیز حلال اور حرام ہے اور اس کے ثواب و عقاب کا بھی ذکر پایا۔ صلہ رحمی اور ہر طرح کی بھلائی بھی اس میں پائی لیکن رائے و قیاس میں مکر حیلہ دھوکا بازی پائی اور قطع رحمی اور ہر طرح کی برائیاں اس میں پائیں۔

۵۔ امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ

نبذوا کتاب اللہ وسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولزموا القیاس

تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص۶۵۔

اہل الرائے نے کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو پھینک دیا اور قیاس و رائے کو پکڑ لیا۔

۶۔ خود امام ابن قتیبہ کا اپنا قول اوپر ذکر ہوا۔

۷۔ تاریخ بغداد ص۴۲۷ ج۱۳ میں محمد بن یوسف الفریابی سے مروی ہے کہ

سمعت الثوری ینھی عن مجالسۃ ابی حنیفۃ واصحاب الرائی ۔
میں نے امام سفیان ثوری سے سنا کہ اہل الرائے کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔

اسی طرح عبدہ بن زیاد کے اشعار بھی اوپر گذرے کہ حدیث دن اور رائے و قیاس رات ہے اور سفیان بن عینیہ کا قول بھی گذرا کہ اہل الرائے نے سب کچھ بگاڑا ہے اور ابن القاسم کا فتویٰ بھی گذرا کہ رائے کی کتابوں کی تجارت جائز نہیں۔ ان کے علاوہ تاریخ بغداد میں اور کئی اقوال مذکور ہیں پس کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک اہل الرائے کا فتویٰ معتبر تھا۔

قولہ ص۱۴۸ س۱۹ " یحیٰی بن معین کا مقولہ ہے کہ" الرای رای ابی حنیفۃ" الخ

اقول :- یہ روایت تاریخ بغداد ص۳۴۷ ج ۱۳ اور المناقب للموفق ص۳۱ ج ۲ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

والفقہ فقہ ابی حنیفۃ علی ھذا ادرکت الناس ۔ اور اس کی سند میں احمد بن عطیۃ ہے جو دراصل احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی ہے (میزان ص۶۶ ج ۱) جو مشہور کذاب اور بے شرم ہے۔ جس کا حال اوپر گذرا۔ پس یہ روایت جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ اس پر اعتماد درست نہیں بلکہ امام ابن معین امام ابو حنیفہ رح کے حق میں فرماتے تھے کہ کان یضعف فی الحدیث (الضعفاء للعقیلی ص۴۲۳ ج ۲ قلمی)

قولہ ص۱۴۹ س۳ " اور امام شافعی کا مقولہ مشہور ہے۔

" الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ" الخ

اقول :- اس قول پر بحث گذری کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ فلیراجع

قولہ :۔ ص۴۹ س۵ ، علامہ موفق نے اس کو نظم کیا ہے۔

اقول :۔ جب روایت غیر صحیح ہوئی تو پھر یہ بھی غیر مقبول ہوا نیز اشعار کی کوئی سند نہیں۔

ایضاً موفق خود معتبر شخص نہیں۔ کما سیاتی۔

قولہ ص۴۹ س۱۲ " ابو عنسان تمیمی فرماتے ہیں ؎

" وضع القیاس ابو حنیفہ کلہ " الخ

اقول :۔ یہ بھی اشعار ہیں نیز ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیاس کی بنیاد امام صاحب نے ڈالی اس سے پہلے نہیں تھا نہ صحابہؓ میں نہ تابعینؒ میں۔

قولہ :۔ ص۱۰۹ س۱۸ : سوید بن نصر جو امام ترمذی اور نسائی کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا

لا تقولوا رأی ابی حنیفہ ولکن قولوا تفسیر الحدیث کتاب المناقب للموفق ص۵ ج۲ الخ۔

اقول :۔ بلاشک سوید بن نصر ترمذی و نسائی کے استاد ہیں۔ اسی طرح امام عبداللہ بن المبارک بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن اس بات کا ان دونوں کو علم نہیں۔ ان پر گھڑی ہوئی ہے کیونکہ موفق نے یہ روایت بواسطہ ابو محمد الحارثی نقل کی ہے جو مشہور روایتیں گھڑنے والا ہے کما مر۔ یہ روایت اسی کی بنائی ہوئی ہے اور وہ قیس بن ابی قیس سے نقل کرتا ہے جو کہ مجہول ہے اس کا حال کہیں معلوم نہیں ہوتا ... بلکہ خطیب نے تاریخ بغداد ص۴۲۵ ج۱۳ میں ابن مبارک کو امام صاحب پر تردید کرنے والوں میں شمار کیا ہے بلکہ امام محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل ص۱۲۳ میں لکھا ہے کہ

سمعت اسحاق بن ابراهیم یقول قال ابن المبارک کان ابوحنیفہ رحمۃ اللہ یتیما فی الحدیث اھ

میں نے اسحاق بن ابراہیم (ابن راہویہ) سے سنا کہ امام ابن مبارک فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم حدیث میں یتیم تھے۔

ناظرین! یہ سند بالکل سورج کی طرح روشن ہے۔ اس کے ناقل ائمہ ہیں۔ امام محمد بن نصر المروزی امام الفن مشہور اور اسحاق بن راہویہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں اور اسحاق تو مشہور امام اور شیخ الحدیث والفقہ ہے۔ ابن المبارک کے شاگرد ہیں۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ موفق والی روایت جعلی ہے اور ابن المبارک پر جھوٹ ہے۔ اگر وہ امام صاحب کی رائے کو حدیث کی تفسیر سمجھتا ہوتا تو آپ کو یتیم فی الحدیث نہ بتاتا اور یہی روایت تاریخ بغداد ص۴۱۵ ج۱۳ میں دو سندوں کے ساتھ ابن المبارک سے مروی ہے بلکہ ابن المبارک اہل الحدیث اور اہل الرائی کی شان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

الدین لاھل الحدیث والکلام والحیل لاھل الرائی والکذب للرافضۃ (المنتقی من منہاج الاعتدال للذہبی ص۴۸۰)

دین اہل حدیث کے لیے کلام اور حیلہ بازی اہل الرائی کے لیے اور جھوٹ رافضیوں کے لیے ہے۔

قولہ ص۵۵ "امام بخاری کا اہل الرای کی کتابوں سے استفادہ" الخ

اقول:۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس نے اہل الرائی کی پوری تردید کی ہے۔ بالخصوص اس کی وہ عبارت جو تاریخ کبیر سے ہم نے نقل کی اس کی تکذیب کرتی ہے۔ ثانیاً ان عبارات جو کہ مقدمہ فتح الباری سے نقل کی گئی ان میں یہ نہیں ہے کہ اہل الرائی کی کتابوں سے استفادہ کیا بلکہ

یہ ہے کہ سب باتیں معلوم کرلیں کیونکہ جب تک انسان موافق مخالف کی بات معلوم نہ کرلے تو کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ امام بخاریؒ نے ان کی باتیں معلوم کرلیں جب ہی تو ان کی تردید کی کیونکہ ؎

چو در سفتن باشد چہ داند کسے   کہ جوہر فروشش است باپیلہ ور

ثالثاً لفظ "عرفت کلام اہل الرائ" ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھا اور دلائل کو پرکھ کر پھر ان کی تردید کی کیونکہ امام بخاری کی اہل الرائ کی تردید مشہور و مسلم ہے۔ رابعاً۔ اس عبارت "حفظت کتب ابن المبارک و وکیع و عرفت کلام ہؤلاء یعنی اصحاب الرائی" سے ظاہر ہے کہ ابن المبارک و وکیع اہل الرائی میں سے نہیں تھے۔ خامساً ابن مبارک اور وکیع کی کتابوں پر "حفظت" (میں نے یاد کرلیا) کا لفظ بولا اور اہل الرائی کی کتابوں کے لیے کہا کہ "عرفت" (میں نے معلوم کرلیا) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام بخاری دونوں کا فرق بتاتے ہیں کہ اول الذکر کو یاد کرتے ہیں کیونکہ ان میں صرف احادیث و آثار تھے اور ثانی الذکر یاد کرنے کے قابل نہیں کیونکہ وہ رائے و قیاس کا مجموعہ تھا اس کو صرف معلوم کرنے کی خاطر دیکھا اور ان کا طریقہ استدلال معلوم کیا اور دلائل سے اس کا قرب و بعد معلوم کیا۔

قولہ منہ ۱۳: "اہل الرائ کی کتابوں کو دیکھنا اور سمجھنا نہایت ضروری تھا" الخ

اقول۔ اس لئے کہ اس کے دیکھے بغیر ان کی تردید ناممکن تھی۔

قولہ منہ ۱۳: "بغیر اس کے تدریس و تعلیم کے قابل نہیں۔"

اقول، یہ کس جملہ کا ترجمہ ہے؟۔

قولہ منہ ۱۵: "اور عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی کتابوں کا حفظ کرنا ضروری ہے۔"

اقول:۔ کیونکہ ان میں صرف احادیث و آثار ہیں نہ کہ رائے و قیاس۔ اس لیے تو امام موصوف نے ان کے لیے "حفظت" اور اہل الرائی کے کلام کے لیے "عرفت" کہا۔

قولہ ص۱۶۵ س۱۲ "اور محدثین اور فقہاء میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کا امام ابوحنیفہ رحمہ کے تلامذہ خاص میں سے ہونا اور ان کے تفقہ کا شیدا اور دلدادہ ہونا معروف اور مسلم ہے۔"

اقول: باوجود تلامذہ ہونے کے ان کی سخت مخالفت کی۔ ابن مبارکؒ کے لیے امام ابن ابی حاتم نے "الجرح والتعدیل ص۲۱۲ ج۴ قسم میں فرمایا ہے کہ

ترکہ ابن المبارک باخرۃ سمعت ابی یقول ذالک

اخیر میں اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ کو چھوڑ دیا اسی طرح میں نے اپنے باپ (امام ابوحاتم الرازی) سے سنا۔

نیز ابن مبارک کے کچھ قول ابھی گذرے نیز ان کا یہ قول بھی ہے کہ

من نظر فی کتاب الحیل لابی حنیفہ احل ما حرم اللہ وحرم ما احل اللہ۔ (تاریخ بغداد ص۴۰۳ ج۱۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ کی کتاب الحیل میں جو دیکھے گا وہ اللہ کی کئی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرے گا۔

امام وکیع سے سنن ترمذی ص۱۱۰ ج۱ باب ماجاء فی اشعار البدن میں مذکور ہے۔

سمعت یوسف بن عیسٰی یقول سمعت وکیعا یقول حین روی ھذا الحدیث فقال لا تنظروا الی قول اھل الرای فی ھذا فان الاشعار سنۃ وقولھم بدعۃ قال وسمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرائ اشعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و یقول ابوحنیفۃ ھو مثلۃ قال الرجل فانہ یروی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال

فرایت وکیعا غضبا شدیدا وقال اقول لک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول قال ابراھیم ما احقک بان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا

امام وکیع نے اشعار (قربانی کے اونٹ کو شگاف دینا) کی حدیث بیان کر کے کہا کہ اس بارے میں اہل الرائے کی بات نہ دیکھنا کیونکہ اشعار سنت ہے اور اہل الرای کا قول بدعت ہے نیز امام موصوف نے اہل الرائے میں کسی شخص سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ (جانور کو عیب دار بنانا) ہے اس شخص نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رح نے تو ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ اس نے اشعار کو مثلہ بتایا ہے۔ امام وکیع سخت غصے ہوئے اور کہا کہ میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم مجھے ابراہیم کا قول سنا رہے ہو۔ تم جیل میں رکھنے کے حقدار ہو اور جب تک اس قول سے باز نہ آئے نہ نکالا جائے۔

ان اقوال سے ظاہر ہوا کہ دونوں (ابن المبارک اور وکیع) امام صاحب کی فقہ کے کس طرح ولدادہ تھے اور اہل الرای کو کیا سمجھتے تھے۔

قولہ صفحہ ۵ سطر ۱۰ "امام بخاری کے اس کلام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کی نظر میں اہل الرائی کی فقہ معتبر تھی" الخ

اقول:۔ اب اس کی حقانیت لوگوں نے دیکھ لی اور معلوم کر لیا کہ وہ ان کو کیا سمجھتے تھے

قولہ صفحہ ۵ سطر ۳ "بظاہر امام بخاری کو اہل الرای کی کتابوں کے مطالعہ کا داعیہ یہ پیش آیا کہ اپنے اساتذہ اور اساتذۃ الاساتذہ کو فقہ ابی حنیفہ رح کی مدح میں رطب اللسان پایا۔"

اقول:۔ داعیہ جو تھا ہم نے ذکر کر دیا اور امام بخاری کے اساتذہ نے جو امام ابو حنیفہ رح کی فقہ ورائے کے متعلق کہا ہے وہ آپ نے دیکھ لیا۔ ائمہ احمد، مالک، شافعی، ابن عیینہ، سفیان ثوری ابن مبارک۔ وکیع، اسحاق بن راہویہ سب کے اقوال گذرے۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخ بغداد للخطیب میں آپ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جگہ خطیب نے امام ابو العباس احمد بن علی بن مسلم الابار سے نقل کرتے ہیں کہ

قال ذکر القوم الذین ردوا علی ابی حنیفہ ایوب السختیانی و جریر ابن حازم وھمام بن یحیی وحماد بن سلمۃ وحماد بن زید وابو عوانۃ وعبد الوارث وسوار العنبری القاضی ویزید ابن زریع وعلی بن عاصم ومالک بن انس وجعفر بن محمد وعمر بن القیس وابو عبد الرحمٰن المقری وسعید بن عبد العزیز والاوزاعی و عبد اللہ بن المبارک وابو اسحاق الفزاری ویوسف بن اسباط ومحمد بن جابر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینۃ وحماد بن ابی سلیمان وابن ابی لیلی وحفص بن غیاث وابو بکر بن عیاش و شریک بن عبد اللہ ووکیع بن الجراح ورقبۃ بن مصقلۃ والفضل بن موسی وعیسی بن یونس والحجاج بن ارطاۃ ومالک بن مغول والقاسم بن حبیب وابن شبرمۃ اھ۔ (تاریخ بغداد ص۳۶۹ ج ۱۳)

یعنی یہ پینتیس ۳۵ محدثین وفقہا سب امام ابو حنیفہ رح پر تردید کرنے والے ہیں۔ ان میں اکثر امام بخاری کے اساتذۃ الاساتذہ ہیں۔

قولہ ص۵ سطر ۶ "اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کے درس سے پہلے ہدایہ کا پڑھنا

نہایت ضروری ہے۔ امام بخاری کا اتباع اسی میں ہے"

اقول۔ دونوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو آسمان زمین کا فرق نظر آتا ہے اور بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا آپ نے ص۹۹ میں اقرار کیا ہے۔ پس اس کے معارض کتاب غیر صحیح ہوئی "فماذا بعد الحق الا الضلال" نیز ہدایہ کا حال نصب الرایہ میں دیکھیں نیز ہدایہ کی حدیثوں کے متعلق فقہاء نے جو ریمارکس دیئے ہیں۔ وہ ہم نقل کر آئے ہیں پس اگر اس کو آپ نے بخاری کے ہم پلہ قرار دیا تو کونسی بات ہوئی۔ لوگوں نے تو قرآن کے برابر کہہ دیا۔ چنانچہ مقدمہ ہدایہ ص۳ میں ہے ؎

ان الہدایۃ کالقرآن قد نسخت

ما صنفوا قبلہا فی الشرع من کتب

ہاں اگر یہ نسبت ہے کہ دونوں کتابوں (بخاری وہدایہ) کو ساتھ دیکھ کر حدیث اور فقہ کا فرق نیز فقہ اہل حدیث اور فقہ اہل الرائے کا تفاوت معلوم ہو جائے تو اور بات ہے "فانما لکل امرئ مانوی" نیز امام بخاری کے اتباع کا کوئی سوال نہیں۔ کیونکہ وہ تو خود امتی اور تابع ہیں۔ ان کی احادیث کو امت نے صحیح مانا ہے ہم بھی ان کی روایات کو مانتے ہیں نہ رائے کو۔ ایضاً صاحب ہدایہ اور امام بخاریؒ کے نظریہ میں بڑا فرق ہے۔ پس ہدایہ کے پڑھنے سے کیسے امام بخاریؒ کا اتباع ہوگا؟

قولہ ص۵۱ سطر۷ "امام بخاریؒ نے صحیح بخاریؒ میں یہ ارادہ فرمایا کہ یہ کتاب حدیث اور فقہ کی جامع ہو الخ"

اقول: جب دونوں کی جامع ہے تو پھر دوسری کتاب کی ضرورت نہ رہی اور یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ اہل حدیث کی فقہ نہیں ہے۔ دراصل فقہ الحدیث انہی کے پاس ہے نیز فقہ سے مراد فقہ الحدیث ہے نہ کہ فقہ اہل الرای کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اہل الرائے کے متعلق جو نظریہ ہے وہ بیان ہو چکا"

قولہ ص۵۱ سطر۱۱ "حدیث امام بخاریؒ نے محدثین سے لی اور فقہ اور استنباط کے لیے

اہل الرائی کی کتابوں سے مدد لی" الخ

اقول: یہ اس پر افترا ہے حدیث بے شک محدثین سے لی اور تفقہ ان کے پاس خدا داد تھا۔ نیز محدثین ہی سے فقہ الحدیث کا طریقہ سیکھا اور اہل الرائی کی فقہ کو تو امام بخاری رح معتبر ہی نہیں سمجھتا تھا۔ جیسا کہ اس کی تاریخ کبیر سے ہم نے نقل کیا۔

قولہ ص۱۵ س۱۳ "قیاس حجیت شرعیہ ہے" الخ

اقول: یہ سارا عنوان لایعنی ہوا کیونکہ آپ قیاس کو دلائل سے ثابت نہ کر سکے۔ کما مضی پس خواہ مخواہ قیاس پر دیئے ہوئے فتوی کو شرعی فتوی کہنا تحکم علی اللہ ہے۔

"ام لهم شركاء شرعوا لهم من الدين مالم يأذن به الله (الشوری ع۳ پ۲۵)

قولہ ص۱۵ س۱۷ "جو حاکم اور جج قانونی نظائر اور شواہد کی بنا پر کوئی حکم صادر کرتا ہے وہ حکم شاہی ہی سمجھا جاتا ہے" الخ

اقول: یہ مقام اللہ تعالی نے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیا ہے "من يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء ع ۱۱ پ۵) "وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى" (النجم ع۱ پ۲۷)

یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ وحی کے بغیر نہیں بولتے ہیں اور ججوں کو فیصلہ دینے کا شاہی اختیار ہوتا ہے اور دوسرا چاہے کتنی ہی شان و شوکت کا مالک ہو لیکن وہ ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔ اس طرح یہ اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے نہ کسی اور کو چنانچہ فرمایا کہ:

انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله۔ (النساء ع۱۶ پ۵)

آپ کی طرف (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے حق کے ساتھ قرآن کو اس لیے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے درمیان حکم نافذ کریں جس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمیع احکام نصوص ہوئے کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہے۔ نہ اس کا حکم یا رائے نص کہلا سکتی ہے اور پر ہم صحیح بخاری کے متعدد ابواب سے ثابت کر آئے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف وحی کے تحت احکام نافذ فرمایا کرتے تھے نہ قیاس کرتے تھے نہ رائے بلکہ اگر ایسا کوئی سوال آتا تھا جس کے متعلق وحی نہیں آئی ہوتی تھی تو سکوت فرماتے جب وحی آئے پھر جواب دیتے تھے پس موجودہ ججوں کے احکام پر احکام الٰہی قیاس کرنا فاحش غلطی ہے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

قول ص۵۲ س۱ "یہ حاکم کا ذاتی حکم نہیں بلکہ قوانین حکومت اور آئین سلطنت کے ماتحت ہے" الخ۔

اقول :- یہی ہماری بات کی وضاحت ہے اور یہ اختیار سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نہیں ملا۔ نیز دنیاوی حکومتوں کا قانون مکمل نہیں ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ججوں کو نظائر وغیرہ دیکھنے اور ان پر حکم صادر کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے احکام اور قوانین تو مکمل ہیں بلکہ ان کی تکمیل خود اس دروازے کو بند کر دیتی ہے اور کسی قاضی کو مجاز نہیں کہ وہ نص نہ ملے تو قیاس کرتا پھرے بلکہ یہ اپنا علمی قصور سمجھے اور نصوص میں حکم کی تلاش کرے یا دوسرے اہل علم سے نص معلوم کرے ورنہ لا ادری کہہ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ: یاایھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔

(الحجرات ع ۱ پ۲۶)

اے ایماندارو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آگے مت بڑھو۔
اس سے زیادہ آگے بڑھنا اور کیا ہوگا کہ ان کے فیصلہ ملنے سے پہلے اپنا فیصلہ کیا جائے۔
بنیادی قوانین اور الٰہی قوانین میں بڑا فرق ہے۔

قولہ ص۵۲ س۲ "اس لیے رعایا پر اس کا اتباع واجب ہے"۔

اقول:۔ لیکن رعایا کو ان پر اپیل کرنے کا حق باقی ہے اور ان کے فیصلہ جات کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ گویا کہ ان کے فیصلہ کے وہ علی الاطلاق پابند نہیں ہیں جب تک مملکت کی آخری عدالت سپریم کورٹ فیصلہ نہ دے۔ اس کے بعد اپیل کا کوئی اختیار نہیں بلکہ طوعاً و کرہاً اس کے فیصلہ کی پابندی کی جائے۔ اسی طرح احکام الٰہی کے لیے آخری عدالت قرآن و حدیث ہے دوسروں کے فیصلے کے ہم پابند نہیں بلکہ ان کو چیلنج کر سکتے ہیں ان پر تنقید کر سکتے ہیں۔ یہی حکم قرآنی ہے۔

" فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول "۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ فقہا کا فیصلہ قطعی اور حرف آخر نہیں۔ جب ہی تو اختلاف کے وقت سب کو چھوڑ دینے کا حکم ہوا۔ گویا قیاس حجت نہ رہا۔ کیونکہ وہ اجماع نہیں بلکہ اہل قیاس کا ایک دوسرے کے معارض رہنا اور ایک قیاس کا دوسرے قیاس کو رد کرنا خود بین دلیل ہے کہ قیاس فیصلہ الٰہی نہیں۔ " ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا "۔

پس موجودہ قوانین اور فیصلہ جات پر قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔

قولہ: ص۵۲ س۳:۔ "اسی طرح مجتہدین قیاس اور استنباط سے فتوی دیتے ہیں (الی قولہ) شریعت کے منشا کو ظاہر کر دیتے ہیں"۔

اقول: اگرچہ بقول شما وہ اپنی رائے سے نہیں دیتے اور نصوص سے نکالتے ہیں لیکن یہ نکالنا اور استخراج و انتزاع دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو سب متفق ہوں گے یا مختلف علی الاول

اخذ بالاجماع ہوا یہ نہ قیاس ہے نہ تقلید وعلی الثانی حکم ہے کہ

"فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول۔

اور کسی ایک کا استخراج حجت نہیں بلکہ اس وقت رجوع الی القرآن والحدیث ہوگا اور معلوم کرنا ہوگا کہ کس کا استخراج صحیح ہے۔ یہ بھی قیاس کا اتباع نہیں بلکہ نصوص کا ہے، اسی طرح قیاس ہر حالت میں متعذر رہتا ہے۔

قولہ صلا سطر "اس لیے تمام فقہاء بالاتفاق یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ قیاس مثبت حکم نہیں مظہر حکم ہے۔" الخ

اقول:۔ اس کی وہی دو صورتیں ہیں۔ اظہار میں متفق ہیں یا مختلف علی الاول اجماع وعلی الثانی رجوع الی النصوص ہے نہ قیاس رہا نہ تقلید۔

قولہ صلا سطر "قیاس نے اپنے طور پر کوئی مستقل حکم نہیں دیا۔

اقول:۔ پھر وہ دلیل شرعی نہیں۔ ایضاً اجماعی خواہ اختلافی دونوں صورتوں میں دلیل کی اتباع ہے۔

قولہ صلا سطر "اصل حکم تو اللہ کا ہے" الخ

اقول:۔ کیا وہ تام نہیں؟ اگر ہے تو قیاس کی کیا ضرورت۔ نیز اللہ نے قرآن وحدیث پھر اجماع کا حکم دیا اور قیاس کا کہیں نہیں بلکہ قیاس کی صورت میں اختلاف لازمی ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ کسی کو مت لو۔ "ولیس بعضھم اولی من بعض"

بلکہ قرآن وحدیث کی طرف لوٹاؤ جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن وحدیث میں احکام بتمامہا مذکور ہیں۔

قولہ صلا سطر "نبی اور رسول کا حکم بعینہ اللہ کا حکم ہے۔"

اقول: بے شک آیت میں "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ع ۱۱ پ ۵) کا یہی مطلب ہے لیکن کسی اور کے لیے بھی ایسا کہا گیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر ان کا استثنا طرف تفقہ ہوا۔ پس اگر متفق ہیں تو اجماع ہے اگر نہیں تو سب کو چھوڑ کر قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے۔

قولہ ص۲۵ س۹ "اور حکم خداوندی کا مظہر ہے۔

اقول: یہی مطلب آیت "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (النحل ع ۶ پ ۱۴) کا ہے لیکن کسی دوسرے کو بھی خدا تعالے نے اپنے حکم کا مظہر بتایا ہے کسی امام کو یا قیاس یا رائے کو" ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" ایضاً کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام خداوندی کو کما حقہ ظاہر کیا یا نہیں؟ علی الثانی یہ محض افتراء بلکہ کفریہ کلمہ ہوگا وعلی الاول اب دوسرے مظہر کی کوئی حاجت یا ضرورت نہیں رہی۔

قولہ ص۲۵ س۱۰ "اس لیے حضرات انبیاء کی اطاعت اطاعت خداوندی ہے۔ اسی طرح فقہاء و مجتہدین کی تقلید اور اتباع اللہ اور اس کے رسول ہی کا اتباع سمجھا جائے گا"

اقول: نبوی اطاعت کا الہٰی اطاعت ہونا تو قرآن وحدیث میں منصوص ہے لیکن فقہا و مجتہدین کی علی الاطلاق اطاعت کہاں منصوص ہے؟ بلکہ وہ اتفاق کے ساتھ مشروط ہے اور بوقت اختلاف کسی کی بھی اطاعت بوجہ خلاف ہونے نص کے باطل ومردود ہے۔ ثانیاً نبی کی اطاعت میں کبھی معصیت نہیں ہوسکتی لیکن غیر نبی کی اطاعت کبھی معصیت بھی ہوسکتی ہے۔ اسی لیے تو حدیث میں آیا ہے کہ

"لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق (بخاری ص۱۰۵ ج ۲ مصری)

جہاں خالق کی نافرمانی لازم آئے ایسی صورت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

اس سے نبی مستثنیٰ ہے باقی غیر نبی کی اطاعت معصیت اور غیر معصیت کو محتمل ہے۔ پس اس کے لیے نص کی تائید ضروری ہے۔ اسی لیئے امام ابوحنیفہ نے بلادلیل ان کے قول پر فتویٰ دینا یا عمل کرنا حرام قرار دیا۔ کما مر۔

اور مؤید بالوحی تقلید نہیں۔ کما ذکر پس یہ اطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ فقہاء کا وہ قول صحیح ہے جو نص سے مؤید ہو اور اس کو دیکھ کر پھر اس کو لینا اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

ثالثاً آپ کے اس کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقلید و اتباع ایک چیز ہے۔ حالانکہ دلیل دیکھنے کے بعد کسی بات کو ماننا اتباع ہے۔ تقلید نہیں جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ جامع بیان العلم وفضلہ" ص۱۱۷ ج۲ اور حافظ ابن القیم اعلام الموقعین ص۱۷۸ ج۲ میں لکھتے ہیں اور دونوں ابوعبداللہ بن خوازمنداد المالکی سے نقل کرتے ہیں کہ

التقلید معناہ فی الشرع الرجوع الی قول لا حجۃ لقائلہ علیہ و ذالک ممنوع فی الشریعۃ والاتباع ما ثبت علیہ حجۃ۔

شرعی اصطلاح میں تقلید بلادلیل کسی کی بات کو لینا ہے اور یہ شریعت میں ممنوع ہے اور اتباع اسی قول لینے کو کہا جاتا ہے جس پر دلیل ہو۔

جب فقہاء کا قول مؤید بالوحی ہو تو وہ لینا تقلید نہیں۔ کما فی التحریر لابن الہمام ص۵۵۹ بلکہ اتباع ہے جو ممدوح ہے کیونکہ اتباع القرآن والحدیث ہے اور جو مدلل نہیں اس کا لینا تقلید ہے جو ممنوع ہے۔ پس ان کے اتباع کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کہنا صریحاً غلط اور فاسد ہے۔

قولہ ص۵۲ س۱۲، جو لوگ فقہاء اور مجتہدین کے اتباع کو شرک قرار دیتے ہیں عجب نہیں

رفتہ رفتہ حضرات انبیاء کے اتباع کو بھی شرک قرار دینے لگیں "۔

اقول: یہی بات اس کے شرک کہنے کی معقول وجہ ہے کہ وہ ان کے اقوال کو قول اللہ وقول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلّہ قرار دیتے ہیں ایک طرف تو آیت ان الحکم الا للہ" پڑھتے ہیں (ص۲۵ س۸) اور دوسری طرف صاف کہتے ہیں کہ" حضرات فقہاء و مجتہدین کی تقلید اور اتباع اللہ اور اس کے رسول ہی کا اتباع سمجھا جائے گا" (ص۲۵ س۱۱) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو شرک کہنے کا کوئی سبب یا داعی نہیں، بلکہ عین توحید ہے کیونکہ

" من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" وارد ہے۔

ثانیاً حکم قرآنی ہے کہ:

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ

(الشوریٰ ع ۳ پ ۲۵)

اب اگر کوئی امام یا کوئی بھی غیر نبی ہو۔ اس کا قول اگر مؤید بالوحی ہے تو یہ باذنہٖ تعالیٰ ہے۔ اس کا کوئی منکر نہیں اور یہ اتباع ہے نہ تقلید اور اگر اس پر کوئی دلیل نہیں تو وہ بغیر اذن اللہ ہے اور اس آیت میں داخل ہے اسی کا نام تقلید ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اقوال باذن اللہ ہیں جیسا کہ آیت ہے

لتخرج الناس من الظلمات الی النور (ابراھیم ع ا پ ۱۳)

وداعیا الی اللہ باذنہ (الاحزاب ع ۶ پ ۲۱)

اور غیر نبی کے اقوال سب باذنہ نہیں بس محتاجِ تحقیق رہے۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔

قولہ صفحہ ۵۲ سطر ۱۲ "خلفائے راشدین کی سُنّت کو بدعت کہنے ہی لگے ہیں"

اقول: "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" خلفاء راشدین کی سُنّت کو بدعت نہیں کہتے۔ ہاں اس میں اشارہ بیس تراویح کی طرف ہے جیسا کہ حاشیہ میں خود ذکر کیا ہے مگر یہ بہتان ہے کیونکہ بیس کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ خلفائے راشدین سے اور جو روایت خلفاء کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ ضعیف و مردود ہے جیسا کہ اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گا اور یہ غلط ہے کہ اہل حدیث بیس رکعات خلفاء کا عمل مان کر پھر بھی اس کو بدعت کہتے ہیں۔ استغفر اللہ بلکہ ان کے ہاں خلفاء سے بیس کے عدد کا قطعاً ثبوت نہیں۔ اس طرح الزام دینا علماء کی شان نہیں۔

کتابیں کھول کر دیکھو کہ اہل حدیث خلفاء کی طرف اس نسبت کو مانتے ہی نہیں۔ پس یہ الزام صریح بہتان ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے اس کو کہ وہ بیس کو خلفاء سے ثابت مانتے ہیں۔

واذا بطل اللازم بطل الملزوم۔

قولہ صفحہ ۵۲ سطر ۱۵ "شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے مجتہدین کی مدح میں طویل کلام فرمایا" الخ

اقول: لیکن مقلدین کی تو تعریف نہیں کی۔ باقی جو آپ نے اس کے کلام کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ اس پر بحث آتی ہے۔ اس میں ہر ایک کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی ترغیب ہے نہ کسی کی تقلید کرنے کی اور غیر منصوص مسائل کے لیے بھی اجتہاد کرنے کا ذکر کیا نہ کہ قیاس کا یعنی نصوص میں تلاش جاری رکھے۔ کما ذکرنا۔

قولہ صفحہ ۵۳ سطر ۵ "تشریع انبیا اور تشریع فقہا" الخ

اقول: فقہا کو تشریع کا حق دینا بھی دین میں جرأت اور حاکم اعلیٰ جل شانہ پر تحکم ہے

تشریح کا حق اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو نہیں دیا۔ ثانیاً آپ نے انبیاء کو معصوم اور فقہاء کو غیر معصوم بتایا ہے اور معصوم کی بات کا اخذ ضروری اور غیر معصوم کی تحقیق طلب ہے بلکہ اس میں معصوم کی تائید ضروری ہے۔

یہ سب تحقیقی مناصب ہیں۔ تقلید نہیں رہ سکتی۔ ثالثاً آپ نے نبی کی تشریع کو قطعی اور فقہاء کی تشریح کو ظنی قرار دیا ہے۔ پس جو گمان اور تخمین ہو وہ قطعی کی تائید کے بغیر کیسے قابلِ اتباع ہوگی۔ الغرض وہی اتباع الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوا نہ اتباع الفقہاء۔

قولہ ص۵۳ س۹ "انبیاء کرام کی تشریع مستقل ہے اور فقہاء کی تشریع کتاب و سنت کے تابع ہے"

اقول: پس اتباع متبوع کا ہوگا نہ تابع کا۔ نیز اتباع باعتبار فرع کے ہوتے ہیں اگر مختلف ہوں گے تو رجوع الی الاصل ہوگا۔ پھر وہی اتباع دلیل ہوئی نہ کہ تقلید کی۔

قولہ ص۵۳ س۱۱ "اگر فقہا کو حضرات انبیاء کی طرف سے کتاب و سنت کا مادہ عطا نہ کیا جاتا تو اجتہاد اور استنباط پر قادر نہ ہوتے"

اقول: کیا اس استنباط اور اجتہاد میں ہمیشہ مصیب ہوتے ہیں یا کبھی مصیب کبھی مخطی؟ علی الاول آپ ان کو نبی بنا گئے۔ حالانکہ ابھی قبول کر آئے ہیں کہ انبیاء معصوم اور فقہاء غیر معصوم ہیں۔ وعلی الثانی۔ آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو محفوظ عن الخطا چیز دی۔ پھر وہ اس میں مخطی کیسے ہوتے ہیں بلکہ ہر ایک مجتہد خداداد لیاقت کے ماتحت مسائل نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایضاً جو قول خطا و صواب کا محتمل ہو اس کو بلا تحقیق لینا روا نہیں۔

قولہ ص۵۵ س۱۳ "احکام شرعیہ میں ناسخ منسوخ ہیں اور احکام اجتہادیہ میں یہ رجوع

عن الاجتہاد ہے۔"

اقول: نسخ کا ہونا خدا کے حکم سے ہے اور ناسخ حکم یقینی ہوتا ہے لیکن مجتہد کا رجوع اس کے اجتہاد کی بنا پر ہے اور "المجتھد قد یخطی ویصیب" مسلم امر ہے۔ پس کیا خبر کہ اس کا پہلا اجتہاد مرجوع عنہ صحیح ہے یا دوسرا مرجوع الیہ؟ بے شک مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے۔ لیکن پہلے اور دوسرے دونوں میں خطا کا احتمال ہے۔ بخلاف وحی کے وہ پہلا حکم بھی حق تھا اور جو نیا آیا وہ بھی حق ہے۔ فاین ھذا من ذا۔

قولہ صـ۵۳ سـ۱ "الغرض اجتہاد ایک لمعہ لمعات تشریع میں سے" الخ

اقول: سورج کی شعاعیں واقعی اسی کی ہوتی ہیں لیکن کیا جبریہ اقوال وحی کے عین یا اسی سے ماخوذ تو بجائے خود اس کے موافق بھی ہیں یا نہیں پس ان کو حتمی طور پر نور وحی کی شعاعیں کہنا غلط ہے نیز ان اقوال کا آپس میں مختلف ہونا خود بتاتا ہے کہ سورج وحی کی شعاع دیر تو یہ سب نہیں۔ لہٰذا ایک کے سوا باقی سب اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ تمثیل و تشبیہ درست نہیں ہے۔

قولہ صـ۵۳ سـ۳ "اسی طرح احکام قیاسیہ شریعت کی طرف منسوب ہوں گے" الخ

اقول: جس تشبیہ پر یہ متفرع تھا وہ غلط نکلی پس یہ بھی ایسا سمجھیں۔

قولہ صـ۵۳ سـ۵ شیخ فرماتے ہیں کہ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد (الی قولہ) جو تشریع احکام میں انبیاء کے وارث ہوں کہ اجتہاد و استنباط سے احکام شرعیہ کی تشریع اور تشریح فرمائیں۔

اقول: غیر نبی کو تشریع کا حق نہیں ملا ہے۔ البتہ ان کی تشریح کرتے ہیں لیکن وہ بھی دیکھی جائے گی کہ کونسی تشریح اصل (قرآن وحدیث) کے موافق ہے۔ کیونکہ تشریحات مختلف

ہیں۔ لہٰذا علی الاطلاق حجت نہیں یا تو سب متفق ہوں یا پھر مختلف فیہ کی تحقیق کی جائے گی۔

قولہ ص۵۴ س۱، "سو الحمد للہ اس اُمّت کے مجتہدین کو" الخ۔

اقول: یہ فضیلت کسی زمانہ سے خاص ہے نا ہر زمانہ کے لیے ہے۔ اگر خاص ہے تو کس کے لیے ہے اس کی دلیل کیا ہے۔ نیز اس بنا پر صحابہ کے بعد کون اس منصب پر رہ سکتا ہے۔ وعلی الثانی اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ غلط ہوا بلکہ لازمی ہے کہ ہر زمانہ میں اجتہاد رہنا چاہیئے جو تقلید کے منافی ہے۔

قولہ ص۵۴ س۱۲، "اس امت کے علماء اور فقہاء کا حشر قیامت میں انبیاء اور مرسلین کی صفوف میں ہوگا۔"

اقول: "لیکن مقلدین کا حشر کن کی صفوف میں ہوگا؟"

قولہ ص۵۴ س۱۳: "اور یہ اجتہاد امت محمدیہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔"

اقول: "پھر ان کو تقلید پر مجبور کیوں کرتے ہو"؟

قولہ ص۵۴ س۱۵، "اور بظاہر اجماع کی حجیت وہ بھی اسی امت مرحومہ کا خاصہ ہے۔"

اقول: لیکن جہاں اجماع نہ ہو وہاں کیا حکم ہے۔؟

"وما اختلفتم فیہ من شئ فحکمہ الی اللہ" فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول۔

قولہ ص۵۵ س۱، "مجتہدین کا قیاس اور استنباط تو تشریع انبیاء کی وراثت بھی اور اجماع بظاہر عصمت کی وراثت ہے۔"

اقول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو قیاس نہیں کرتے تھے بلکہ وحی کا انتظار کرتے تھے۔ پھر قیاس کیسے آپ کی وراثت ہوئی اور اجماع اگر عصمت کی وراثت ہے تو اس کے معنی کہ بصورت

اختلاف کسی کا قول معصوم نہیں۔ پھر اس کا اتباع کیسے لازم ہوگا۔

قولہ صفحہ ۵۵ سطر ۲: "قیاس اور استنباط میں ہر مجتہد فرداً فرداً وارث ہوا لیکن عصمت عن الخطاء یہ خاصہ نبوت کا ہے اس لیے عصمت عن الخطاء کی وراثت مجموعۂ اُمّت کو بزنگِ اجماع عطاء کی گئی" الخ

اقول: معلوم ہوا کہ قیاس غیر معصوم ہے اور معصوم کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر خطاء و صواب کا فرق معلوم نہیں ہوگا۔ نیز معصوم چیز کیسے نبیوں کا ورثہ بن سکتی ہے۔

قولہ صفحہ ۵۵ سطر ۵: "حق تعالیٰ شانہ کی تقسیم ہے (الیٰ قولہ) اس لئے کتاب کو نسبت سے یہ نسبت ولائت کے علم کا پلّہ بھاری رکھا۔

اقول: بلاشک کرامت وغیرہ حجت شرعیہ نہیں اور ولایت سے شریعت کا پلّہ بھاری ہے۔ لیکن شریعت وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو نہ کہ امتیوں کے قیاسات و آراء اسی طرح علماء ربانیین علوم شرعیہ کے وارث ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ صرف قرآن و حدیث ہے اور یہی دو چیزیں آپ نے چھوڑی ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں کہ

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔ (الموطاء صفحہ ۳۶۳)

دو چیزیں آپ میں چھوڑ جاتا ہوں۔ اگران کو مضبوط پکڑا تو ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے۔ قرآن و حدیث۔

یہ حدیث اگرچہ امام مالکؒ کی بلاغات میں سے ہے لیکن کئی طرف سے مسنداً مروی ہے۔ دیکھو التمہید لابن عبد البر والاحکام لابن حزم وغیرھما۔ پس یہی آپ کا ورثہ ہے اور قیاس نہ آپ نے کیا نہ آپ کا ورثہ ہے نہ ہی قیاس کرنے والا آپ کا وارث کہلا سکتا ہے۔

قولہ ص۵۵ س۱۲: "ظاہر نصوص کا اتباع تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظاہر نصوص کی اتباع واجب ہے" الخ

اقول: لیکن قیاس کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے "فدع ما یریبک الی مالا یریبک"

قولہ: ص۵۵ س۱۳: "اور نصوص کے مقابلہ میں قیاس قطعاً ناجائز اور حرام ہے"

اقول: اسی لیے ہمارا کہنا ہے کہ جس مسئلہ میں ہم کو نص نظر نہ آتے سکوت کرنا چاہیے اور دلیل کی تلاش کرنی چاہیے کیونکہ اگر قیاس کیا تو ممکن ہے کہ نص کے خلاف ہو۔

قولہ ص۵۵ س۱۴: "مگر ظاہر نصوص کا اتباع کا یہ مطلب نہیں کہ آیت قرآن اور حدیث نبوی کا جو لفظی ترجمہ ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے"

اقول۔ سب اسی طرح عمل کرتے آتے ہیں۔ الا وہ نص جس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے علماء سے مشورہ کیا جائے۔

قولہ: ص۵۵ س۱۵: "جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود تو ایک صحابی نے خیط ابیض اور خیط اسود الخ۔

اقول: یہاں مطلب صاف نہیں تھا اس لیے اس کو خطا لاحق ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"ظاہر نصوص کا اتباع جب واجب ہے جبکہ وہ نص صریح ہو یعنی مراد اس کی ظاہر ہو کسی دوسرے معنی کا اس میں احتمال نہ ہو" ص۵۶ س۸۔

ثانیاً۔ یہاں سے ایک اور بات نکل آئی ہے کہ جب صحابی جو کہ علم و شریعت کی تشریح میں سب سے اعلم و افضل تھے۔ ان سے بھی نصوص سمجھنے اور استنباط کرنے میں خطا واقع ہوئی تو دوسروں سے ان کی نسبت زیادہ امکان ہے لہٰذا کسی کا تفقہ ہم پر حجت نہیں جب تک اس کو اصل نصوص کے الفاظ سے مقابلہ نہ کریں۔

قولہ ص۵۶ س۳ "صحابہ تھے اہل زبان بظاہر ظاہر نص پر عمل فرمایا مگر صاحب شریعت نے اس کا اعتبار نہ فرمایا" الخ

اقول:۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور چیز ہے اور قیاس واستنباط اور نیز شریعت فقہا کے تفقہ پر موقوف نہیں بلکہ ان کے تفقہ کا برصواب ہونا نصوص کے دیکھنے پر موقوف ہے نیز یہ سب چیزیں اجتہاد کو چاہتی ہیں نہ کہ تقلید کو۔

قولہ ص۵۶ س۵ "ایسی ظاہریت پر مزاح سنّت نبوی ہے" الخ

اقول: یہ ظاہریت نہیں یہ خطائی الاجتہاد ہے جو اہل الظاہر خواہ اہل القیاس سب سے واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن جو مسائل آپ کے فقہا کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں ان پر مزاح کرنے کی اجازت دو گے؟ مثلاً۔

۱۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی قاضی خان ص۱ج ۱ میں ہے کہ

ولو صلی و فی عنقہ سن کلب او ذئب یجوز صلوتہ

کتے یا بھیڑیے کے دانتوں کا ہار پہن کر نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

۲۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب شامی ص۱۱۱ ج ۱ میں ہے کہ

فرج البھیمۃ کفمھا لاغسل فیہ بغیر انزال۔

جانور کی شرم گاہ اس کے منہ کے برابر ہے اس میں وطی کرنے پر جب تک انزال نہ ہو غسل نہیں۔

۳۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب دُرِّ مختار ص۱۹ طبع ہند میں ہے کہ

واما فی دبر نفسہ فرجح فی النھر عدم الوجوب الا بانزال

اپنے عضو کو اپنی دبر میں داخل کرنے پر غسل نہیں جب تک انزال نہ ہو۔

۴۔ مشہور درسی فقہ کی کتاب ہدایہ جس کے پڑھنے کی آپ نے بھی ترغیب دی ہے اس کے صفحہ ۲۰۱ ج ۱ میں ہے کہ

ولو جامع میتة او بهیمة فلا کفارة علیه انزل او لم ینزل۔

روزہ کی حالت میں مُردہ عورت یا جانور سے وطی کی تو اس پر کوئی کفارہ نہیں انزال ہو یا نہ ہو۔

۵۔ در مختار صفحہ ۱۴۷ طبع ہند میں ہے کہ

او مس فرج بهیمة او قبلها فانزل۔

جانور کی شرمگاہ کو ہاتھ لگایا یا بوسہ دیا اور انزال ہو گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۶۔ قاضی خان صفحہ ۲۰۶ ج ۴ میں ہے کہ

لو استاجر امرأة لیزنی بها فزنی بها لا یحد فی قول ابی حنیفه۔

اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کے لیے کرایہ پر لے آئے اور اس کے ساتھ زنا بھی کرے تو بقول امام ابی حنیفہ رہ اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

۷۔ شامی صفحہ ۱۰۳ ج ۲ میں ہے کہ

اپنی بیوی یا خادمہ کے ہاتھ سے مشت زنی کرانا جائز ہے۔

۸۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۵۴ ج ۴ میں ہے کہ

اذا ادخل الرجل ذکره فی فم امرأته قد قیل یکره وقد قیل بخلافه۔

اپنی بیوی کے منہ میں اپنا مخصوص عضو داخل کرنا بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔

۹۔ عالمگیری ص ج ۳ میں ہے کہ

اذا ذبح کلبہ وباع لحمہ جاز

اپنا کتا ذبح کر کے اس کا گوشت بیچے تو جائز ہے۔

۱۰۔ درمختار ص ۱۱ طبع ہند میں امامت کی ترتیب یہ ہے کہ

ثم الاحسن زوجۃ۔

پھر وہ نماز پڑھائے جس کی بیوی زیادہ حسین ہو۔

۱۱۔ شامی ص ج ۱ میں ہے کہ

یجدد نکاح امرأتہ عند شاهدین فی کل شهر مرة او مرتین

احتیاطاً ہر مہینہ ایک یا دوبار دو شاہدوں کے سامنے اپنی بیوی کا نکاح نیا کرے۔

۱۲۔ دُرِّ مختار ص ۲۲ طبع ہند میں ہے کہ

ویتخذ جلده مصلاً ودلوا

کتے کی کھال سے جائے نماز یا کنویں کے لیے ڈول بنانا درست ہے۔

۱۳۔ فتاوی سراجیہ ص ۱۵۲ میں ہے کہ

اذا أراد أن یحیل لامتناع وجوب الزکوٰة لما خاف أن لا یؤدی فیقع فی المأثم فالسبیل أن یهب النصاب قبل تمام الحول من یثق به ویسلمه إلیه ثم یستوهبه۔

زکوٰۃ نہ دے اور گناہ سے بھی بچ جائے۔ اس کے لیے یہ راستہ ہے کہ کسی قابل اعتماد آدمی کو اپنا مال جو نصاب کو پہنچ چکا ہو سال پورے ہونے سے

پہلے ہبہ کر دے پھر وہ شخص دوبارہ اس کو ہبہ کے طور پر وہ مال دے دے۔

ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ اب علامہ صاحب بتائیں کہ ان مسائل واجتہادات پر نزاع کرنا سنت ہے یا فرض یا کیا؟

قولہ ص۵۶ س۸ "ظاہر نصوص کا اتباع جب واجب ہے جب کہ وہ نص صریح ہو یعنی اس کی مراد ظاہر ہو"

اقول:۔ اگر ظاہر نہ ہوگی تو متعذر العمل ہوگی یہ نص کی توہین ہے۔ اگر کہو گے کہ جو مراد ائمہ نے بتائی ہے وہی لی جائے گی تو بھی غلط ہے۔ اس لیے ان کا مراد بتانا مختلف ہے۔ اب تین صورتوں کے سوا چوتھی نہیں ہو سکتی یا تو سب کو چھوڑ دو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نص پر عمل نہ رہے گا اور خود آپ بھی ایسی اجازت نہیں دیتے اور یا تو جس کو چاہے اس کی مراد کو لے لے یہ تلاعب بالدین واتباع الھوی والنفس ہوگا اور یا تو جس مراد کو دلائل کے لحاظ سے صحیح پائے اس کو لے لے۔ یہ اجتہاد ہوگا نہ تقلید۔

قولہ ص۵۶ س۹ "اور نہ وہ منسوخ ہو"

اقول:۔ جب ناسخ نظر نہیں آتا اور نہ ہی نسخ کی کوئی وجہ نظر آئی تو وہ نص محکم غیر منسوخ ہے کیونکہ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (البقرۃ ع ۴۰ پ۳) اور اس پر عمل واجب ہو گیا۔

ثانیاً یہی عذر اقوال ائمہ میں بھی ہو سکتا ہے کیا خبر کہ امام کا یہ قول قدیم ہے یا جدید اور مرجوع منہ تو نہیں جو وہاں کرے گا یہاں بھی وہی کرے گا اور آپ امام کے رجوع کو بھی نسخ بتا کر آئے ہیں جیسا کہ لکھ چکے ہیں کہ

"احکام شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ ہیں اور احکام اجتہادیہ میں رجوع

عند الاجتہاد ہے" ۱/ ص۵۳ س۱۲۔

پس جب یہاں مانتے ہیں تو وہاں بھی ماننا پڑے گا۔ لان قول الرسول علیہ السلام لا ینزل عن قول المفتی' ہدایہ ص۲۰۶ ج ۱۔

قولہ ص۵۶ س۱۰" اور نہ کوئی دلیل قوی اس کے معارض ہو"

اقول: جب اس کو معارض نظر نہیں آیا تو وہ حدیث اس کے لیے سالم عن المعارض ہوئی ثانیاً تعارض کے وقت اگر ایک طرف ترجیح ہے یا دونوں میں تطبیق ممکن ہے تو ایسی صورت میں تعارض متصور نہیں اور بصورت دیگر ایسا تعارض اضطراب شمار ہوتا ہے اور یہ بات تتبع کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ثالثاً یہی وجہ امام کے قول پر عمل کرنے سے بھی مانع ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے امام کا قول جو اس کے معارض ہے وہ زیادہ قوی اور مضبوط ہو لہٰذا تقلید بڑے خطرے کی راہ ہے اور تحقیق لازمی ہے۔

قولہ ص۵۶ س۱۰" اور نہ شریعت کے اصول مقررہ کے خلاف ہو"

اقول:۔ جو نص صحیح اور ثابت و سالم عن الجرح والعلل ہو گی وہ کبھی اصول شرعیہ کے خلاف نہیں ہو سکتی نیز اصول شرعیہ نصوص سے ماخوذ ہیں یا کسی اور چیز سے علی الاول نصوص من عند اللہ ہیں ان میں ایسا تخالف نہیں ہو سکتا ہے وعلی الثانی اس کے مخالف نصوص میں قادح نہیں ہو سکتی۔ ایضاً یہی احتمال امام کے قول میں بھی ہو سکتا ہے۔

قولہ ص۵۶ س۱۱" ایسی نصوص کے ہوتے ہوئے عالم تو کیا ادنیٰ مومن بھی قیاس کر جائز نہیں سمجھتا" الخ -

اقول:۔ دل سے کوشش کرے گا تو مل سکتی ہے نیز یہ بات مسلم ہے کہ بعض نصوص پر کسی کو اطلاع ہوتی ہے اور کسی پر بعض کو" وفوق کل ذی علم علیم" جس کا مطلب ہے کہ فی الوقت

نص کے نہ ملنے سے عدم وجود النص کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ تلاش جاری رکھی جائے گی۔ کما مر۔ کیونکہ نص کے پاتے جانے کا امکان ابھی باقی ہے اور نص کے ہوتے ہوتے قیاس کو آپ بھی شیطانی کام بتاتے ہیں۔

قولہ ص۵۶ س۱۳ "ہاں اگر اس نص میں حقیقت اور مجاز یا اشتراک معنی کی وجہ سے دو احتمال ہوں اور کوئی مجتہد اپنی فہم و فراست سے کسی ایک احتمال کو ترجیح دے تو یہ نص ہی پر عمل کرنا سمجھا جاتے گا" الخ

اقول:۔ اس پر سب متفق ہیں کہ جب تک حقیقت متعذر نہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔ اسی طرح مشترک کی تعیین بھی دلیل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اب اگر مجتہد اس کا تابع ہے اور دلیل متبوع ہے اور تابع متبوع پر قاضی نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر قاضی دلیل ہی ہو سکتا ہے نہ مجتہد متفکر۔

قولہ ص۵۶ س۱۷ "صحیح بخاری میں ہے کہ احزاب کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا" الخ

اقول:۔ یہاں دونوں فریق نے اجتہاد کیا نہ کسی کی تقلید کی اسی واسطے ان کی نماز بحال رکھی گئی اور دونوں نے حسب فہم اپنے عمل کئے نہ کسی دوسرے مجتہد کے فہم کے پیچھے چلے۔ لہٰذا یہ حدیث خارج عن النزاع ہے اور یہاں قیاس بھی نہیں ہے کیونکہ کسی نے غیر منصوص مسئلہ میں منصوص کا حکم جاری نہیں کیا۔ جنھوں نے وہاں بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ وہ بظاہر نص کی وجہ سے جیسا کہ خود مانتے ہو اور جنھوں نے راستہ میں پڑھی ان کے لیے بھی آپ نص ہی بتلاتے ہیں یعنی آیت قرآنیہ "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (النساء ع ۱۵ پ۵) یہ سارا عمل نصوص پر ہوا نہ قیاس ہے نہ تقلید۔ ثانیاً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونوں پر ملامت نہیں

کی تو پھر ظاہری الفاظ پر عمل کرنا معیوب نہیں ہوا کیونکہ جنھوں نے بقول شما عشاء کے بعد نماز پڑھی حالانکہ صریحاً آیت قرآنیہ کے خلاف وقت کو بدلا گیا لیکن تاہم پھر بھی آپ نے اس ظاہریت کی ملامت نہیں کی تو پھر آپ کون ہیں ملامت کرنے والے؟ ثالثاً بلکہ اگر دیکھا جائے کہ بظاہر الفاظ پر عمل کرنا یہاں سے بہتر معلوم ہوا کیونکہ اگر انصاف کی ترازو میں دونوں کو تولا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ وقت کے اندر نماز پڑھنا آیاتِ صریحہ اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کی رو سے بالکل فرض اور لازمی ہے یہاں تک کہ اگر وقت نکل گیا اور عمداً نماز نہیں پڑھی تو کئی علماء نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دیا ہے تو جنھوں نے راستہ میں وقت پر نماز پڑھی ان کے لیے تو بہت سے قرآئن داعیہ تھے لیکن فریق ثانی کے لیے ظاہر الفاظ نبویہ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر بھی ان کو بحال رکھنا ظاہریت پر عظیم دلیل ہے۔

قولہ صفحہ ۵۸ سطر ۱: "حق جل شانہ نے جس کو عقل سے کچھ بھی حصہ عطاء فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عمل بالرائی اور قیاس بمقابلہ نص نہیں ہے۔"

اقول: بلکہ قیاس ہی نہیں کیونکہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا منصوص ہے۔ یہاں کسی غیر منصوص کو منصوص پر متفرع نہیں کیا گیا ہے۔

قولہ صفحہ ۵۸ سطر ۹: "بلکہ اجتہاد فی مراد النص ہے۔"

اقول:۔ اس کو قیاس نہیں کہتے اور یہی فرق مابین اجتہاد و قیاس ہے

قولہ صفحہ ۵۸ سطر ۷: "فریق اول نے محض لفظ پر عمل کیا اور فریق ثانی نے ظاہر معنی اور ظاہر مراد پر عمل کیا۔" الخ

اقول:۔ لیکن فریق اول کے لیے خطاء کا احتمال نہیں رہتا۔ بخلاف فریق ثانی کہ فہم المراد میں خطا ہو سکتی ہے اور جو بات ظاہر الفاظ سے نکلتی ہے وہ اصوب ہوتی ہے۔ جب ہم نے دیکھا کہ

شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بحال رکھا تو ظاہر الفاظ پر عمل کرنے کا طریقہ اسلم رہا۔ اس لیے کہ اس میں خطرہ نہیں ہے۔ باقی دوسرا طریقہ ایسا نہیں۔ اس میں دونوں احتمال رہتے ہیں۔ کیونکہ "المجتہد قد یخطی ویصیب" اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فریق اول کو اس لیے بحال رکھا کہ ان کا طریقہ صحیح تھا اور فریق ثانی کو اس لیے کہ وہ اجتہاد میں مصیب ہوئے۔ ورنہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں کئی بار صحابہ کے اجتہاد کو خطاء قرار دیا۔ مثلاً عمار بن یاسر کی حالت جنبی میں بوجہ پانی نہ ملنے کے زمین پر اونٹ کی طرح لیٹنے کو آپ کا غلط قرار دینا اور تیمم کو کافی تبانا مشہور ہے ایسی اور کئی مثالیں ہیں جو امام ابن حزم نے الاحکام ص۸۶ ج ۶ میں نقل کی ہیں۔ جنگ اُحد کے وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے تحت ایک جماعت کو کسی خاص مقام پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ خواہ ہماری شکست ہو یا فتح جب تک میں حکم نہ دوں یہ جگہ نہ چھوڑنا لیکن انھوں نے مسلمانوں کی فتح اور مال وغنیمت جمع کرتے دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے اور وہیں سے کفار نے دوبارہ حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہوگئے۔ یہ واقعہ بخاری ص۴۵۱ ج ۳ مصری اور فتح الباری ص۲۲۶ ج ۷ میں مذکور ہے۔ دیکھو یہاں انھوں نے ظاہر الفاظ نبویہ پر عمل نہیں کیا اور جو ان کو مفہوم ومراد سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا لیکن انھوں نے اپنی سمجھ میں غلطی کی اور خطا کھائی لیکن اگر ظاہر الفاظ پر عمل کرتے تو نہ غلطی ہوتی نہ یہ نقصان لاحق ہوتا جس کا صاف مطلب ہے کہ ظاہر الفاظ کو چھوڑنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

قولہ: ص۵۵ س۱۰ اور فریق اول اس سعادت اور فضیلت سے محروم رہا۔

اقول: لیکن خطاء کا امکان بھی نہ رہا اور فہم المراد میں خطاء کا امکان موجود ہے۔

قولہ ص۵۵ س۵ "قال الحافظ ابن القیم فحاز قدما الفضیلتین" الخ

اقول: لیکن یہ باعتبار اصابتہ فی الاجتہاد ہے اور یہ مسلم ہے کہ اجتہاد میں خطاء کا احتمال

رہتا ہے اور ظاہر الفاظ میں صرف اتباع وانقیاد ہے۔ امام ابن حزم جوامع السیرۃ ص۱۹۲ میں فرماتے ہیں کہ

وعلم اللہ تعالی اننا لوکنا ھناك ما صلینا العصر فی ذالك الیوم الا فی بنی قریظۃ ولو بعد ایام ولا فرق بین نقلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ فی ذالك الیوم الی موضع بنی قریظۃ وبین نقلہ صلوٰۃ المغرب لیلۃ مزدلفۃ وصلوٰۃ العصر من یوم عرفۃ الی وقت الظہر والطاعۃ فی ذالك واجبۃ اھ۔

اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ اگر اس موقع پر ہم ہوتے تو اس دن کی عصر نماز بنی قریظہ ہی میں جاکر پڑھتے خواہ کتنے دن کے بعد جاکر یہاں پہنچتے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس دن کی نماز کو بنی قریظہ کی طرف منتقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مغرب کو مزدلفہ کی رات اپنے وقت سے منتقل کیا یا عرفہ کے دن عصر کو ظہر کی طرف منتقل کیا ان میں کوئی فرق نہیں سب میں اطاعت وتابعداری واجب ہے۔

ایضاً: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فریق ثانی پر اس لیے ملامت نہیں کی کہ ان کا قصد خیر کا تھا اور ملامت اس پر ہو سکتی ہے جو کسی کام کو برا سمجھ کر پھر بھی اس کو کرے۔

قولہ ص۵۰ س۱۳: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مجھ کو اپنے نعلین مبارکین عطا فرماتے الخ

اقول: یہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امیر عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو مصیب اور صحیح قرار دیا۔ تو یہ مسئلہ منصوص ہوا نہ رائے رہی نہ قیاس نیز کئی بار امیر عمر کی رائے کو آپ نے

خطا بھی قرار دیا ہے مثلاً صلح حدیبیہ کے وقت نیز جب حاطب بن ابی بلتعہ پر بوجہ آپ کے راز ظاہر کرنے کے تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نص کا توافق شرط ہے۔ اس کے دیکھے بغیر قیاس ورائے کوئی چیز نہیں۔

قولہ ص۵۹ سہ "مگر حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کر لوگوں پر تکاسل اور تغافل کا غلبہ ہے" الخ

اقول: انسان کی سمجھ خطاء وصواب دونوں کی متحمل ہے۔ پس اس واقعہ پر رائے د تفقہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جس رائے کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے بحال رکھا وہ صحیح ہے۔ دوسری نہیں۔

قولہ ص۵۹ سنا "جو بظاہر حکم نبوی کے صریح خلاف تھا"

اقول: معاذ اللہ ایسا کہنا درست نہیں۔ جب آپ نے بحال رکھا تو پھر مخالفت کیسی یہ اس قیاس سے ہزار بار بہتر ہے جس کی موافقت میں نص نہیں ملتی۔

قولہ ص۵۹ سنا "مگر علت اور منشاء کے اعتبار سے عین موافق تھا"

اقول: کیا معاذ اللہ یہ علت ومنشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا؟ اور امیر عمرؓ کا علم وفراست آپ سے زیادہ تھی ہرگز نہیں۔ صرف یہ ہے کہ آپ نے اس کی رائے کو مصیب قرار دیا اگر خطا قرار دیتے تو خطا ہی ہوتی ثابت ہوا کہ رائے خطاء وثواب کا مجموعہ ہے جس کے لیے فیصلہ قرآن وحدیث سے ہوگا۔

قولہ ص۵۹ س۱۲ "اہل ظاہر کی نظر ہمیشہ ظاہر لفظ پر رہتی ہے اور فقہاء کی نظر ہمیشہ علت اور منشاء پر رہتی ہے"

اقول۔ ع رضینا قسمة الجبار فینا۔ الفاظ پر عمل ہر لحاظ سے خطرہ سے خالی ہے اور منشاء وعلت سمجھنے میں انسان خاطی ہو سکتا ہے جیسا کہ واقعہ اُحد میں پیش آیا۔

نیز یہ جب ہو سکتا ہے کہ ہر حکم کی علت و منشا ہم کو معلوم ہو اور پھر وہ بھی نص ہی ہو گی۔

قولہ ص۹۵ س۱۵ "اہل ظاہر فقط لسان نبوی اور شفتین کی حرکت دیکھتے ہیں"

اقول:۔ اسی کے ہم مامور ہیں "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

(الاحزاب ۳۳ پ۲۱)

جب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ کو قریش نے آپ کی احادیث لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ انسان ہیں، رضا و خوشی اور غصہ دونوں میں بولتے ہیں تو عبداللہ نے لکھنا روک دیا آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

اکتب نوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ الا الحق (سنن دارمی ص۶۷)

لکھتا جا (یعنی جو سنے) کیونکہ خدا کی قسم میرے اس منہ (مبارک) سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا ہے۔

ثابت ہوا کہ آپ کے منہ مبارک کو ہی دیکھنا ہے۔

قولہ ص۹۵ س۱۶ "اور حضرات فقہا خداداد اور نور فہم اور نور فراست سے قلب نبوی اور خاطر عاطر کی حرکات ارادیہ کو دیکھ کر مراد نبوی کو معلوم کرتے ہیں" الخ

اقول: اولاً "اللسان ترجمان الجنان" جب تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) زبان فیض ترجمان سے نہ بولیں تو دل کی مراد کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

ثانیاً فہم و فراست یہ سب تخمینی اشیاء ہیں۔ یقینی نہیں ہیں۔

ثالثاً کیا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس خداداد نور فراست و فہم سے بے بہرہ تھے؟ حاشا اللہ بلکہ وہ ان فقہا سے بدرجہا زیادہ بہرہ ور تھے پھر کیا وجہ ہے کہ ان سے بھی بعض اوقات فہم مراد میں خطا واقع ہو جاتی تھی۔ کیا دوسروں سے ایسا ممکن نہیں بلکہ ہر وقت ڈر رہتا ہے۔

رابعاً یہ بھی عجیب ہے کہ مراد نبوی آپ کے الفاظ سے تو ظاہر نہ ہو اور آپ کی دل سے معلوم کر لیا جائے۔

قولہ ص۵۹ س۱۹ "صحیح مسلم میں ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن (الی قولہ) ظاہر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کی کتابت نہ کی جائے۔ کتابت صرف قرآن کی کی جائے گی فقہائے ملت نے یہ سمجھا کہ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کو خلط نہ کیا جائے" الخ

اقول:۔ اولاً یہاں بھی الفاظ نص پر عمل ہے اسی طرح کہ پہلے منع تھی بعد میں اجازت ہو گئی چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

استاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتابۃ عنہ فاذن لہ۔

"اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی حدیثیں لکھنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت فرمائی"

علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری ص۱۶۹ ج ۲ طبع منیریہ میں اس روایت کو بحوالہ مسند احمد اور المدخل للبیہقی لا کر کہتے ہیں کہ "اسنادہ حسن" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نہی قبل تھی بعد میں اجازت مل گئی اور صحابہ جو آپ سے سنتے تھے لکھتے جاتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب الحدیث

(سنن الدارمی ص۶۸)

"ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد بیٹھے حدیثیں لکھتے رہتے تھے"

ثانیاً اس روایت کے راوی زید بن ثابت بھی ہیں کما فی عمدۃ القاری ص۱۶۹ ج ۲ منیریہ اور وہ خود لکھتے تھے اس کا دربار نبوی میں کاتب ہونا محدثین اور اہل السیر والتاریخ کے ہاں مشہور و مسلم ہے۔ پس بر جب اصول حنفیہ روایت منسوخ ہوئی کیونکہ ان کا اصول ہے کہ راوی جب اپنے

مروی کے خلاف عمل کرے یا فتویٰ دے تو وہ اس کے نسخ پر دلیل ہے۔ کما فی نور الانوار ص۱۵۵ وغیرہ۔

ثالثاً یہ روایت مسند احمد ص۱۲ ج۳ میں ابوہریرہ رضہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ کہ "امحضوا کتاب اللہ او اخلصوہ" یعنی کتاب اللہ کو خالص رکھو ثابت ہوا کہ صرف فقہاء کا فہم المراد نہیں بلکہ نص بھی ہے۔

رابعاً کتابت حدیث کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم ص۱۴۱ ج۲ میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری ص۱۶۷ ج۱ میں اس پر تصریح کی ہے اور اجماع خود دلیل ہے۔

خامساً۔ فقہاء نے جو مراد سمجھی ہے اس کو صحیح سمجھنا بھی آپ کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ قضیہ اتفاقی ہے۔ اس لیے کہ فقہا فہم مراد میں ہمیشہ مصیب نہیں ہوتے ہیں آپ کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ہر وقت مصیب ہوں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ

ان القضایا التی یوثق بھا ھی التی تصدق ابدا الا التی تصدق مرۃ وتکذب اخری (التقریب لحد المنطق ص۶۵)

"اعتماد انہی قضایا پر کیا جا سکتا ہے جو کہ ہر وقت صادق آتے ہوں۔ نہ ان پر جو کبھی صادق آتے ہوں اور کبھی نہیں"۔

قولہ ص۲۶ س۱ "اجتہاد" الخ

اقول:۔ اس عنوان کے تحت اجتہاد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ

"اور اصطلاح و شریعت میں اپنے فہم ثابت کے ذریعے احکام شرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ سے معلوم کرنے کے لیے انہی طاقت فکریہ کو خرچ کر دینے کا نام اجتہاد ہے" ص۲۶ س۱۳۔

پھر اس عبارت کی تشریح میں یوں لکھتے ہیں کہ

یعنی جو شخص براہ راست اپنی خداداد فہم کے ذریعے سے کتاب وسنت کے اصول وفروع کا اور دین کے مقاصد کلیہ اور جزئیہ کا استنباط اور استخراج کر سکے اور فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات اور مفسدات اور مکروہات اور حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تعیین اور تمیز کر سکے وہ مجتہد ہے" اجتہاد کی حقیقت یہ ہے۔" صفحہ ۶ سطر ۱۵۔

اب ناظرین غور فرمائیں کہ یہ امام شوکانی کے سابق قول اور متاخرین پر متقدمین کی نسبت اجتہاد سہل وآسان ہے" کی تصدیق نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید کی تفاسیر کی کثرت کسی میں تفسیر بالروایات کسی میں لفظی تحقیق تو کسی میں احکام کا استنباط اور استخراج۔ اسی طرح کتب احادیث کی کثرت پھر ہر ایک کتاب کی کئی شرح پھر اصول حدیث وفقہ کی کتب پھر قوانین عربیہ کے دفاتر کیا یہ سب اجتہاد کو آسان کرنے کے اسباب نہیں ہیں۔ آج کل کے علماء ومفتیان کتابوں کو دیکھ کر متقدمین کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ قرآن وحدیث سے مسائل نکال سکتے ہیں خود مصنف رسالہ "اجتہاد وتقلید" نے قواعد کی مدد سے دلائل سے استدلال کیا ہے۔ کیا اب بھی وہ غیر مقلد نہیں؟ ہر ایک مفسر نے ایک آیت سے کئی مسائل نکالے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرے آنے والے متاخر نے اسی آیت سے زیادہ مسائل نکالے ہیں۔ اسی طرح ایک محدث نے کسی حدیث سے کچھ مسائل نکالے۔ دوسرے متاخر محدث نے اسی حدیث سے زیادہ مسائل نکالے یہ دلیل ہے کہ اجتہاد دن بدن آسان ہو گیا۔ آپ خواہ مخواہ اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں کا فطری حق ختم کر رہے ہیں۔

قولہ صفحہ ۶ سطر ۳ "کسی دوسرے امام اور مجتہد کے استنباط کردہ اصول وفروع کو سمجھ لینے کا نام اجتہاد نہیں ہے۔" الخ

اقول: اولاً۔ امام ابو حنیفہ رح نے حماد بن ابی سلیمان سے تفقہ حاصل کیا۔ چنانچہ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال صـ ۸۳ میں حماد بن ابی سلیمان کے ترجمہ میں ہے کہ

وعنہ ابنہ اسماعیل ومغیرۃ وابوحنیفۃ ومسعر وشعبۃ وتفقھوا بہ۔

"اس سے اس کے بیٹے اسماعیل مغیرہ ابو حنیفہ رح مسعر اور شعبہ نے روایت کی اور تفقہ حاصل کیا۔"

کیا بقول شما آپ امام ابو حنیفہ رح کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے؟

ثانیاً۔ یہ عبارت سابقہ عبارت کے خلاف ہے جو آپ نے لکھا ہے کہ "جو شخص براہ راست اپنی خداداد فہم کے ذریعہ کتاب و سنت سے شریعت کے اصول و فروع" الخ یہاں مسائل معلوم کرنے والے کو مجتہد بتاتے ہیں۔

ثالثاً۔ جو کسی کے بتاتے ہوئے اصول کو بلا سوچ و تحقیق قبول کرتا ہے تو وہ بے شک مجتہد نہیں لیکن اگر وہ ان اصولوں میں سے جن کو از روئے دلیل صحیح جانتا ہے لے لیتا ہے اور جو غلط سمجھتا ہے ترک کر دیتا ہے۔ تو یہ بھی اجتہاد ہے اور صحیح اصل و غیر صحیح کو معلوم کرنا مجتہد ہی کا کام ہے۔

رابعاً۔ ائمۂ اربعہ اور دوسرے ائمہ نے ایک دوسرے کے اصول میں جو بات صحیح پائی لی کیا ان کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے؟ کئی اصولی باتیں امام شافعی نے امام مالک رح سے لیں اور امام احمد رح نے امام شافعی رح سے لی ہیں۔

قولہ صـ ۱۶۱ سطر ۱۶۔ امام نحو زجاج فرماتے ہیں کہ استنباط کے معنی لغت میں کنواں کھود کر زمین کی تہہ سے پانی نکالنے کے ہیں (الی قولہ) دوسروں کے کھودے ہوئے کنویں کا پانی استعمال کرنے کا نام

استنباط نہیں "

اقول: اولاً نئے کھودنے کے بعد پانی کبھی میٹھا ہوتا ہے کبھی کھارا کبھی کڑوا اور کبھی سخت متعفن اور بدبودار۔ اس لیے اس میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے ہر ایک اس کا ذائقہ چکھ کر پھر استعمال کرتا ہے کسی کی محض تقلید نہیں کرتا۔ اسی طرح استنباط میں بھی خطا کا احتمال رہتا ہے لہٰذا ہر ایک تحقیق کا مکلف ہے۔ وھو الاجتہاد۔

ثانیاً ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت کھودنے کے آلات یعنی اجتہاد کے ذرائع و وسائل پہلے کی نسبت بہتر ہیں اور اجتہاد زیادہ آسان ہے۔ پس متقدمین سے متاخرین کے لیے کنواں کھودنا زیادہ سہل ہے۔

ثالثاً علی التقدیر علم بالدلیل مقلد کا وظیفہ نہیں بلکہ "مستندہ قول امامہ" پس دلیل کو معلوم کرنا خود اجتہاد ہے۔

قولہ۔ ص ۱۶ س ۱۳ " مجتہد کی تعریف "

اقول: اس عنوان کے زیر لکھتے ہیں کہ

" امید ہے کہ اجتہاد کی تعریف سے مجتہد کی تعریف بھی معلوم ہو گئی ہے"۔

ص ۱۶ س ۱۴۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت بنسبت پہلے کے مجتہد کے لیے آسانی ہے اور اقوال مختلفہ میں صحیح و غیر صحیح کی تمیز کرنا سہل ہے۔ ایسے وقت علماء کو مقلد کہلوانا زیبا نہیں بلکہ ان کے لیے بدنما داغ ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ

"پس مجتہد وہ ہے جو اپنی خداداد قوت اجتہادیہ اور ملکہ استنباط سے:

" براہ راست کتاب و سنت سے مسائل شرعیہ کا استخراج اور استنباط

کرسکے" صلا۱۲ سطر۱۵۔ بحمداللہ اس وقت تفاسیر، احادیث اور قوانین کی کتب کافی موجود ہیں۔ ہر ایک عالم حسب لیاقت براہ راست قرآن وحدیث سے مسائل کا استخراج واستنباط با آسانی کرسکتا ہے۔

قولہ صلا۱۲ سطر۱۷: "محض کسی مجتہد کے استنباط کردہ مسائل اور دلائل کو سمجھ لینے سے مجتہد نہیں بن جاتا" الخ

اقول: لیکن یہ کام مقلد کا بھی تو نہیں پھر کیا منزلہ بین المنزلتین متعین فرمائیں گے۔

ثانیاً دوسرے مجتہد کی بات از روئے دلیل سمجھ کر لینا خود اجتہاد ہے "ورجوع المجتھد الی مجتہد آخر لیس تقلید" کما ذکر۔

ثالثاً۔ اس کو کم از کم عالم تو کہیں گے اور اوپر ذکر ہوا کہ مقلد بالاتفاق عالم نہیں شمار ہوتا

قولہ صلا۱۳ سطر۳: "مجتہد وہ ہے جو کہ شریعت کے اصول کلیہ کو سمجھ کر ان سے جزئیات اور فروع کا استخراج کرسکے"

اقول: آج تک علماء یہی کرتے چلے آئے ہیں تو کیا وہ سب مجتہد نہیں ہیں؟

قولہ صلا۱۳ سطر۹: "طبیب وہ ہے جو پوری طب کے مزاج سے واقف ہو محض دس بیس دواؤں کے نام یاد کرلینے سے طبیب نہیں بن جاتا" الخ

اقول: طبیب کا نام صرف ان کے لیے خاص نہیں جنھوں نے علم طب کا ایجاد کیا اور قوانین طب وضع کیے بلکہ وہ شخص جو علاج معالجہ کرسکتا ہے اور دواؤں کے خواص واثرات سے واقف ہے اس کو بھی طبیب کہا جاتا ہے۔ اس طرح جو کتب مطالعہ کرکے علم امراض وتشخیص علاج سے واقف ہوجاتا ہے وہ بھی طبیب کہلاتا ہے بس یہ قیاس درست نہیں چہ جائیکہ

قیاس بذات خود ما بین نزاعی مسئلہ ہے۔ وہو الثانی۔ فرماتے ہیں جس طرح ہر زمانہ میں اطباء کا تجربہ ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی چیزوں کے اثرات اور خواص معلوم ہوتے جاتے ہیں اور دنیا مان چکی ہے کہ اب معالجہ بنسبت پہلے کے آسان ہے۔ کیا اس طرح دلائل کا اس وقت جلد میسر ہونا نہیں بتاتا ہے کہ اجتہاد بھی پہلے سے زیادہ آسان ہے۔

قولہ ص۶۲ سطر، "شرائط اجتہاد" الخ

اقول: مصنف نے پانچ شروط ذکر کیے ہیں۔ شرط اول پر تقریر کرنے کے بعد خلاصہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ

"غرض یہ کہ اجتہاد کی پہلی شرط یہ ہے کہ علوم عربیت میں حاذق اور ماہر ہو۔ ص۶۳ سطر۵ اور اس وقت عربیت کے وسائل بہت اور سہل الحصول ہیں اسی لئے تو علماء اب تک دواوین عربیہ اور رسائل ادبیہ کے شرح و حواشی لکھ رہے ہیں۔"

پھر شرط دوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین پر پورا مطلع ہو۔ قرآن کریم کی قراءت متواترہ اور شاذہ سے بخوبی واقف ہو اور آیات کے اسباب اور ناسخ و منسوخ سے باخبر ہو تاکہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر کر سکے اور احادیث نبویہ سے بخوبی واقف ہو کہ اس مسئلہ میں کس قدر احادیث اور روایات مروی ہیں اور کون سی ان میں صحیح ہے اور کون سی ضعیف اور کون سی مرفوع ہے اور کون سی موقوف و مقطوع ہے . . . اور کس روایت کے راوی ثقہ اور عدول اور صدوق اور مقبول ہیں اور کس روایت کے راوی ضعیف

اور مستور الحال اور مجہول ہیں" الخ

یہ شرط بھی اب بھاری نہیں ہے کیونکہ ان سب باتوں کے متعلق کئی کتب لکھی جا چکی ہیں۔ تفاسیر قرآن کتب قرات و شان نزول۔ اسی طرح کتب حدیث جن میں بعض ایسی ہیں جن میں اکثر مرفوع حدیثیں ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں آثار زیادہ ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق سنن سعید بن منصور وغیرہ پھر بعض ایسی ہیں جن میں اکثر روایتیں صحیح ہیں۔ جیسے صحاح ستہ۔ صحیح ابن خزیمہ وغیرہا من الصحاح اور صحیح بخاری کو تو آپ بھی اصح الکتب مانتے ہیں اور صحیحین کی متفق علیہ حدیث اصولاً صحیح حدیث کی اقسام میں درجۂ اولیٰ رکھتی ہے پھر آیات و احادیث کے متعلق ناسخ منسوخ پر لکھی ہوئی کتب اسی طرح کثرت کتب احادیث سے روایات کی طرف اور الفاظ کی کمی و بیشی رد و بدل معلوم ہو جاتا ہے نیز اصول حدیث کے کتب پھر اسماء الرجال کی کتب ان فنون پر بے شمار کتابیں چھپی ہوئی خواہ قلمی کتب خانوں میں مل سکتی ہیں۔ پس ایسے لوگ جو ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں ان کو تقلید کی کیا پروا ہے سابقہ لوگ ایک ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل طے کرتے تھے۔ وہ سب حدیثیں اس وقت یکجا مجموعہ اور کتاب کی شکل میں ملتی ہیں۔ کیا اب بھی اجتہاد آسان نہیں ہے؟۔

قولہ ص۶۳ س۱۵: "غرض یہ کہ احادیث نبویہ کا مع اسانید کے حافظ ہو"

اقول: اسی بنا پر تو عام محدثین کا حفظ فقہاء خود امام ابو حنیفہ رحمہ سے بھی زیادہ ہے۔ پھر کیا فیصلہ کریں گے؟

ثانیاً۔ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قلیل الروایۃ ہونا مسلم ہے۔ خود لکھنوی صاحب النافع الکبیر ص۱۱ میں تسلیم کرتے ہیں کہ "قلۃ الروایہ ہیں۔ دوسروں کی بنسبت آپکے مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور مسند خوارزمی یا زبیدی میں جتنی روایات ہیں اکثر کی اسانید امام صاحب تک

پہنچتی ہیں نیز لکھنوی نے التعلیق الممجد صلا۲ میں ثلث کو تسلیم کیا ہے۔

ثالثاً۔ اس وقت بے شمار کتب حدیث چھپ کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اگر ایک حدیث کی تصحیح کرنا شروع کریں تو اس کے کئی طرق مل سکتے ہیں۔

قولہ ص۶۳ س۱۶ "اور سلسلہ اسانید میں جس قدر راوی واقع ہیں۔ ان کے احوال اور ان کے بارہ میں جرح وتعدیل کے کل اقوال اس کے سامنے ہوں۔"

اقول۔ بحمد اللہ اسماء الرجال کی کئی کتب طبع ہو چکی ہیں اور کئی قلمی ان کے علاوہ مکاتب کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ جن کے دیکھنے سے سب اقوال سامنے آجاتے ہیں زمانہ سابق میں ایک راوی کے حال معلوم کرنے کے لیے بھی کئی بار سفر کیا جاتا تھا مگر اس وقت گھر بیٹھے وہ چیز مل جاتی ہے۔

قولہ ص۶۳ س۱۸ "اور بغیر کسی کی تقلید کے حدیث کی تصحیح اور تضعیف کر سکتا ہے۔"

اقول:۔ جب معدلین اور جارحین کے سب اقوال سامنے ہوں گے تو ہر محقق اپنی تحقیق سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی کا قول صحیح اور راجح ہے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے اور جرح وتعدیل کے اصول سب کو معلوم ہیں۔

قولہ ص۶۳ س۱۸ "اور بغیر کسی کی تقلید کے کسی راوی کی جرح وتعدیل کر سکتا ہو جیسے ابو زرعہ اور یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین اور احمد الخ۔"

اقول: اگر یہ مراد ہے کہ ان کی طرح خود تحقیق کرے اور اقوال میں سے صحیح قول کا انتخاب کرے تو یہ اجتہاد ہے لیکن اگر یہ مراد ہے کہ کسی کا قول ہی نقل نہ کرے تو پھر یہ حضرات خود مقلد ٹھہرے۔ مثلاً ابو زرعہ کئی راویوں کی توثیق وتضعیف کرتے وقت دوسروں کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو الحسن مہاجر الصائغ کی توثیق شعبہ سے اور بقیہ بن الولید کی

ترجیح اسماعیل بن عیاش پر ابن المبارک سے نقل کرتے ہیں اور یحییٰ بن سعید القطان ابراہیم بن ابی یحییٰ کی تضعیف امام مالک سے پوچھتے ہیں اور جبلہ بن سحیم اور داؤد بن نزار یسیح کی توثیق شعبہ سے نقل کرتے ہیں اور یحییٰ بن معین بقیہ بن الولید کی تعریف اور ہشام الدستوائی کی توثیق ابن المبارک سے نیز ایک حدیث "حذف السلام سنۃ" کی تعلیل نقل کرتے ہیں اور احمد بن حنبل ابوہارون العبدی کی تضعیف اور حدیث ابی بشیر عن مجاہد کی تعلیل شعبہ سے نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید سے جعفر بن سلیمان کی
توثیق اور وکیع سے حنظلہ ابن ابی سفیان کی توثیق اور عبدالوہاب کا مجاہد سے عدم سماع نقل کرتے ہیں۔ یہ سب مثالیں کتب جرح و تعدیل میں مذکور ہیں (بالخصوص "تقدمۃ المعرفۃ الکتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم علی الترتیب ص ۱۵۴/۱، ص ۲۷۰/۱، ص ۱۳۶/۱، ص ۱۲/۱، ص ۱۲۵/۱، ص ۱۵۵/۱، ص ۲۶۹/۱، ص ۱۲۹/۱، ص ۱۵۸/۱، ص ۱۷۸/۱، ص ۲۲۷/۱، ص ۲۳۰/۲ دیکھیں۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ پھر کیا ان سب کو مقلد کہیں گے؟ حاشا وکلا۔

قولہ ص ۳۶ س ۳ "اور خلفائے راشدین کے فیصلوں" الخ

اقول: جہاں ان کا اجماع ہے وہ حجت ہے اور اختلاف کے وقت حکم ہے "فَاِن تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول" یہ سب کام کتب کے مطالعہ کرنے والے پر آسان ہیں۔

ثانیاً خروج اس قول سے ناجائز ہے جو کہ نص سے موافق ہو۔

قولہ ص ۳۶ ش اور جو شخص حضرات محدثین کی کتابیں دیکھ کر احادیث صحیحہ وضعیفہ میں تمیز کرتا ہے۔" الخ

اقول: اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ تحقیق کے ساتھ ان کے قول کی طرف رجوع

کرنا تقلید نہیں۔ کما مر۔

قولہ ص۶۴ س۱۱ "شرط سوم"

اقول: اس شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"من جانب اللہ اس کو نور فہم اور فراست ایمانی سے خاص حصہ ملا ہو۔ ذکاوت اور ذہانت ہی ایسا ممتاز ہو کر بڑے بڑے اذکیاء اور عقلاء کی گردنیں اس کے خداداد فہم کے سامنے خم ہوں۔ اجتہاد کے معمولی علم اور معمولی فہم کافی نہیں اجتہاد کے لیے ایسا غیر معمولی اور ادراک چاہیئے جو علماء" فضلاء" عقلاء اور اذکیاء میں ضرب المثل بن گیا ہو" ص۶۴ س۱۲۔

کسی نے یہ شرط مجتہد کے لیے نہیں ذکر کی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ عالم کے لیے ذہن و ذکاوت چاہیئے۔ اس کے بغیر عالم ہونا مشکل ہے اور عالم مجتہد ہی ہوتا ہے۔ کما مر۔ نیز امام ابوحنیفہ کے متعلق جو علماء نے رائے ظاہر کی ہے وہ ذکر ہو چکی ہے۔ کیا اس کو بھی مجتہد نہیں مانیں گے۔ حاصل یہ کہ "فوق کل ذی علم علیم" ہر شخص اپنے علم و استعداد کے مطابق اجتہاد کا مکلف ہے۔

قولہ ص۶۵ س۱ "شرط چہارم" الخ

اقول: اس شرط کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ

" ورع و تقویٰ کا مجسمہ ہو اس کی پیشانی اس کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی شہادت دیتی ہو۔ حق پرست ہو۔ ہویٰ پرست نہ ہو الخ ص۶۵ س۳"

کیا ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے علاوہ کوئی ایسا متقی نہیں ہوا؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہمیشہ ہر زمانہ میں کئی بے شمار و لاتعداد اللہ کے ایسے بندے ہوتے چلے آرہے ہیں اور رہیں گے۔ پھر

اجتہاد کے بند ہونے کا دعویٰ کب صحیح ہوا"۔

قولہ ص۶۵ س۹ "شرط پنجم"

اقول:۔ اس شرط کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

"اجتہاد اور استنباط کے طریقوں اور قیاس کی اقسام اور اس کے شرائط سے بخوبی واقف ہو" ص۶۵ س۹

قیاس تو حجت شرعیہ نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اور اجتہاد کا مطلب خود آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن و حدیث سے براہ راست مسائل نکالنا۔ سو موجودہ وقت میں جبکہ احادیث و اصول مدون ہو چکے ہیں۔ اجتہاد ہر عالم کے لیے ممکن بلکہ سہل ہے۔ پھر عبارت بالا کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ

"یعنی قرآن و حدیث کی اقسام ظاہر نص مفسر مجمل محکم متشابہہ اور عبارۃ النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ وغیرہ" ص۶۵ س۱۰

اولاً۔ یہ اصطلاحیں سب اہل علم کے ہاں معروف ہیں اور کتابوں میں درج ہیں اور ان کی مثالیں متداول ہیں پس ہر ایک مجتہد ہے نہ کہ مقلد۔

ثانیاً۔ آپ یہ اصطلاحیں جانتے ہیں یا نہیں؟ اور علی الاول آپ مجتہد ہیں۔ و علی الثانی جو چیز آپ نہیں جانتے وہ لکھی کیوں؟ اور مدرسوں میں کیا پڑھا اور پڑھایا؟

ثالثاً۔ یہ اصطلاحیں متاخرین نے وضع کیں پس وہ مقلد ہوں گے یا مجتہد؟ علی الاول آپ کی یہ شرط غلط ہوئی نیز مقلد کیسے اصطلاح وضع کر سکتا ہے" و علی الثانی پھر ان اصولوں پر چلنا ائمہ کی تقلید کیسے تصور کرتے ہو نیز اجتہاد کا جاری رہنا ثابت ہوا۔

رابعًا: کیا صحابہ یہ اصطلاحیں جانتے تھے اور ان کے ہاں معروف تھیں یا نہیں؟ علی الاول ثبوت درکار ہے وعلی الثانی کیا وہ بھی مجتہد نہیں تھے؟ پھر فرماتے ہیں کہ

"کیونکہ جس شخص کو عبارت اور اشارت میں اور عام اور خاص اور مطلق اور مقید میں فرق معلوم نہ ہو اسکو کیسے کتاب وسنت سے استنباط کا مستحق قرار دو گے اور مجتہد مانو گے"؟ پھر لکھتے ہیں کہ

"نیز اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ قیاس کی کتنی قسمیں ہیں اور اس کی کیا شرائط ہیں" صـ۶۵ سـ۱۴۔

یہ باتیں بحمد اللہ ہر طالب علم کو معلوم ہیں اور اجتہاد کی راہ ہر ایک کے لیے ہموار ہے۔

ایضًا جو سرے سے قیاس کا قائل ہی نہیں اس کے لیے کیا حکم ہے؟!

الحاصل:۔ یہ ایسے شرائط نہیں جو ائمۂ اربعہ کے بعد کسی میں نہ پائے جائیں۔

قولہ صـ۶۶ سـ۱ "تقلید"

اقول:۔ اس پر بحث ہو چکی ہے کہ وہ قائم نہیں رہ سکتی اور نہ یہ علمی طریقہ ہے اور صاحب رسالہ نے جو اس عنوان کے تحت لکھا ہے اس کا جواب آتا ہے۔

قولہ:۔ صـ۶۶ سـ۱، تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچا ہو اس کا کسی عالم اور مجتہد کے علم اور فہم اور اس کے ورع اور تقویٰ کے اعتماد پر بلا دلیل معلوم کیے ہوتے اس کے قول اور فتویٰ پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے"۔

اقول:۔ یہی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اولًا بلا دلیل معلوم کرنے کے کسی کے قول پر عمل یا فتویٰ کو امام ابو حنیفہ نے حرام قرار دیا ہے۔ کما مر پس امام صاحب کے فتویٰ کے مطابق جس تقلید کی آپ تعریف کرتے ہیں وہ واجب تو بجائے خود بلکہ حرام ہوئی

ثانیاً جو شرائط آپ نے لکھی ہیں وہ ہر عالم میں پائی جاتی ہیں۔ پس تقلید کی کوئی حاجت نہیں رہی۔

ثالثاً کیسے معلوم ہو کہ یہی امام علم و فہم اور ورع کے لحاظ سے معتمد علیہ ہے۔ یہ خود ضرب من الاجتہاد ہے۔ کما مضیٰ۔ نقلاً عن مسلم الثبوت۔

قولہ:۔ صلا سطر "جس طرح بخاری شریف کی حدیث کو بلا سند معلوم کیے ہوئے صحیح تسلیم کر لینا تقلید فی الروایۃ ہے اسی طرح الخ۔

اقول:۔ معاذ اللہ! یہ تقلید ہرگز نہیں کیونکہ بخاری کی حدیث کو صرف اس لیے صحیح تسلیم نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ صحیح بخاری میں ہے بلکہ اس لیے کہ ان کی حدیثوں کی صحت پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ آپ نے بھی صلا۹ سطر ۱۸ پر تسلیم کیا ہے۔ پس یہ رجوع الی الاجماع ہے۔ جو تقلید نہیں۔ ففی فواتح الرحموت صلا ج ۲۔ مع المستصفی فالرجوع الی النبی علیہ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام او الی الاجماع لیس منہ فانہ رجوع الی الدلیل اھ۔ اور فقیہ کے قول کو بلا دلیل قبول کرنے کو اس پر قیاس کرنا باطل ہوا۔

قولہ:۔ صلا سطر "اور جس حدیث کو امام بخاریؒ صحیح بخاری میں روایت فرما دیں اس کا صحیح تسلیم کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جو مسئلہ امام ابو حنیفہ رح بیان فرما دیں اس کا تسلیم کرنا بھی واجب ہے۔"

اقول:۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اولاً مقیس علیہ مجمع علیہ ہے بخلاف المقیس ثانیاً امام ابو حنیفہ رح کا فرمان ہے کہ "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" اور حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی" سے ظاہر ہے کہ بخاری کی حدیث جس کی صحت پر اجماع ہے وہ امام صاحب کا مذہب ہے اور اپنے قول کو بلا دلیل قبول کرنے سے منع کرتے ہیں۔

نافتر قا۔ ثانیاً بخاری کی حدیث لینا تقلید نہیں امام کا قول لینا تقلید ہے پس قیاس باطل ہے رابعاً روایت میں جب تقلید ہو کہ بخاری کی حدیث کی صحت مدلل نہ ہو بلکہ اس کا مدلل ہونا۔ اُمّت کے ہاں مُسلم ہے۔ بخلاف قول الامام۔ اگر وہ مدلل ہے تو تقلید نہ رہی اور اگر مجرد عن الدلیل ہے تو قیاس غلط ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قولہ صلا ۶۶ سطر ۱۱ "جس شخص کو حق تعالیٰ نے قوت اجتہادیہ عطاء فرمائی ہو اس کو تقلید جائز نہیں۔ اس کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہے"۔

اقول:۔ اجتہاد ہر عالم کے لیے آسان ہے پس بقول شما واجب ہوا نیز اجتہاد بند ہونے کا دعویٰ غلط ہوا کیونکہ آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ اب کوئی اجتہاد پر قادر نہیں یہ رجما بالغیب فتویٰ ہے نیز کیا اللہ ایسی قدرت دینے پر اب قادر نہیں اور ائمہ اربعہ پر اس کی معاذ اللہ۔ یہ قدرت ختم ہو گئی؟ اور اجتہاد کو نبوت تو آپ بھی نہیں کہتے جو قانوناً بند کر دی گئی ہو۔

قولہ صلا ۶۶ سطر ۱۳ "اور جو شخص اجتہاد کے درجہ کو نہ پہنچا ہے" الخ

اقول:۔ انسان دو قسم ہیں۔ عالم اور عامی۔ عالم کی شان تو اجتہاد ہے نہ تقلید۔ کما بینا اور عامی بھی مفتی کی طرف رجوع کرے گا اور یہ بھی فقہا کے نزدیک تقلید نہیں۔ چنانچہ "فواتح الرحموت" صلا ج ۲ مع المستصفی کی عبارت ابتدا میں ذکر ہوئی۔ نیز عامی مفتی سے حدیث ہی پوچھے۔ پس یہ اتباع روایت ہے نہ کہ رائے۔

قولہ صلا ۶۶ سطر ۱۵ "علم طب ریاضی میں ہر شخص اپنے سے اعلم و افضل کی اتباع کو عین عقل اور دانائی سمجھتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دین میں اپنے سے اعلم اور اتقی کے اتباع کو جائز اور شرک سمجھا جاتا ہے۔

اقول :۔ اولاً۔ ان فنون میں بھی تحقیق جاری ہے کئی باتوں میں متاخرین نے متقدمین سے اختلاف کیا ہے ۔ ثانیاً حکیم اپنے اعلم سے نسخہ ضرور حاصل کرتا ہے لیکن اگر اس کے تجربہ کے بعد صحیح پاتا ہے تو استعمال کرتا ہے ورنہ نہیں۔ جس کے معنی کہ ان امور میں تقلید معیوب چیز ہے ۔ ثالثاً ۔ وعلی التقدیر دینی مسائل کا ان پر قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ مسائل کی دو صورتیں ہیں اجماعی یا اختلافی ۔ پہلی صورت میں اجماع دلیل ہے اور دوسری میں کسی کے اتباع کی اجازت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کا حکم ہے ۔ فاین ھذا من ھذا ۔ قولہ صلا سطر "تقلید ایک امر فطری ہے"

اقول : بالکل غلط اولاً فطری امر تحقیق ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ ذہن ذکاوت عطا فرمائی ہیں یہ سب چیزیں تحقیق کے وسائل ہیں۔ ثانیاً اگر یہ ہوتا تو دنیا میں کوئی مجتہد نہ ہوتا سب مقلد ہوتے اور اجتہاد معیوب سمجھا جاتا کیونکہ فطرت میں سب برابر ہیں ثالثاً کیا پوری امت میں فطرت سے ممتاز صرف چار امام ہوتے۔ رابعاً۔ کیا۔ معاذ اللہ وہ چاروں فطرت کے خلاف اور آیت : فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ" (الروم ع پ ۲۱) کے منابذ ہوتے۔ خامساً اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی کہ وہ بلا دلیل آباء کے پیچھے لگے ہیں مثلاً حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا" وانا علیٰ آثارھم مقتدون" اگر تقلید فطری چیز ہوتی تو ان کی اس پر مذمت نہ کی جاتی ۔

قولہ :۔ ص۹۶ سطر ۱۸ "جو شخص اپنے سے اعلم اور افضل کے اتباع کو عار سمجھے وہ ہمیشہ کمال سے عاری اور محروم رہتا ہے"

اقول: اتباع یا تقلید ؟ اتباع بالدلیل ہوتا ہے اور تقلید بلا دلیل جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور بحث تقلید میں ہے نہ کہ اتباع میں ۔

قولہ ص۹۷ سطر "کوئی کمال بدون تقلید کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے"

اقول :۔ بلکہ تقلید اور دلیل نہ پوچھنا ہی کمال کو مانع اور ترقی میں سد راہ ہے۔ سعدی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سوالت صواب است و نعلت جمیل
بمنزل رسد ہر کہ جوید دلیل
عبادت بتقلید گمراہی است
خنک راہرو سے را کہ آگاہی است

نیز یہاں کمال سے مراد علم میں کمال ہے اور تقلید طریق الی العلم نہیں ہے جیسا کہ ابتداء میں امام غزالی کا قول گزرا اور یہ بالکل واضح ہے کہ جو تقلید نہ کرے گا وہ خود قرآن و حدیث میں مسائل کی تلاش کرے گا۔ صحابہ تابعین اور متاخرین کے اقوال و دلائل کو دیکھے گا۔ اسی طرح اس کا علم بڑھتا جائے گا اور اس تحقیق کے ضمن میں اس کو کئی مسائل معلوم ہوتے جائیں گے اور کئی راویوں کا حال کئی الفاظ کے معانی اور کئی محاورات معلوم ہوتے جائیں گے اور روز مرہ اس کے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا اور یہ چیزیں روزانہ ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہیں لیکن مقلد کا یہ حال ہے کہ اس کو ان چیزوں کا علم کبھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ تقلید ہی کمال تک پہنچنے سے مانع ہے۔

قولہ ص ۶۷ س ۲ "معمولی صنعت و حرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا۔"

اقول :۔ دین صنعت و حرفت نہیں بلکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا جاتا ہے۔

"اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلا ما تذکرون۔" (الاعراف ع ۱ پ ۸)

نیز صنعت و حرفت میں بھی ہر ایک اپنے دماغ سے کام لیتا ہے۔ کسی کے سمجھانے کے بعد بھی اگر اس کو سمجھنے میں بات نہیں آتی تو وہ کام نہیں کر سکتا ہے۔ گویا ہر چیز میں غیر مقلدیت ہے۔ اسی طرح ہر زمانہ میں نئی نئی حرفتیں ایجاد ہوتی جاتی ہیں کسی خاص زمانہ میں نہیں۔

قولہ: ص۶۷ س۱۳ "افسوس جو حضرات ائمہ یھدون بامرنا" کے مصداق ہوں ان کی تقلید اور اتباع کو شرک کہا جاتے۔" الخ

اقول: "بامرنا" ہی سے ظاہر ہے کہ دلیل سے اتباع ہو اور تقلید اس سے منافی ہے اتباع کو کوئی شرکت نہیں کہتا ہے اور اپنی ہوئی نفس کا اتباع یہ ہے کہ اختلاف ائمہ کے وقت جس کو چاہے اس کے پیچھے لگ جائے۔ اس لیے اختلاف کے وقت تقلید کا حکم نہیں دیا بلکہ غیر مقلدیت سکھائی اور دلیل کی طرف لوٹنے کا حکم دیا۔

قولہ ص۶۷ س۷ "جس طرح غیر طبیب کو طبیب کی اتباع لازمی ہے۔" الخ

اقول: لیکن طبیب کو طبیب کی اتباع لازم نہیں۔ اسی طرح عالم کو عالم کا اتباع لازم نہیں ہے۔ ہاں جس طرح ایک طبیب دوسرے طبیب سے نسخہ معلوم کرتا ہے جو مجرب ہے اس میں در اصل اس طبیب کا اتباع نہیں بلکہ اس نسخہ کے موجد کا ہے وہ بھی تجربہ کے بعد گویا کہ اتباع دلیل ہے نہ تقلید۔ اسی طرح ایک مجتہد کو کسی مسئلہ کے متعلق کوئی دلیل معلوم نہ ہو اور دوسرے مجتہد نے بتا دیا تو یہ اتباع اس واضع شرع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہوا نہ کہ اس مجتہد کا۔

قولہ ص۶۷ س۱۰ "جو شخص اردو تراجم دیکھ کر علاج کرنے کے لیے تیار ہو جائے وہ تو نادان ہے۔" الخ۔

اقول یہ جب کہ دواؤں کے لینے میں فائدہ ونقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے لیکن حدیث کی اتباع میں کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ اگر اجتہاد میں خطاء واقع ہوئی تو بھی اس کو ایک اجر ملے گا اور خطاء اس پر معاف ہے ۔ کما ہو نص الحدیث پس غیر عربی دان احادیث کا ترجمہ دیکھ کر اس پر عمل کرے گا تو کوئی ملامت نہیں کیونکہ اگر مصیب ہوا تو دو اجر اگر مخطی ہے تو بھی ایک اجر ملے گا اور خطاء پر مواخذہ نہیں۔ پس ایسے اسلم طریقہ کو طبیب پر قیاس کرنا جو کہ خوف کا طریقہ ہے ہرگز روا نہیں۔ نیز طبیب کا قول وفیصلہ قطعی نہیں اور نبوی فیصلہ قطعی ہے ع

ببیں تفاوت از کجاست تا بکجا

ایضاً طبیب معصوم نہیں اس پر معصوم کو قیاس کرنا سخت نادانی ہے بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت ترین توہین ہے ۔

قولہ ص۶۷ س۱۵ : ہر مسلمان اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ تمام امور میں اصل حکم احکم الحاکمین کا ہے۔ (الی قولہ) اس لیے کہ ائمۂ دین جو کچھ بھی اجتہاد اور استنباط کرتے ہیں وہ سب کچھ کتاب و سُنت سے ماخوذ ہوتا ہے !! ص۶۸ س۱ ۔

اقول :۔ نبیوں کی اطاعت کا تو حکم ہے اور ان کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت کہی گئی ہے اور ان کے سب کچھ فرامین وحی ہوتے ہیں لیکن غیر نبی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اس کی اطاعت علی الاطلاق اللہ کی اطاعت نہیں کہی جا سکتی ۔ اس کے اجتہاد میں خطاء وصواب دونوں کا احتمال رہتا ہے اور اس اجتہاد کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہوگی جو کہ مصیب واقع ہو نہ کہ خطاء بھی ہو۔ پس تحقیق ضروری ہے اور تقلید راہ پُرخطر ہوئی اور نبیوں کی اطاعت میں خطاء کا قطعاً احتمال نہیں۔ لہٰذا وہ بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے پس ائمہ

کی اطاعت کو نبیوں کی اطاعت کی طرح بعینہ خدا کی اطاعت سمجھنا غلط ہوا اور یہی شرک فی الالہیتہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اور خطاء و صواب کی تمیز کرنے کی کسی اطاعت کو بعینہ خدا کی اطاعت سمجھی جائے۔ حالانکہ مانتے ہو کہ "ان الحکم الا للہ" بلکہ اسی میں یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر وہ مجتہد جس کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں اگر مخطئ ہے اور ہونا بھی لازمی ہے تو یہ بلا علم خدا کی طرف کسی حکم کی نسبت کرنی ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے۔ قال فی القرآن الکریم۔ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون (الاعراف ع پ) اور اسی بنا پر تقلید شخصی کو شرک فی الرسالۃ کہا گیا ہے کیونکہ مجتہد کا مخطئ و مصیب ہونا مسلمہ ہے۔ پس اس کا قول بلا دیکھے حدیث اس کو مانا جائے تو یہ اس کو مقام نبوت دینا ہے کیونکہ یہ حق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہ کسی دوسرے کا۔ ایضاً خطاء والی صورت میں اس کی اطاعت کرنا پھر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہنا۔ آپ کی طرف غلط نسبت کرنے کے مترادف ہے۔ ایضاً نبیوں کی اطاعت کو تو اللہ نے اپنی اطاعت کہا ہے لیکن ائمہ کی اطاعت کو نبیوں کی اطاعت نہیں فرمایا۔ بلکہ جہاں حدیث میں یہ وارد ہے کہ:

"من اطاع امیری فقد اطاعنی"

وہاں یہ بھی حکم ہے کہ

"لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" (بخاری ص ۱۵۸ ج ۱ مصری)

اس میں ایک واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کسی انصاری کی قیادت میں بھیجی اور ان کو اس امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ بعد میں امیر ناراض ہوا تو ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے آپ کو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ؟ انھوں نے کہا ہاں ! امیر نے کہا کہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ اور اس میں داخل ہو جاؤ انھوں نے آگ جلائی لیکن اندر جانے سے تامل کیا بعض نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آگ سے بچنے کے لیے لگے ہیں پھر آگ میں کیسے داخل ہو جائیں ؟ بالآخر آگ ختم ہوئی اور اس کا غصہ بھی ختم ہوا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ

لو دخلوها ما خرجوا منها ابدا انما الطاعة فی المعروف

اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہوتے تو کبھی اس سے نہ نکلتے۔ اطاعت صرف نیکی کی باتوں میں ہے۔

اگر تقلید درست ہوتی تو اسی شخص کی ہوتی جس کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود امیر مقرر کیا اور ان پر اس کی اطاعت لازم قرار دے دی لیکن جب یہاں بھی تقلید خطرناک ثابت ہوئی تو دوسروں کی اطاعت بلا تحقیق کیسے درست ہوگی۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب رکھا ہے کہ باب "السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة" پس معصیۃ کا علم جب ہوگا کہ تحقیق کی جائے کہ اس امام نے جو اس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے یا اس قسم کے نکاح کو درست یا باطل کہا ہے یا اس فعل کو ناقض الوضوء لکھا ہے یا اس بیع کو باطل بتایا ہے یا اس قسم کھانے والے کو حانث کہا ہے یا اس پر حد لگانے کا حکم دیا ہے یا اس سے معاف کر دیا ہے۔ یہ قرآن وحدیث سے موافق ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو لیا جائے ورنہ ترک کر دیا جائے۔ اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ تقلید اس کے منافی ہے۔ کہ دلیل پوچھی جائے یا دیکھی جائے پس تقلید خطرۂ عظیم ہے اور ائمہ کی اطاعت کو بعینہٖ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کہنا بھی غلط ہوا بلکہ وہ مشروط ہے۔ اگر حکم ایزدی یا نبوی کے موافق ہے تو وہ اطاعت صحیح ہے ورنہ باطل بلا تحقیق نبی ہی کی بات مانی جاتی

ہے دوسرے کو یہ حق دینا ان کے ہم پلّہ قرار دینا ہے۔ فتدبر۔

اسی طرح مصنف رسالہ کا یہ کہنا کہ "جس طرح انبیاء کرام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اس طرح ائمۂ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے"۔ نبیوں کا فرمان اللہ کا فرمان ہے اور ائمہ کا فرمان ان کے فہم و اجتہاد کا نتیجہ ہے جو تحقیق کا محتاج ہے اور اسی سے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "ائمہ کا اجتہاد کتاب و سنت سے ماخوذ ہے"۔ کیونکہ بلاشبہ افتاء کرنے میں ان کی نیت خالص ہے مگر ان سے اکثر خطاء بھی ہو جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ انکے سب احکام قرآن و حدیث سے ماخوذ نہیں ہیں۔

قولہ ص۶۸ س۱۰ "اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے"۔

اقول: لیکن اس میں خطرہ ہے کیونکہ خبر نہیں کہ وہ عین حکم خداوندی ہے یا نبوی ہے یا نہیں۔

قولہ ص۶۸ س۱۱۔ "یعنی ائمۂ دین کے واسطے سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اتباع"۔

اقول: اگر واسطے سے یہ مراد ہے کہ آئمہ ثقات سے روایت کی سند ملا کر اس پر عمل کیا جائے تو یہ روایت اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ نہ اس ناقل کی اور اگر اس کا فہم و اجتہاد مراد ہے تو تحقیق کا محتاج ہے کیونکہ اس میں خطاء کا امکان ہے اور مقلد ہمیشہ خطرہ میں رہتا ہے۔

قولہ ص۶۹ س۱ "اور جس طرح حکام ماتحت کی اطاعت سراسر حکام بالادست کی اطاعت سمجھی جاتی ہے" الخ

اقول: لیکن ان کی اطاعت بھی تقلید نہیں کیونکہ ان کے پاس بالا حکام کی ایسی اتھارٹی موجود ہوتی ہے اور وہ ائمہ کو حاصل نہیں، صرف نبیوں کو ہے اور ائمہ کے اتباع کا حکم صرف اجماعی صورت

یں ہے جیسا کہ آپ آیت "اولی الامر منکم" سے ص۶۸ سطر۱۷ میں اجماع علماء مراد لے آئے ہیں اور جہاں اختلاف ہے تو وہاں دوسرا حکم ہے کہ "فان تنازعتم فی شیئ" الآیۃ

قولہ ص۶۹ سطر۶ "ہاں اگر کوئی نادان کسی امام کی اس خیال سے تقلید کرے کہ ان احکام کا واضع اور شارع درحقیقت یہی امام ہے اور اس کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے حلال کرے اور جس کو چاہے حرام کرے تو یہ تقلید بلاشبہ حرام بلکہ شرک اور کفر ہوگی چونکہ اسی قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ میں موجود تھی۔ اس لیے قرآن نے اس کی مذمت کی "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ" ایسی ہی تقلید کے بارے میں ہے"

اقول:۔ جزاک اللہ۔ آپ نے خود ہی تقلید کو واشگاف کر دیا۔ جناب من! تقلید ایسی ہی ہوتی ہے مثال کے طور پر سنو! ایک چیز امام ابوحنیفہ رح حرام کہتا ہے، امام شافعی حلال اور امام مالک رح مکروہ اور امام احمد رح مستحب کہتا ہے۔ اب کیا کریں گے؟ دلیل کی طرف رجوع کریں گے یا کسی ایک ہی قول کو لیں گے؟ علی الاول آپ غیر مقلد ہوئے و علی الثانی وہی بات ہوئی کیونکہ آپ نے اسی امام کے قول کو شریعت سمجھا اسی کو دلیل اور واضع قرار دیا اور اپنے آپ کو قرآن و حدیث سے مستغنی سمجھا اگر کہو گے کہ ہم نے اس حسن ظن کی بناء پر لیا کہ یہ امام اعلم ہے۔ احادیث کو جانتا ہے تو بھی غلط ہوگا کیونکہ ایسا کہنے کا باقی تین مذہب والوں کو بھی حق حاصل ہے۔ پس ترجیح کس دلیل سے؟ یہ تو ترک التقلید ہے اگر نہیں تو یہ غلو کے سوا کوئی صورت نہیں اور ایسے غلو نے یہودیوں اور نصرانیوں کو تقلید میں مبتلا کیا۔ عجب تو یہ ہے کہ مجتہدین میں سے بہتر کا انتخاب مقلدین کریں اور متبوعین ہر تابعین قاضی رہیں پھر بھی مقلد کے مقلد۔

قولہ ص۶۹ سطر۱۲ "لیکن اگر کوئی شخص کسی امام اور مجتہد کی بایں خیال تقلید کرے کہ یہ شخص اپنے نور فہم اور نور تقویٰ سے احکام شریعت کا شارح ہے معاذ اللہ احکام کا واضع اور شارع

نہیں بلکہ ہمارے اور شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے درمیان صرف واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم ہے تو ایسی تقلید "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" پر عمل کرنا ہے۔"

اقول: یہی تقلید کا استیصال ہے اولاً جب ہم نے اس کو اصل متبوع قرار نہیں دیا اور واسطے تو کئی ہیں چند معدودے نہیں۔ ان کا اختلاف لازمی ہے اور مشاہدہ میں آچکا ہے پس رجوع الی الکتاب والسنۃ لازم ہوا تقلید نہیں رہی ثانیاً ان کی تفہیم اور ان کا بیان محتمل خطاء بھی ہے اور ان کا اختلاف بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ حق ایک ہوگا نہ کہ الشئی وضدہ دونوں حق ہوں۔ پس بلا تحقیق اتباع میں بڑا خطرہ ہے اور اجتہاد ہر ایک کے لیے ضروری رہا۔ ثالثاً مقلد کو کیسے پتا لگ سکتا ہے کہ فلاں شخص امامت کا اہل یا صاحب تقویٰ و فراست یا احکام استنباط کرنے کے لائق ہے۔ پہلے تو وہ خود امامت کا اہل یا صاحب تقویٰ و فراست یا احکام استنباط کرنے کا لائق ہے۔ پہلے تو وہ خود امامت کے شرائط سے واقف ہو پھر کسی امام ہونے کا فتویٰ لگائے پھر خود فراست رکھتا ہو تاکہ معلوم کر سکے کہ فلاں صاحب فراست ہے اور اس کی فراست اکثر مصیب رہتی ہے نیز احکام شریعت کے استنباط کا علم اس کو ہو اور اجتہاد صحیح و غلط میں فرق کر سکتا ہو۔ یہ جب ہوگا کہ دلیل اور دلالت کی واقفیت رکھتا ہو ورنہ اس کو کیا خبر کہ جس کو میں نے قیادت و امامت کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہ انتخاب صحیح ہے یا غلط اور اگر اس میں یہ سب وصفیں موجود ہیں تو وہ خود مجتہد ہے اور بقول شما اس پر تقلید ناجائز ہے۔ رابعاً جو آیت آپ نے لکھی ہے اس پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

قولہ ص ۶۹ سطر ۱۱، ائمہ اربعہ جن کے اجتہاد اور استنباط کا ماخذ ادلہ شرعیہ ہیں ان کی تقلید کو مشرکین مکہ کی تقلید پر قیاس کرنا صریح نادانی ہے۔ الخ

اقول: اخذ میں کئی بار خطاء واقع ہو جاتی ہے ایک امام کسی آیت یا حدیث کا ایک مطلب

لیتا ہے تو دوسرا اور لیتا ہے لہٰذا اجتہاد کی ضرورت ہوئی تاکہ خطرہ سے بچاؤ ہو اور مشرکین مکہ صرف بلا علم آباء کے پیچھے لگے تھے۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "او لو کان اباء ھم لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون"۔ (البقرۃ ع ۲۱ پ ۲) یعنی یہ لوگ اپنے آباء واجداد کے پیچھے لگتے ہیں اگرچہ وہ نہ تو کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت والے ہوں یعنی ان کو یہ علم نہیں کہ ہمارے آباء و اجداد حق پر تھے یا نہیں اس طرح مقلد کو بھی علم نہیں کہ امام کا قول دلیل کے موافق ہے یا مخالف۔ بلا دلیل دیکھے ایسا ہی اتباع ہوتا ہے۔ بلاشک آباء مشرکین "لا یعقلون شیئًا ولا یھتدون" کے مصداق تھے اور خلاف ما انزل اللہ کی لوگوں کو تلقین کرتے تھے لیکن مقلدین کا بھی تو یہی حال ہے کئی بار ائمہ کا قول قرآن وحدیث کے خلاف ہوتا ہے اور وہ سمجھنے واستنباط کرنے میں مخطی ہوتے ہیں اور ان کا حکم "ما انزل اللہ" کے خلاف ہوتا ہے۔ پھر بھی مقلدین بلا تحقیق اور دلیل دیکھے ان کو مان لیتے ہیں یہ بعینہ ان مشرکین کا طریقہ ہے۔

قولہ صفحہ ۱۳: "بخلاف ائمہ اربعہ کے وہ سب کے سب عاقل اور مہتدی تھے اور "ما انزل اللہ" کے متبع اور اس کے مفسر اور شارح تھے"۔

اقول: لیکن ان کا اختلاف بتایا ہے کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں ایک مصیب ہے دوسرا مخطی اسی طرح دوسرے مسئلہ میں ایک مخطی دوسرا مصیب ہے علی ہذا القیاس۔ پس بلا تمیز خطاء وصواب ان کا اتباع بعینہ مشرکین کی پیروی ہوئی نیز یہ عقل وہدایت ان چار میں منحصر نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۱۳: "اور ائمہ مجتہدین کی تقلید ایسی تقلید آبائی ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں تقلید آبائی کے متعلق یوسف علیہ السلام کا یہ لفظ آیا ہے کہ "واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم واسحاق ویعقوب" الخ۔

اقول: آبائے یوسف، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سب انبیاء تھے اور نبی

کی اطاعت مدلل ہے۔" من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (النساء ع ۱۱) یہ تقلید نہیں اسی لیے یوسف علیہ السلام نے "اتبعت" کہا "قلدت" نہیں کہا پس اس پر قیاس کرنا بھی غلط ہے بلکہ ائمہ جن کو غیر معصوم بھی کہتے ہو۔ ان کو نبیوں کی اطاعت کے برابر کہنا غلو ہے۔ اسی طرح نبیوں کی اتباع کو تقلید کہنا بھی سخت ظلم ہے۔ گویا آپ نے نبیوں کے احکام کو غیر مدلل بنا دیا۔ استغفر اللہ۔

قولہ صنٹ سٹ "اور حدیث میں آیا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں"

اقول:۔ لیکن یہ نہیں کہ ان کے بدل ہیں۔ معاذ اللہ نیز نبوی ورثہ قرآن و حدیث ہے۔ اس کا لینا اتباع روایت ہے نہ اتباع رائے۔

قولہ صنٹ سٹ "اور قرآن کریم سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو شخص باقاعدہ عالم نہیں اور قرآن و حدیث سے استنباط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے ناقص اور ناتمام فہم کی تقلید کرے"

اقول:۔ بعینہ یہ الفاظ قرآن میں نظر نہیں آئے البتہ یہ ہے کہ "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف) اور ناقص الفہم سے کیا مراد ہے؟ اگر کم علم مراد ہے تو وہ بحسب علم اپنے اتباع کا مامور ہے۔ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" (البقرۃ) اور باقی مسائل میں سکوت یا لا ادری یا مشاورۃ اہل العلم ہوگا اور بالآخر دلیل ہی کا اتباع ہوگا نہ کہ تقلید۔

قولہ صنٹ سٹ "ہر عاقل پر یہ بات واضح ہے کہ تشخیص مرض اور تجویز نسخہ میں حکیم حاذق کے مقابلہ میں نیم حکیم کی رائے کا کیا اعتبار ہے۔ چہ جائیکہ مریض خود اپنا علاج کرنے لگے۔

اقول: کیا حاذق حکیم سے خطاء واقع نہیں ہو سکتی؟ ضرور ہوتی ہے اور کئی بار ہوتی ہے۔ یہی تقلید کے بطلان کی دلیل ہے کیونکہ ائمہ خواہ کتنے ہی مقام کو پہنچے ہوں، خطا سے مبرا نہیں۔

ان کا فتویٰ کئی بار غلط ہوجاتا ہے اور کتاب و سنت سے موافق نہیں ہوتا۔ اس لیے بلا تحقیق ان کا قول لینا بہت خطرناک ہے۔ تمہا نیا کیا کئی بار مریض خود کتابیں دیکھ کر اپنا علاج خود کرکے درست نہیں ہوجاتا ہے؟ ضرور ہوجاتا ہے اور کئی بار ایسا ہوا ہے۔ اسی طرح کم علم والا بھی اگر خود تحقیق کرے تو اس کو حق پہنچتا ہے ہر وقت ممکن ہے۔ بس کیوں ان کو خدائی نعمت (اجتہاد) سے محروم کرکے اور جہالت کے گڑھے (تقلید) میں ان کو مبتلا کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔

قولہ صنہ ۱۳۱ " وجوب دلائل تقلید "

اقول ان کی حقیقت ظاہر کرنے کے بعد قارئین دیکھ لیں گے کہ آیا یہ دلیل ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں یا ان سے تقلید کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

قولہ صنہ ۱۳۱ " شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے عقد الجید میں امام بغوی سے نقل کیا ہے کہ شروط اجتہاد پانچ ہیں جس میں اجتہاد کی ایک شرط بھی مفقود ہوجائے اس کو تقلید کے سوا چارہ نہیں "

اقول :۔ اگر وہی شرطیں ہیں تو ان کا بیان ہوچکا ہے اور فی زماننا اجتہاد سہل ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہے تو بیان کریں نیز " مسلم الثبوت " میں ہے کہ

" الاجتھاد بذل الطاقۃ من الفقیہ فی تحصیل حکم شرعی ظنی "

اور اسی طرح " التحریر لابن الہمام " صنہ ۵۲۳ میں ہے کہ بس ہر عاقل اور سمجھ دار کا یہ کام ہے کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے خلوص نیت سے اپنی علمی طاقت صرف کرے اگر مصیب ہے تو دو اجر اور اگر مخطی ہے تو خطا معاف اور ایک اجر۔

قولہ صنہ ۱۸۱ " آیت اولیٰ قال تعالیٰ " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون " الخ

اقول: تقریر استدلال اس طرح لکھتے ہیں کہ :

"معلوم ہوا کہ جو شخص نہ جانتا ہو اور اس کو علم نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ جاننے والے سے پوچھ کر عمل کرے اور یہی تقلید ہے" ص ۱۱۱ ج ۲۔

ثابت ہوا کہ عالم کے لیے تقلید ضروری نہیں۔ اسی طرح غیر عالم کے لیے بھی مسئلہ آسان ہے کیونکہ قرآن و احادیث کا ترجمہ ہر زبان میں ہو چکا ہے پس وہ بھی نصوص کی اتباع کر سکتا ہے عجیب تر یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر لوگ عمل کر سکتے ہیں لیکن تراجم احادیث دیکھ کر نہیں کر سکتے؟

ایضاً عامی پر بھی یہی حق ہے کہ عالم سے حدیث ہی پوچھے نہ کہ اس کی اپنی یا کسی اور کی رائے۔ پس حدیث سننے کے بعد وہ حسب طاقت اس پر عمل کرے گا۔ یہ تقلید نہیں نص کی اتباع ہے۔ اگرچہ وہ اس کو غلطی سے ضعیف یا منسوخ حدیث بتاتا ہے لیکن پھر بھی وہ حسب طاقت اتباع اسی چیز کا کہ صاحب جس کی اتباع کا مامور ہے اور ساتھ ہی "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" میں داخل ہے لیکن تقلید یہ ہے کہ اس کی رائے پوچھے اور بغیر پوچھے حدیث اس پر عمل کرے۔

ثانیاً آیت سے ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں دلیل معلوم نہ ہو وہ پوچھے نہ کہ ہر بات میں اجتبار ہے جس میں اس کو نص مل گئی پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو بحمداللہ۔ اس وقت کوئی بھی مسئلہ پیش آتا ہے تو کتب حدیث میں تتبع سے وہ مل جاتا ہے اور تقلید کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

ثالثاً خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ فاسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلك" (یونس ع ۱۰ پ ۱۱) پس کیا معاذاللہ آپ کو بھی اہل کتاب کی تقلید کا حکم ہے۔ حاشا وکلا۔

صرف تقلید سوال نہیں بلکہ استفسار مع الدلیل بھی سوال ہے۔

رابعًا سوال سے کیا مراد ہے؟ ان اہل الذکر کی اپنی رائے یا آیت قرآنیہ وحدیث؟ علی الاول رائے مختلف ہے۔ پس یہ سوال بغور رہا کیونکہ اختلاف کے وقت کسی ایک سے سوال یا اس پر اعتماد ممنوع ہے بلکہ "ردالی الکتاب والسنۃ" کا حکم ہے وعلی الثانی اتباع دلیل ہے نہ تقلید۔

خامسًا اہل الذکر خود اہل القرآن والحدیث ہیں نہ اہل الرائی۔ پس یہ تو برعکس تقلید کی تردید ہوئی۔ الحاصل مقلد کتاب وسنت کے متعلق نہیں پوچھے گا بلکہ اپنے امام کی رائے اور مذہب پوچھے گا اور اگر کتاب وسنت کے متعلق پوچھے گا تو مقلد نہیں رہے گا۔ فاختر ما شئت۔

قولہ صلا، سطر۳ "جاننا چاہیے کہ آیت میں اہل الذکر سے عموم اور استغراق یعنی اہل الذکر کے تمام افراد مراد نہیں اس لیے کہ تمام افراد سے دریافت کرنا ناممکن ہے۔ دوم یہ کہ اہل الذکر میں اختلاف فہم کی وجہ سے اختلاف ہونا لازمی ہے پس اگر سب کا اتباع کیا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے۔ اہل الذکر اس جنس کے حکم میں قرار دینا لازم ہوگا جو واحد اور متعدد سب کو شامل ہو یعنی وہ مسئول خواہ واحد ہو اور خواہ متعدد ہو۔ پہلی صورت کا نام تقلید شخصی ہے اور دوسری کا نام تقلید غیر شخصی ہے۔"

اقول:۔ اولًا جب اختلاف ممکن ہے تو پھر اصل کی طرف رجوع کا حکم ہے نہ کہ تقلید کا۔
ثانیًا اگر جنس مراد لو گے تو پھر کسی کی تعیین لازم نہیں آئے گی۔ پھر تقلید شخصی کیسے ہوگی؟
ثالثًا۔ اختلاف جب ہو سکتا ہے کہ اہل الذکر سے ان کی اپنی رائے پوچھی جائے کیوں کہ بقول شما اختلاف ان کے فہم کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہے لیکن اگر ان سے نصوص ہی پوچھی جائیں تو نہ رہے گا۔ اختلاف اور نہ تقلید۔

رابعاً۔ کسی ایک فرد کے تعین کی کیا دلیل ہوگی؟ یہ وظیفہ مقلد کا نہیں ہے کیا مجتہد بن گئے ہو؟

قولہ ص۱۱ س۱۔ "یہ آیت اگرچہ اہل کتاب کے بارہ میں نازل ہوئی"

اقول:۔ یہی سب مفسرین بتاتے ہیں مثلاً ابن جریر، قرطبی، ابن کثیر، درمنثور، خازن، بغوی جلالین، جمل، شوکانی، الجواہر، مراغی، قاسمی، نسفی، واحدی وغیرہ سب یہی بتاتے ہیں۔ پس اگر تقلید کی تردید والی آیتیں مشرکین کے لیے خاص کرتے ہو تو یہ آیت اہل کتاب کے لیے کیوں نہیں خاص کرتے ہو!

قولہ ص۱۱ س۱۱۔ "مگر باتفاق علماء اعتبار عموم معنی کا ہے نہ کہ خصوص معنی کا"

اقول:۔ اسی آیت پر اتفاق نہیں چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

لکن لیس ھو المراد ھھنا لان المخالف لا یرجع فی اثباته بعد انکاره الیه (تفسیر ابن کثیر ص۵۷۰ ج۲)

یہاں یہ (یعنی قرآن مراد لینا) درست نہیں کیونکہ مخالفین جس چیز کے منکر ہیں اس کے اثبات کے لیے اہل قرآن کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

وھکذا قال الشوکانی فی القول المفید ص۲۔

ثانیاً اگر عموم تسلیم بھی کرلیں تو بھی اہل الذکر سے سوال کرنے کا امر ہے اور "الذکر" قرآن وحدیث ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے مصنف رسالہ کو بھی انکار نہ ہوگا کیونکہ شریعت انہی دو چیزوں سے ماخوذ ہے۔ پس یہ سوال عن الدلیل ہے نہ کہ تقلید۔ وھو المدعی۔

قولہ ص۱۱ س۱۲۔ "اس لیے علت سوال کی دونوں جگہ مشترک ہے"

اقول:۔ اولاً یہ خود قیاس ہے جو مابین مختلف ہے۔ اس سے استدلال درست نہیں گویا

آیت فی نفسہ حجت نہیں بلکہ قیاس ہے۔ ثانیاً یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ: "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" (الاعراف)
پس یہ نص منصوص ہے جس کے مقابلہ میں غیر منصوص حکم مفید نہ ہوگا۔ ایسے قیاس کے آپ بھی قائل نہیں۔ ثالثاً وعلی التقدیر علت کا ذکر کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ اہلِ کتاب منکر تھے اس لیے حکم نازل ہوا کہ اہلِ علم سے سوال کر کے تصدیق کر لیں لیکن مسلمان منکر نہیں۔ لہٰذا ان کو ایسے سوال کی کوئی ضرورت نہیں گویا کہ علت بھی دونوں میں متحد نہیں ہے کیونکہ دونوں کا عدم علم ایک جیسا نہیں ہے۔

رابعاً۔ یہ آیت سوال میں نص ہے اور آیت "ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" غیر کے اتباع سے منع میں نص ہے۔ ثابت ہوا کہ اس آیت میں اہل الذکر کے اپنے اتباع کا حکم نہیں بلکہ ان سے نص پوچھ کر اسی کے اتباع کا حکم ہے۔

قولہ ص ۱۳ "جس طرح مشرکین کو عدم علم کی وجہ سے علمائے اہلِ کتاب سے دریافت کرنے کا حکم ہوا۔ اسی طرح غیر عالم مسلمان کو امورِ دینیہ میں عالم کی طرف رجوع کرنا ضروری اور واجب ہوا۔"

اقول:۔ لیکن دونوں کی عدم علمی میں فرق ہے۔ کما بینا۔ نیز علماء سے سوال قرآن و حدیث کا ہوگا۔ جیسے مشرکین کو بھی یہ حکم ہوا کہ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینات والزبر (النحل ع ۶ پ ۱۴)" یہاں "بالبینات والزبر" کی قید بتاتی ہے کہ مجرد اہل الرای سے پوچھنے کا ان کو حکم بھی نہیں ہوا پھر تقلید کو اس پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہے؟

قولہ صـ۱۷ سـ۱۵ "اور جس طرح مشرکین کو تین چار علماء اہل کتاب سے دریافت کرنا ضروری نہیں۔ ایک یہودی یا ایک نصرانی عالم سے بھی دریافت کر کے تشفی کر سکتے ہیں" الخ

اقول:- لیکن ان کو یہ تو حکم نہیں ہوا کہ کسی ایک معین عالم سے پوچھیں۔ دوسرے سے نہیں۔ پس اس پر تقلید شخصی کا قیاس کرنا صحیح نہیں۔

قولہ صـ۱۷ سـ۱ "اس آیت سے مطلق تقلید کی فرضیت معلوم ہوتی ہے"

اقول:- بلکہ تردید کیونکہ اہل الذکر صرف اہل القرآن والحدیث ہیں۔ اور یہ سوال عن النقل ہے نہ عن الرأی اور جب تردید ہوئی تو بقول شما تمام افراد حکم میں برابر ہوں گے۔

قولہ صـ۱۷ سـ۲ "اور اکثر اہل حدیث مطلق کی فرضیت کے قائل ہیں۔

اقول:- کوئی اہل حدیث تقلید کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قولہ صـ۱۷ سـ۳ "اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مطلق تقلید کے دو فرد ہیں" الخ

اقول:- جب تقلید علم ہی نہیں اور فرض تو کیا آیت سے اس کی تردید ہوئی۔ پھر یہ ساری تقریر لایعنی ہوئی۔

قولہ صـ۱۷ سـ۹ "حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک اصولی مسئلہ کی تعلیم دی کہ جو لوگ قرآن و حدیث کے غوامض نہیں سمجھ سکتے۔ وہ اہل علم سے احکامِ الٰہیہ دریافت کریں اور ان کی تقلید کریں۔

اقول:- یہ حکم نہیں دیا بلکہ علی التقدیر یہ حکم ہے کہ جہاں نص معلوم نہ ہو تو اہل النصوص سے پوچھو ثانیاً احکامِ الٰہیہ کتاب و سنت کا نام ہے یا اہلِ علم کی رائے کا؟ علی الاول یہ تقلید کیسے ہوئی اس کو تقلید سے تعبیر کرنا سینہ زوری ہے وعلی الثانی یہ کسی مسلمان کا مذہب یا عقیدہ نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ صـ۱۷ سـ۱۳ "خلاصہ کلام یہ کہ باتفاق علماء اہل الذکر سے اس آیت میں اہلِ علم مراد ہیں"

اقول:۔ لیکن علم سے مراد قرآن وحدیث ہے یا کچھ اور؟

قولہ ص۲ سطر۱۴ "جس کا بہترین مصداق فقہاء مستنبطین اور ائمہ مجتہدین ہیں۔"

اقول:۔ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ مقلد عالم نہیں۔ اور آپ بھی مانتے ہیں۔ جب ہی تو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جتنے عالم ہیں۔ وہ سب مجتہدین اور بقول شما اس آیت کے مصداق ہوئے۔ اور حصر کا دعویٰ غلط ہوا۔

قولہ ص۲ سطر۱۷ "یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین و مفسرین ہمیشہ ائمہ اربعہ ہی کی طرف رجوع کرتے رہے۔"

اقول:۔ یہ حصر غلط ہے۔ بلکہ دوسروں کی طرف بھی رجوع کرتے تھے اور تحقیق کے بعد جس کا قول دلیل کے موافق پاتے لے لیتے۔ اور جو مخالف نظر آیا ترک کر دیتے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقلد نہیں تھے۔ اور آیت "فاسئلوا اھل الذکر" کا مطلب بھی انھوں نے یہی سمجھا۔"

قولہ ص۲ سطر۱۸ "آیت دوم قال اللہ تعالیٰ۔ یایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔"

اقول:۔ مصنف رسالہ نے جرأت کی ہے پوری آیت نہیں لکھی ان الفاظ کے بعد اس طرح ہے کہ "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" (النساء ع ۸ پ ۵) اور اوپر بیان ہوا کہ اس سے مراد بالاجماع قرآن وحدیث کی طرف لوٹنا ہے۔ اور "اولی الامر" یا متفق ہوں گے یا مختلف اختلافی صورت میں تو یہی حکم ہے۔ اور اتفاقی صورت اجماع ہے جس کی طرف رجوع تقلید نہیں۔ کما تقرر فی مقرہ۔

الغرض یہ آیت تو بطلان تقلید میں نص صریح ہے۔

قولہ ص۲ سطر۱۹ "اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ حکام مراد ہیں اور بعض

کہتے ہیں کہ علماء و فقہاء مراد ہیں (الی قولہ) امام ابوبکر رازیؒ اور حافظ ابن کثیر رح نے بھی اختیار کیا کہ اولی الامر عام ہے امرا اور علماء دونوں کو شامل ہے اور امور دنیا میں تو امرا کی اطاعت لازم ہے اور امور دینیہ میں علماء کی اطاعت فرض ہے " صفحہ ۵، سطر ۱

اقول :- بلا شک حکم عام ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں ہیں اول یہ شرط ہے کہ ان کی اطاعت سے اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی لازم نہ آئے۔ اور یہ تحقیق کرنے اور نصوص دیکھنے کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ اجتہاد ہے نہ کہ تقلید۔

دوم سب کا متفق ہونا لازمی ہے۔ ورنہ سب کا ترک لازم آئے گا۔ اور نصوص کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت تقلید کو باطل بناتی ہے۔

عجوبہ :- مصنف رسالہ صفحہ ۳۸ میں اس آیت سے قیاس پر استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ " اور فان تنازعتم الخ سے قیاس کی طرف اشارہ ہے۔" الخ

اور پھر بتاتے ہیں کہ قیاس صرف مجتہدین کا کام ہے اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ اجتہاد اب بند ہے ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا جس کا مطلب ہے کہ یہ آیت چند معدود لوگوں کے لیے خطاب ہے۔ اور یہاں تقلید کے لئے پیش کر کے آیت کو عام بناتے ہیں نہ معلوم کون سی توجیہ صحیح اور کون سی غلط۔

عجوبۂ دوم

صفحہ ۳۸ میں واولی الامر منکم سے اجماع کی اتباع مراد لیتے ہیں اور یہاں اس کو تقلید کے لیے پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ ظاہراً تناقض ہے کیونکہ اجماع کا اتباع دلیل کا اتباع ہے اور تقلید دلیل کی اتباع نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۵، سطر ۱۲ :- ظاہر شریعت میں علمائے شریعت کی اور باطن شریعت میں مشائخ طریقت کی

اتباع ضروری ہے" الخ

اقول:۔ کیا معاذ اللہ شریعتیں دو ہیں؟ اور ائمۂ مجتہدین اس باطنی شریعت سے بے خبر تھے؟ وہ تو بقول شما قرآن و حدیث کے ترجمان ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باطنی شریعت قرآن و حدیث میں نہیں ورنہ ضرور بیان کرتے اور دوسروں کی حاجت نہ رہتی۔ ثانیاً مشائخ باطنیہ کو شریعت ظاہریہ معلوم نہیں؟ تو پھر ان کے حق و باطل پر ہونے کی کیا خبر؟ صدق سبحانہ تعالیٰ

ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا
(النجم ع ۲ پ ۲۷)

ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن (النساء ع ۲۲ پ ۶)

قولہ ص ۵ س ۱۳ "اور اپنے عمل کو کسی کے فتویٰ کے تابع کر دینے ہی کا نام تقلید ہے۔

اقول:۔ یہ اطلاق صحیح نہیں بلکہ دلیل معلوم کیے بغیر تابع ہونے کو تقلید کہتے ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ نے حرام کہا ہے۔

قولہ ص ۵ س ۱۵ "اگر بالفرض اولی الامر سے خاص حکام ہی مراد ہوں" الخ

اقول:۔ کچھ بھی مراد ہو خاص یا عام لیکن اوپر والی دو باتوں کا خیال رہے یعنی حکم متفق علیہ ہے یا مختلف اور نص کے موافق ہے یا مخالف۔

قولہ ص ۶ س ۱ "آیت سوم قال تعالیٰ۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم

اقول:۔ پوری آیت اس طرح ہے کہ

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم
(النساء ع ۱۱ پ ۵)

جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی چیز آتی ہے تو اس کو وہ نشر کرتے ہیں اور اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یا صاحب امر کی طرف لوٹاتے تو جو لوگ اس سے استنباط کرتے ہیں وہ اس کو جان لیتے ۔

اور لفظ "ردوہ" میں ضمیر امر کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص ایسی ناگہانی خبر کے متعلق ہے نہ کہ احکام دینیہ کے متعلق خود آپ بھی ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

"ان کو بتلا دیں کہ کون سی خبر قابلِ ذکر ہے اور کونسی ناقابلِ ذکر ص۱۶۰ ۳

معلوم ہوا کہ احکام دینیہ مراد نہیں کیونکہ وہ تو سب قابلِ ذکر ہیں ، دین چھپانے کی چیز نہیں ۔ ثانیاً اگر دینی احکام بھی اس میں داخل ہیں تو بھی لغایتہ یہ معلوم ہوگا کہ ایک آیت یا حدیث جس کا مطلب خود نہیں سمجھتا تو دوسرے عالم سے پوچھ کر عمل کرے اور یہ عمل بھی نص پر ہے نہ اس عالم کی رائے پر ۔ لہٰذا یہ بھی تقلید نہیں ۔ ثالثاً شانِ نزول آیت بھی بتاتا ہے کہ یہ احکام دینیہ کے متعلق نہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ وقت کے لیئے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدہ رہے تو بعض لوگوں نے اس کو طلاق سمجھا ۔ اس پر امیر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور امیر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

فکنت انا استنبطت ذالک الامر (لباب النقول للسیوطی ص۷۰ بحوالہ مسلم)

پس میں ہی تھا جس نے اس امر کا استنباط کیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بات کو صحیح طور پر معلوم کیا ۔)

رابعاً بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ظاہر ہوا کہ سائل اور رجوع کرنے والا بھی دراصل استنباط اور اجتہاد کرنے والا ہے ۔ چنانچہ اس نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا لیکن پھر بھی اس کو استنباط سے تعبیر کیا گویا سائل مجیب مفتی مستفتی راجع مرجوع الیہ

سب مجتہد اور صاحب استنباط ہیں بشرطیکہ بحث نصوص سے ہو اور انہی سے اخذ ہو۔ فتدبر۔

قولہ ص ۶ س ۶: "اس آیت سے ظاہر ہے کہ جو لوگ استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ ان پر اہل فقہ اور اہل استنباط کی تقلید ضروری ہے" الخ

اقول: یہ جب ہو کہ ایسا عالم پایا جائے جو کوئی ایک مسئلہ بھی قرآن وحدیث سے اخذ نہ کر سکے۔ یہ ناممکن ہے۔ ہاں اگر قرآن وحدیث دیکھے ہی نہیں تو اور بات ہے لیکن پھر عالم کس چیز کا کہلائے گا؟"

قولہ ص ۶ س ۱۰: "آیت چہارم قال تعالیٰ "فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون"

اقول:۔ آیت کا ترجمہ مصنف رسالہ یوں کرتا ہے کہ

"کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ فقہ فی الدین کو حاصل کرے اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ہوشیار و بیدار کرے تاکہ وہ دین کی باتوں کو سن کر اللہ کی نافرمانی سے بچیں"۔

ظاہر ہے کہ جو کچھ سیکھ کر آگے دوسروں کو بتائیں گے وہ قرآن وحدیث ہی ہو گا۔ اس میں مصنف کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ پس سننے والے اسی پر عمل کریں گے نہ کہ اس کی اپنی رائے پر پس یہ آیت برعکس ادلیل کے اتباع کا حکم دیتی ہے جو کہ تقلید کے منافی ہے۔ ثانیاً یہ حکم ہر زمانے کے لیے ہے۔ پھر ائمہ اربعہ کے لیے اجتہاد مخصوص کرنا اور دوسرے اللہ کے بندوں کو اس سے محروم رکھنا بھی غلط ہوا۔

قولہ ص ۶ س ۱۱: "اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ ان لوگوں پر سیکھنے کے بعد اپنی قوم کو وعظ اور انذار ضروری ہے اور قوم پر ان کا اقتدار اور اتباع ضروری ہے۔

اقول:۔ لیکن جو کچھ قرآن وحدیث سے سنائیں یہ تقلید نہیں۔ ثانیاً یہاں مصنف ہی کے

کلام سے معلوم ہوا کہ جتنے وعظ و نصیحت کرنے والے ہیں وہ سب مجتہد ہیں اور ان واعظین مولویوں میں کوئی بھی مقلد نہیں۔ ورنہ تمثیل غلط ہوگی۔ پس مصنف کے معتقدین اور رسالہ "اجتہاد اور تقلید" کے متبعین پر لازم ہے کہ یا تو مقلد کہلوانا ترک کر دیں یا پھر وعظ و نصیحت نہ کیا کریں کیونکہ بقول مصنف واعظ مجتہد ہی ہوتا ہے۔ چہ خوش۔

قولہ ص۲۲ سطر۱ "اور بسا اوقات یہ علم دین سیکھ کر واپس ہونے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے"

اقول:- کئی بھی ہوتے ہیں نیز ایک ہو یا زیادہ ایک ہی بات ہے جب کہ وہ علم قرآن حدیث ہی مراد ہے جو کہ دلیل ہے جس کی اتباع تقلید نہیں۔

قولہ ص۲۲ سطر۱ "اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کا اتباع تقلید شخصی ہی ہوگا۔"

اقول: یہ مغالطہ ہے۔ اتباع مراد نہیں بلکہ وہ جو بغیر معلوم کیے دلیل کے ہو اور واعظ اگر قرآن و حدیث سناتا ہے تو اس کا اتباع لازمی ہے اور یہ اتباع اس کا اپنا نہیں بلکہ جو قرآن و حدیث سناتا ہے اسی کا ہے اور اگر کچھ اور سناتا ہے تو اس کا اتباع ضروری نہیں۔ ثانیاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں، کیا ان کے اتباع کو بھی تقلید کہیں گے، حاشا للہ۔ اس طرح یہ عقیدہ ہوگا کہ اگر آپ کا قول و فعل بھی مدلل نہیں۔ یہ عقیدہ اسلامی نہیں بلکہ آپؐ کی توہین ہے ثالثاً اگر بالفرض آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع بھی تقلید ہے تو بھی بقول شما شخصی ہوگی کیونکہ ایک ہی شخص کی ہے پس کون مسلمان آپ کے بجائے دوسروں کی تقلید کرے گا پھر آپ غیر شخصی کو رد کر کے شخصی کو بحال کرتے ہیں۔ بر ایں صورت کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے کی تقلید نہیں کر سکتا۔

قولہ ص۲۲ سطر۱ آیت بنجم۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بايتنا يوقنون ؕ

اقول:۔ لفظ "بامرنا" یعنی ہمارے امر سے ہی کام تمام کر دیتا ہے کیونکہ اللہ کا امر وحی ہے اور وحی بتانا مجتہد کا کام ہے اور اس کی اتباع دلیل کی اتباع ہے۔

قولہ :۔ ص۲۲۸ س۵ "اور حدیث میں ہے انما جعل الامام لیؤتمد بہ امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا اور اتباع کی جائے۔

اقول:۔ یہ صحیح ہے لیکن وہاں بھی مقتدیوں کو حکم ہے کہ اگر امام سے سہو واقع ہو اور غلطی کر جائے تو اس کو "سبحان اللہ" کہہ کر خبردار کرو جس کے معنی امام کی اتباع میں بھی ہوشیاری ضروری ہے۔ اگر غلطی کرے تو اسے ٹوکا جائے۔ اس پر تنقید کی جائے۔ یہی غیر مقلدیت ہے۔

ایک اور طرح :۔ مصنف نے آیت سے استدلال کیا کہ امام ہوئے ہیں اور حدیث سے یہ کہ امام کی اقتداء کی جائے گی لیکن یہ نہ دیکھا کہ امامت بامرنا سے مشروط ہے اور اقتداء تنقید کے ساتھ معلق ہے۔ پس اگر یہی تقلید ہے تو دنیا میں اول سے لے کر آخر تک سب مقلد ہیں حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رح بھی مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہیں کیونکہ انہوں نے بھی کئی تابعین تبع تابعین کے اقوال لیے ہیں نیز آپ نے حماد بن ابی سلیمان اور ابراہیم نخعی کے اقوال کا اتباع کیا پھر وہ خود اس کا مقلد ہوا بجائے اس کے کہ اس کی تقلید کی جائے اور لطف یہ کہ اس طرح کوئی مجتہد رہ نہیں سکتا اور جب کوئی مجتہد نہ رہا تو مقلد بھی کوئی نہ رہا کیونکہ مقلِّد کے لیے مقلَّد (بالفتح) یعنی مجتہد ضروری ہے اور اگر تقلید سے وہی اتباع مراد ہے جو بلا دلیل ہو اور یہی صحیح ہے اور آپ نے بھی یہی تعریف کی ہے تو پھر اس آیت و حدیث میں اس کی تردید ہے نہ کہ تائید۔ فافہم۔

قولہ ص۲۲۸ س۷ "اب ہم چند احادیث دربارۂ تقلید ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں"

اقول: احادیث سے بھی ان شاء اللہ وہی ثابت ہوگا جو آیات سے ہوا جن آیات کو پیش کیا ان سے تقلید کا انکار ثابت ہوا۔ مناسب ہے کہ یہاں ہم چند اور آیات تقلید کی تردید میں

پیش کردیں۔

آیت اولیٰ: اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف) یہاں تین مقام قابلِ غور ہیں۔ اوّل "ما انزل" سے مراد سب مفسرین قرآن و حدیث بتاتے ہیں۔ مثلاً ابنِ کثیر صفحہ جلد ۲ قرطبی ۱۶۱ ج، سالخازن ۲، ۱ ج ۲۔ اسی طرح حسن و زجاج سے بھی نقل کرتے ہیں۔ نیز نسفی صفحہ ج ۲ شوکانی صفحہ ۱۶۹ ج ۲۔ القاسمی صفحہ ۲۹۱ ج ۷۔ المراغی صفحہ ۱۰۱ ج ۸ زمخشری صفحہ ۵۲۹ ج ۱ پس یہ دلیل ہی کے اتباع کا امر ہے۔ دوم "من دونہ" کا مرجع ربکم بھی ہو سکتا ہے اور "ما انزل" بھی دیکھو تفسیر کشاف صفحہ ۵۲۹ ج ۱ شوکانی صفحہ ۱۶۹ ج ۲ قرطبی صفحہ ۱۶۲ ج ۷، الجمل صفحہ ۱۲۰ ج ۲ پہلی صورت میں غیر اللہ کی اتباع سے منع ہے اور اللہ کا حکم فی نفسہ دلیل ہے اور صورتِ ثانیہ میں غیر وحی کے اتباع سے منع ہے گویا کہ بلا دلیل قبول کرنے سے منع ہے، یہی تقلید ہے منع ہے سوم اولیاء سے مراد مفسرین مطاع لیتے ہیں۔ دیکھو جلالین صفحہ ۱۲۷ ابن کثیر صفحہ جلد ۲۔ خازن صفحہ ۳ ج ۲ البغوی برحاشیہ خازن) وغیرہ معلوم ہوا کہ خدا کے بغیر دوسرے کی اطاعت ممنوع ہے لہٰذا غیر خدا کی اطاعت بوجہ مدلل نہ ہونے کے تقلید ٹھہری اور ممنوع ہوئی۔ خلاصۂ کلام قرآن و حدیث کا اتباع دلیل کا اتباع ہے اس کا حکم ہے اور غیر قرآن و حدیث کا اتباع دلیل کا اتباع نہیں اور وہ ممنوع ہے اور یہ کہنا کہ آیت "واولی الامر منکم" میں غیر قرآن و حدیث کے اتباع کا حکم ہے، صحیح نہ ہوگا کیونکہ بقیہ آیت ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتفاق کی صورت ہے اور آپ بھی اس سے اجماع ثابت کرتے ہیں۔ پس یہ دلیل کا اتباع ہے جس کا ثبوت "ما انزل" سے ہی ہوا ہے بلکہ امام ابن حزم نے الاحکام میں پوری تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اجماع یقینی کبھی قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا اور آپ نے صفحہ ۵۲ میں حدیث لکھی ہے کہ "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ"

یہ جب ہو سکتا ہے کہ مجمع علیہ مسئلہ قرآن و حدیث سے موافق ہو مخالف نہ ہو۔ پس یہ اتباع قرآن و حدیث کا ہوا لیکن یہ کہاں ہے کہ کسی غیر نبی کا اتباع کرو بلکہ ولا تتبعوا من دونہ اولیاء کہہ کر منع فرما دیا اور نہ یہ حکم دیا کہ جہاں اختلاف ہو وہاں جس کو اچھا سمجھو اسی کی اتباع کرو۔ حالانکہ اچھا سمجھنا خود اجتہاد ہے۔ کما مضی بلکہ ایسی صورت میں حکم؛ فردوہ الی اللہ والرسول فرما کر دلیل پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور سب کے اتباع سے روک دیا۔

آیت دوم ۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (النمل ع پ)

کہہ دو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے) اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔

ثابت ہوا کہ بغیر دلیل کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں اور جس قول کے لیے دلیل نہیں وہ سچا نہیں ہو سکتا۔ تقلید کی مذمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بلاشک آیت میں خطاب کفار کو ہے لیکن بقول مصنف، "باتفاق علما اعتبار عمومی معنی کا ہے نہ خصوص معنی کا" ملاحظہ رسالہ مطلب یہ کہ کہنے والا خواہ کون ہو اس کی بات کے صدق وسچائی کا معیار دلیل ہے اور یہ تقلید کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اگر بغیر برہان یا دلیل کوئی بھی بات سچی ہو سکتی تو خدا تعالیٰ ان سے برہان کا مطالبہ نہ کرتا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ان کو صرف جھوٹا کہنا ہی کافی تھا مگر دلیل کے مطالبہ سے ہم کو تعلیم دی ہے کہ بلا دلیل کوئی بات نہ مانیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوا دیا اور رد دلیل کا مطالبہ کروا کر بتا دیا کہ مسلمانوں کا طریقہ ہی غیر مقلدیت ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مطالبہ کفار سے تھا کیونکہ مطالبہ خواہ کسی سے ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مطالبہ کس چیز کا ہے۔ الغرض ان سے تو اتنا ہی کہنا کافی تھا کہ تم کافر ہو ہم تمہاری بات نہیں مانتے لیکن ظاہر کر دیا کہ تحقیق میں ہم متعصب نہیں۔ بلکہ ہر ایک کے لیے دلیل کا میدان صاف ہے۔ یعنی دلیل پیش کر دیا ہم سے سنو اگر کہو گے کہ کفار کے پاس تو دلیل ہے ہی نہیں۔ تو ہم کہیں گے یہاں دو صورتیں ہیں کیا مسلمانوں کے پاس دلیل ہے یا نہیں؟ علی الاول یہ اتباع

دلیل ہو تقلید کا نشان نہ رہا۔ ایضاً جب کفار جن کے پاس دلیل ہے ہی نہیں۔ ان سے دلیل پوچھی جاتی ہے تو مسلمان جن کے پاس دلیل ہے ان سے پوچھنا یا معلوم کرنا بالطریق الاولیٰ ضروری ہے وعلی الثانی پھر دونوں (مسلمان وکفار) میں فرق نہ رہا اور دونوں سے دلیل کا مطالبہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ دلیل اور تحقیق مسلمانوں کی شان ہے اور بلا دلیل عمل کرنا یا تقلید کرنا کفار کی رسم ہے۔

آیت سوم ۳:۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب (الزمر ع ۲ پ ۲۳)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو باتیں سنتے ہیں پھر جو ان میں اچھی ہوتی ہیں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی صاحب عقل ہیں۔

ناظرین! باتوں میں اچھی بری، صحیح غلط، خطا، صواب حق، باطل، سچ جھوٹ، مفید مضر، مقبول مردود سب قسم کی ہوتی ہیں لیکن ان میں اچھی یا صحیح صواب حق سچ مفید اور مقبول کا انتخاب کرنا اسی کا کام ہے جو تحقیق کر کے سب کی وجوہات اور ان کا وزن دیکھے پھر جو ان میں قابل قبول نظر آئے اس کو لے لے۔ یہ کام مجتہد کا ہے نہ کہ مقلد کا۔ لہٰذا یہ بشارت مجتہد کے لیے خاص ہے اور مقلد اس سے محروم ہے۔ علامہ نسفی حنفی تفسیر مدارک التنزیل ص ۵۲ ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ

اراد ان یکونوا نقادا فی الدین یمیزون بین الحسن والاحسن والفاضل والافضل۔

مراد یہ ہے کہ وہ (عباد اللہ) ذہن میں چھان بین کرنے والے ہوں اور حسن واحسن اور فاضل وافضل کے

درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔

یہی اوصاف مجتہد کے ہیں اور علامہ زمخشری حنفی کشاف ص۲۸ ج ۲ میں تحت الآیت عبارت بالا کے بعد لکھتے ہیں

ویدخل تحتہ المذھب واختیار أثبتھا علی السبک وأقواھا عند السبر وأبینھا دلیلا اوامارۃ وأن لا تکون فی مذھبک کما قال القائل ولا تکن مثل غیر قید فانقادا ـ یرید المقلد۔

اس کے تحت مذہب کا انتخاب کرنا بھی داخل ہے یعنی کون سا مذہب سب مذاہب میں زیادہ مضبوط قوی اور دلیل کے لحاظ سے واضح ہے اور یہ کہ اپنے مذہب میں ایسا نہ ہو جیسا کہ کسی شاعر نے کہا کہ قافلہ کی مثال مت ہو کہ جب کھینچا جائے تو کھنچ جائے۔ مراد مقلد ہو کر رہ۔

اور یہ پورا شعر تفسیر قاسمی ص۱۲۴ ج ۱۴ میں حاشیہ پر مذکور ہے ؎

شمر وکن فی أمور الدین مجتھدا
ولا تکن مثل غیر قید فانقادا

خود اہتمام کر اور دینی احکام میں مجتہد ہو کر رہ اور قافلہ کی طرح مت بن کہ کھینچا جائے تو کھنچ جائے۔

پس یہ آیت صریحًا تقلید کی نفی کرتی اور اجتہاد کی فضیلت بتاتی ہے کہ مبارک وہ بندے ہیں جو خود کوشش کرتے ہیں اور دلائل کو دیکھ کر حق و باطل کا فرق کر کے حق کو لیتے اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں مثلاً ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ایسے وقت ان اقوال میں جو قول احسن یعنی کتاب و سنت کے موافق ہو اس کو اختیار کریں۔ نہ یہ کہ تحقیق سے اپنے آپ کو محروم کر کے بلا معرفت دلیل کے کسی ایک بات کو تقلیداً لے لیں۔ یہ اس بشارت عظمیٰ سے محروم رہنا ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ ہم ائمہ کے واسطہ سے قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا افہام وتفہیم سب اقوال ہیں جو مختلف ہیں اور لازماً کوئی ان میں صحیح کوئی غلط ہے۔ لہٰذا ان میں بھی احسن کی تلاش کرنی پڑے گی اور اجتہاد ہی کرنا ہوگا اور تقلید کے گھوڑے کا پاؤں اس میدان میں لنگ اور چلنے سے قاصر ہے۔

آیت چہارم ؏ (۱) اذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرأ منھم کما تبرءوا منا (البقرۃ ع ۲۰ پ ۲)

اور جب متبوع اپنے تابعین سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب دیکھیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور تابعین کہیں گے کہ کاش ہمارا دنیا میں دوبارہ لوٹنا ہو تو ہم بھی ایسے ہی ان سے بیزار ہو جاتے جیسا کہ یہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔

اور یہاں اتباع بالدلیل تو مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ "ما انزل" کے اتباع کا تو حکم ہے جو دلیل ہے اور یہاں اتباع بلا دلیل مراد ہوگا اور اسی کو تقلید کہتے ہیں اور اگر کہو گے کہ یہاں اتباع سے مراد عبادت غیر اللہ ہے تو یہ تقلید کی مذمت پر اور زبردست دلیل ہوگی کیونکہ اول یہ تسلیم کریں کہ غیر اللہ کا اتباع اس کی عبادت ہے ورنہ یہاں تینوں مقام پر بجائے اتباع کے لفظ عبادت ہوتا۔ پس اللہ کی عبادت اور اطاعت حق اور غیر کی عبادت اور اتباع باطل و شرک ہوگی۔

آیت پنجم ؏ (۱) واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا (البقرۃ ع ۲۱ پ ۲)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی اتباع کرو جس کو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو

اسی کی اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔

یہاں دلیل کی طرف دعوت ہے اور وہ ایسی چیز کی اتباع کرتے ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا: اولو کان اباءھم لایعقلون شیئاً ولا یھتدون "جب ان کے رسم و رواج اور طریقہ کے حق یا باطل ہونے کا پتا نہیں تو پھر ایسی چیزیں ان کا اتباع کیسے کرتے ہیں۔ یہی بعینہٖ تقلید کا حال ہے۔ جب کہ متبوع کے قول کی کوئی دلیل معلوم نہیں کیا خبر کہ وہ حق ہے یا باطل؟ اسی لیے فرمایا کہ مشکوک چیز کو چھوڑ کر یقینی یعنی "ما انزل اللہ" کا اتباع کرو۔ اگر کہو گے کہ یہ کفار کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان کے آباء و اجداد بھی کفار تھے تو ہم کہیں گے کہ یہی ہماری دلیل ہے کہ بلا دلیل کسی بات کا اتباع کرنا کفار کی رسم ہے اور مسلمانوں کا مذہب اتباعِ دلیل ہے۔

"قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی"

(یوسف ع ۱۲ پ ۱۳)

ایضاً ان کو تو جواب میں یہ کہنا کافی تھا تم کافر ہو۔ تمہارے باپ دادا کافر تھے بلکہ یہ کہا کہ جن کا تم اتباع کرتے ہو۔ ان کے ہدایت پر ہونے کا تمہارے پاس ثبوت نہیں ہے اور یہی تقلید ہے۔ اس موضوع پر آیتیں بے شمار ہیں مگر مصنف ہی کے عدد پر اکتفا کرتے ہیں اور جو پانچ آیات جو مصنف نے ذکر کی ہیں۔ ان سے بھی تقلید کی تردید ثابت ہوئی۔ فتلک عشرۃ کاملۃ۔

اب جن احادیث کو مصنف نے ذکر کیا ہے ان پر کلام کرتے ہیں ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا
ویاتیک بالاخبار ما لم تزود

قولہ صفحہ ۸، حدیث اول: عن حذیفۃ (الی قولہ) اقتدوا بالذین من بعدی

ابی بکر و عمر۔

اقول: اس کی تشریح میں مصنف لکھتا ہے کہ

" من بعدی" کا مطلب ہے کہ میرے بعد یہ دونوں خلیفہ ہوں گے ابوبکرؓ کے
زمانہ خلافت میں ابوبکرؓ کا اتباع کرنا اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عمر رضی اللہ عنہ
کا اتباع کرنا" ص ۷ س ۱۶۔

پس اس میں اقتدار خلافت میں ہے نہ امور دین میں اتباع ثانیاً کئی صحابہؓ نے ان سے مسائل میں
اختلاف کیا ان کو خلافت کے باغی قرار دوگے؟ ثالثاً خود دورِ خلافت میں صحابہ ان کی تقلید نہیں کرتے
تھے۔ مثلاً مانعین زکوٰۃ سے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی
مخالفت کی مگر جب دلیل سے سمجھایا تو مان گئے لیکن تقلید نہیں کی۔ رابعاً اگر اس سے مراد تقلید ہے
تو ان دونوں کا مذہب کیوں وجود میں نہیں آیا۔ کوئی ہے دنیا پر ابوبکری یا صدیقی اور عمری یا فاروقی
مذہب کہلانے والا؟ خامساً حدیث میں ان دو کا نام ہے کیا ان دونوں کی سب باتیں مانی جاتی ہیں
حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ چاروں مذاہب ہیں کئی مسائل ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ اگر بلا دلیل
ایسا کرتے ہیں تو یہ تقلید کسی دوسرے کی ہوئی اور ان دونوں پر اس کو کیوں ترجیح دی گئی اور اگر دلیل
سے کرتے ہیں تو غیر مقلد ہوئے۔ یہ چھٹا جواب ہے۔ سابعاً جہاں ان دونوں کا اختلاف ہو۔ مثلاً
خلافت صدیقیہ میں ایک طرح تھا اور خلافت فاروقیہ میں دوسری طرح ہوا۔ وہاں کیا کروگے؟ آیت فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ و
الرسول پر تو عمل نہیں کروگے؟ ضرور کرنا پڑیگا۔ یہی ترک تقلید ہے ثامناً یہاں اقتداء بالدلیل مراد ہے کیوں کہ بلا دلیل اتباع واقتدا
کی مذمت آیت چہارم سے ثابت ہوچکی بلکہ خود ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ایسے تابعین سے بیزار
ہوجائیں گے۔ تاسعاً اگر اس اقتدا سے مراد تقلید ہے تو پھر سب امت اس میں مخاطب ہے پس کیا ائمہ
اربعہ اس حدیث پر عامل ہیں یا نہیں؟ علی الاول وہ بھی مقلد ہوئے پھر تم کس کے مقلد ہو اور مقلد کی کیسے

تقلید ہوگی وعلی الثانی جس روایت پر تمہارے امام عامل نہیں تو تم اس پر کیسے عمل کرتے ہو ممکن ہے
تمہارے امام نے اس روایت کو قابل عمل نہ سمجھا ہو بلکہ اس کو ضعیف یا منسوخ سمجھا ہو تم نے اس کو
کیسے قابل عمل سمجھا کیا غیر مقلد ہو گئے ہو؟ اور اگر کہو گے کہ اس روایت میں وہ مخاطب ہی نہیں تو
پھر اس استثناء کی کیا دلیل ہوگی۔ عاشراً اگر اس روایت میں تقلید ہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ
ہوا کہ ان دو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ باقی سب صحابہ مقلد تھے۔ کیا نعوذ باللہ ایک لاکھ سے
زیادہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان دو کے علاوہ کوئی اجتہاد کا اہل نہیں تھا؟ حاشا وکلا۔ الحادی
عشر زمانہ خلافت کا جو آپ نے قید لگایا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت کا خلیفہ ہوگا اس کی تقلید کرو ور
باقی علماء اور بالخصوص ائمہ اربعہ کی تقلید ختم۔ الثانی عشر شیخین رضی اللہ عنہما کو آپ معصوم عن الخطاء
مانتے ہو؟ اگر نہیں اور یہی سنیوں کا مذہب ہے تو پھر لازماً ان کا بھی وہی حال ہوگا کہ "المجتہد یخطی ویصیب"
پس ان کا مصیب قول ہی قابل اخذ ہے نہ کہ مخطی اور اس کی پہچان وتمیز رجوع الی الکتاب والسنۃ
سے ہی ہوگی۔ ثابت ہوا کہ یہاں اقتداء مع الدلیل کا حکم ہے نہ کہ بلا دلیل اور اس سے مصنف کا یہ
قول غلط ہوا کہ " اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کے دلائل بھی دریافت کرنا" اس لیے
کہ خطاء وصواب کا امکان ہے۔ کئی لوگوں نے امیر عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کئے اور ان کے فتویٰ
کے خلاف دلائل پیش کیے اور اس نے رجوع فرمایا۔ مثلاً مجنونہ کو حد لگانے کے حکم پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
نے حدیث سنائی اور آپ نے رجوع کیا (ابوداؤد ص۲۶۱ج۲) آپ نے مہر زیادہ لینے سے روکا۔ ایک عورت
نے معارضہ میں آیت پیش کر دی تو فوراً رجوع کیا (مسند ابی یعلی الموصلی) ایسی کئی مثالیں ہیں جن سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت سے جو مصنف صاحب ومن تبعہ سمجھتے ہیں، وہ نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ
سمجھتے تھے نہ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم۔

قولہ ص۲۲ سطر۱۹ ۔ بلا دلیل دریافت کرنے کے کسی فتوے پر عمل کرنا یہی تقلید شخصی ہے ۔"

اقول: لیکن اس روایت میں یہ مراد نہیں کما بیناہ۔

قولہ ص۴ س۳ "حدیث دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو تعلیم احکام کے لیے روانہ فرمایا۔ مفصل حدیث گزر چکی" الخ

اقول: اس پر مکمل بحث بھی گزری کہ یہ روایت صحیح و ثابت نہیں نیز علی التقدیر اس میں یہ کہاں ہے کہ معاذ کی رائے کا اتباع ہو بلکہ معاذ کو کتاب وسنت ہی بتانا تھا اور "اجتہد برائی" کا مطلب یہ کہ میں دلیل تلاش کروں گا اور قرآن وحدیث سے مسئلہ نکالنے کی کوشش کرتا رہوں گا نہ یہ کہ محض اپنی رائے پیش کروں گا۔ پس علی تقدیر صحۃ الروایہ یہ بھی دلیل نہ ہوئی۔

قولہ ص۴ س۵ "اور اہل یمن کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم معاذ سے دلیل بھی پوچھنا"

اقول: کیا اس سے روکا بھی تھا۔ ثانیاً جب وہ خود قرآن وحدیث بتائیں تو پھر کیسے پوچھیں گے؟

قولہ ص۴ س۶ "خصوصاً ان مسائل میں جو کہ اپنی رائے سے تبلائیں" الخ

اقول: اولاً اجتہاد کا مطلب ہے دلیل تلاش کرنا اہل علم سے مشورہ کرنا کما مر ثانیاً یہاں کب مذکور ہے کہ معاذ نے رائے سے فیصلہ دیا آپ کوئی مسئلہ پیش کریں جو معاذ نے محض اپنی رائے سے بتایا ہو۔ نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں پھر ایسی بات کہیں ثالثاً آپ نے محض اپنی رائے کو ص۴۵ میں ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے پس کیا معاذ اللہ ان کو معاذ گمراہ کرنے گئے تھے؟ اگر کہو گے کہ اس سے وہی رائے مراد ہے جو نص سے مؤید ہو تو یہ اتباع دلیل ہے نہ تقلید بلکہ اس روایت سے علی شرط الصحۃ ثابت ہوا کہ مسئلہ ہر حال میں دلیل سے بتانا چاہیئے۔

قولہ صفحہ سطر ۸ "حدیث سوم ان العلماء ورثۃ الانبیاء" الخ

اقول: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ قرآن وحدیث ہے۔ یہ ان سے لینا دلیل کا اتباع ہے نہ رائے علماء کا جو اس کو تقلید سمجھا جاتے اور اگر رائے مراد ہے تو پھر وارث نہ رہے نہ یہ ورثہ نبوی ہوا کیونکہ یہ آپ سے نہیں ملی گئی بلکہ ان کی اپنی فہم ہے۔

قولہ صفحہ سطر ا "پس جس طرح نبی کی اتباع فرض اور لازم ہے۔ اسی طرح اس نبی کے وارث کا بھی اتباع لازم ہے"

اقول: اس کی روایت میں یا رائے میں؟ بصورت اول تقلید نہیں و ثبانیہ ورثہ نبوی نہیں اور یہ حدیث خارج عن النزاع ہے۔ نیز توارث الحدیث مراد ہے تو اور بات ہے لیکن مقلد اپنے امام کا وارث ہے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں قالہ الشعرانی (الیواقیت والجواھر صفحہ ۹۹ ج ۲ پس علی قولکم ائمہ اربعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت میں معاذ اللہ کوئی وارث نہیں

قولہ صفحہ سطر ۱۱ "انبیاء کی میراث شریعت کا علم ہے" الخ

اقول: وہ قرآن وحدیث ہے جس کا اتباع فرض ہے اور علماء اس کے ناقل ہیں۔ ان کے نقل پر اعتبار ہے نہ کہ ان کی اپنی رائے سند ہے ؎

گر فرق مراتب نہ کنی .....

قولہ صفحہ سطر ۱۳۔ "جو شخص کسی صحیح وارث اور صحیح عالم دین کی تقلید کرے گا وہ نبی اور اور رسول ہی کا متبع سمجھا جائے گا۔

اقول: صحیح وارث وہ ہے جو قرآن وحدیث کا عالم ہو اور دوسروں تک پہنچائے یہ دلیل کا لینا ہے تقلید نہیں۔

قولہ صفحہ سطر ۱۴ "جیسے رسول کی اتباع کرنے والا اللہ کا مطیع اور فرمانبردار سمجھا جاتا ہے" الخ

اقول :۔ اس کے لیے تو نص قرآنی وارد ہے لیکن دوسروں کے لیے کون سی آیت یا حدیث ہے ؟ یہ مقام ان کو دینا غلو ہے۔ الحاصل :۔ ان روایتوں سے تقلید کا ثبوت تو درکنار بلکہ بطلان ظاہر ہوا اور مناسب ہے کہ ہم تین اور حدیثیں تقلید کی تردید میں پیش کریں۔

حدیث اول :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :" انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابدا کتاب اللہ وسنۃ نبیہ " الحدیث رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد (الترغیب والترہیب للمنذری منش ج ۱) یہاں ہدایت کا اور ضلالۃ سے بچنے کا اس پر موقوف رکھا کہ قرآن وحدیث سے تمسک کیا جاتے جو کہ دلیل ہے اور اس کے خلاف دوسری چیز دلیل نہیں اور اس کی اتباع گمراہی ہوئی ثابت ہوا کہ اجتہاد یعنی دلیل کی اتباع ہدایت اور تقلید ضلالت ہے اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میراث نبوی یہی ہے۔

حدیث دوم :۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تورات کا نسخہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر پڑھنے لگے آپ اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور پھر فرمایا کہ

والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًا وادرک نبوتی لاتبعنی

(رواہ الدارمی ص ۶۲)

خدا کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس کے پیچھے لگو تو راہ راست سے گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور خود موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پہنچتے تو میری ہی اتباع کرتے۔

ناظرین۔ غور فرمائیں جب کسی نبی کا اتباع بھی بلا دلیل (بدون تائید قرآن وحدیث

محمدی) گمراہی ہے تو دوسرے کا اتباع بلا دلیل بطریق اولیٰ گمراہی ہے اور تقلید اتباع بلا دلیل ہی کا نام ہے۔

حدیث سوم :-

عن علی قال قلت یارسول اللہ إن نزل بنا أمر لیس فیہ بیان أمر ولا نہی فما تأمرنی قال تشاور وا الفقہاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رأی خاصۃ (رواہ الطبرانی فی الأوسط ورجالہ موثقون من أھل الصحیح (مجمع الزوائد ص۱۷۸ ج ۱ ق)

"امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر ایسا کوئی امر ہم کو پیش آئے جس میں کسی قسم کے امر یا نہی کا بیان نہ ہو (ہم کو نص نہ ملے) تو ایسی صورت میں مجھے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں، فرمایا کہ فقہا و عابدین سے مشورہ کرو یا کسی ایک کی رائے کو نہ چلنے دو۔"

یہاں نہ قیاس کی اجازت ہے نہ تقلید کی بلکہ کسی مخصوص شخص کی رائے کے اتباع سے بھی ممانعت ہوئی۔ جو کہ صریحاً تقلید شخصی کی منع ہے۔ بلکہ اس میں علماء و فقہاء کو مشورہ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ان کے مذاکرہ و مباحثہ سے کسی نہ کسی دلیل کا پتا لگ سکتا ہے۔ یعنی علماء سے گفتگو کی جائے، اور ائمہ دین کی تصنیفات کا مطالعہ کیا جاتے کہیں نہ کہیں دلیل حاصل ہو سکتی ہے۔

الحاصل :- ان دس آیات اور چھ احادیث سے تقلید کا مردود ہونا "کالشمس فی نصف النہار" ثابت ہوا۔ والحمد للہ۔

(رسالہ "رسالہ خلاصہ کلام" الخ)

اول: اس عنوان کے تحت مصنف یوں رقمطراز ہے کہ

"یہ کہ مطلق تقلید فرض ہے جس کے دو فرد ہیں ایک شخصی اور غیر شخصی اور چونکہ"

"ایک ہی جنس کے دو فرد ہیں لہٰذا دونوں ہی فرض ہوں گے" ص۹ س۳

جن دلائل پر فرضیت کی بناء رکھی گئی ان سے برعکس تردید ثابت ہوئی۔ ثانیاً دونوں قسم کی تقلید کے فرض ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جو بھی کرے فرض ادا ہو گیا یا ہر ایک بذاتِ خود فرض ہے؟ بصورت ثانیہ تناقض ہوگا اس لیے کہ جو تقلید شخصی کرے گا وہ غیر شخصی نہیں کر سکتا اور جو غیر شخصی کرے گا وہ شخصی نہیں کر سکتا پس مقلد لازماً ایک فرض کا تارک اور گنہگار ہوگا اور اگر صورت اول مراد ہے تو پھر آپ کا یہ فرمان غلط ہوا کہ

"تقلید شخصی واجب بالغیر ہے اور تقلید غیر شخصی ممنوع ہے۔ اس سے ہوئی پرستی"

"زمانہ اتباع ہوئی سے بچانے کا ذریعہ سوائے تقلید شخصی کے اور کوئی نہیں ص۸ س۱۸"

اس بات میں کہاں تک صدق ہے۔ اس کا بیان اپنے مقام پر آئے گا لیکن یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اطلاق آپ خود رد کر رہے ہیں۔ ثالثاً: اگر بقول شما تقلید غیر شخصی ایسی ہی بری ہے تو پھر فرض کیسے ہوئی؟ آپ تو دونوں فرض بتاتے ہیں۔ رابعاً: جنس کی تعریف یہ ہے کہ "مقول علی کثیرین مختلفی الحقائق" اور تقلید کوئی بھی ہو شخصی ہو یا غیر شخصی اس کی ایک ہی حقیقت ہے یعنی اتباع "قول الغیر من غیر دلیل" پس یہ تفریق ہی عبث ہے اور آپ کا یہ کہنا لغو ہوا کہ "یہ ناممکن ہے کہ جس فرض کے دو فردوں میں سے ایک فرد تو فرض ہو اور دوسرا فرد (یعنی تقلید شخصی) مباح ہو" (ص۹ س۴) اگر کہو گے کہ من وجہ جنس اور من وجہ نوع ہے تو بھی غلط ہوگا۔ کیونکہ دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے کسی ایک خاص شخص کا بلا دلیل اتباع کرے یا کبھی کسی کا کبھی کسی کا لیکن مع دلیل ہے تو تقلید نہیں۔

قولہ ص۹ س۵ " فرض اور مباح دونوں عین متباینین ہیں اور ایک مباین کا دوسرے مباین کے تحت درج ہونا عقلاً محال ہے " الخ

اقول :- لیکن کیا ان کا ارتفاع بھی ممتنع ہوگا حالانکہ ایک قسم حرام بھی ہو سکتی ہے جو نہ فرض ہے نہ مباح ہے

قولہ ص۹ س۶ " جس طرح حرف اسم کی قسم نہیں بن سکتا ہے "

اقول :- اسم وحرف کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ دونوں نوع ہیں۔ جنس یعنی کلمہ کے تحت لیکن یہاں تقلید شخصی یا غیر شخصی کی حقیقت ایک ہے۔ یعنی اتباع بلا دلیل اس کا انتفاء تقلید کے اسم انتفاء کو لازم ہے۔ پس یہ قیاس درست نہیں ہے۔

قولہ ص۹ س۸ " مطلق تقلید کے فرض ماننے کے بعد اس کے ایک فرد یعنی تقلید شخصی کو مباح کہنا سراسر غلط فہم ہے "

اقول :- فرض تو کیا اس کی تردید ثابت ہوئی۔ ثانیاً جو مطلق کی فرضیت کے قائل ہوں گے وہ کہیں گے کہ جب کسی نے غیر شخصی کر دی اس پر شخصیت کی فرضیت نہیں رہی۔

قولہ ص۹ س۱۰ " مگر چونکہ مطلق تقلید کے امتثال میں اختیار ہے کہ جس فرد کو چاہو اختیار کرو تو عاصی نہ ہو گے " الخ

اقول :- علی التقدیر پھر آپ کا تقلید شخصی کو کہنا اور غیر شخصی کو رد کرنا غلط وبے معنی ہوا۔ ثانیاً جب یہ اختیار حاصل ہے تو علی زعم شما مجرد تقلید فرض ہوئی۔ شخصی یا غیر شخصی کا قید درست نہیں۔ بلکہ تقلید مع القید مباح ہو گی۔

قولہ ص۹ س۱۲ " اس کی مثال ایسی ہے " الخ

اقول : یہاں مصنف نے دو مثالیں دی ہیں ایک کفارۂ قسم۔ دوسری اضحیہ کی لیکن دونوں

میں فرض یا وجوب مع عدم تعیین ہے اور آپ نے سارا زور رسالہ میں اس پر لگایا ہے کہ ایک ہی قسم
تقلید کی یعنی شخصی کو معین قرار دیں پس یہ محنت بیکار ہوئی ع

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہُوا

نامرادی میں ہوا ہے تیرا آنا جانا

جیسے کہتے ہو جو بھی کفارہ ادا کر دیا جس جانور کی قربانی کرو گے تو حق ادا ہو جائے
گا۔ اسی طرح جو بھی تقلید ہو گی کافی ہو گی۔ یہ اس صورت میں جب تقلید کی فرضیت مانی جاتے
اور یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔

قولہ منشا ۱ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید شخصی کا ثبوت ؛

اقول :۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۴ ج ۱ میں امام ابن حزم رحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ
خواہ تابعین اور تبع تابعین سب کا اول سے لے کر آخر تک تقلید کی ممانعت پر اجماع ہے۔
نیز امام ابن حزم الاحکام صفحہ ۸۷۰ طبع جدید میں لکھتے ہیں کہ

قال التقلید کله حرام فی جمیع الشرائع اولها عن آخرها من التوحید
والنبوة والقدر والایمان والوعید والامامة والمفاضلة وجمیع
العبادات والأحکام۔ اھ

اول سے لے کر آخر تک سب شریعتوں میں تقلید کرنا حرام ہے خواہ عقائد توحید و
نبوت تقدیر ایمان وعید امامت مفاضلہ میں ہو یا جمیع عبادات اور احکامِ شرعیہ میں ہو اور امام
شوکانی ارشاد الفحول صفحہ ۲۶۷ میں لکھتے ہیں کہ

قال القرافی مذهب مالك وجمهور العلماء وجوب الاجتهاد
وإبطال التقليد وادعى ابن حزم الاجماع على النهي عن التقليد إن لم

يكن إجماعا فهو مذهب الجمهور - اه مختصراً۔

قرافی کہتے ہیں کہ امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ اجتہاد واجب اور تقلید باطل ہے اور امام ابن حزم نے تو تقلید کے منع پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے اگر اجماع نہ بھی ہو تو بھی جمہور کا مذہب مزور ہے۔

پس جو اس عنوان کے تحت مصنف نے لکھا ہے حقیقت کے خلاف ہوا۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

قولہ ص۵ "صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اسی طرح عمل رہا کہ سائل کے جواب میں عالم نے جو کچھ حکم دیا دلیل سے یا بلا دلیل سائل نے اس پر عمل کیا" الخ

اقول: یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ سلف میں دلائل پوچھنے کا رواج تھا بلکہ جہاں کہیں دلیل کے خلاف نظر آیا تو بڑے سے بڑے کو ٹوک دیا جیسا کہ اوپر کچھ مثالیں گذریں نیز علی التعدیر عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں۔ دیکھو المستصفی للغزالی ص۳۸۹ ج۲ وفواتح الرحموت ص۴۰۰ ج۲ فی ذیل المستصفی۔ والتحریر لابن الہمام ص۵۴۷۔ آپ کو تقلید کی دلیل دینا چاہیے لیکن مقلد اور استدلال "شتان ما بینهما"۔

قولہ "معلوم ہوا کہ مستفتی کو بلا دلیل اور بلا ماخذ معلوم کیے ہوتے کسی مستند عالم کے فتویٰ پر عمل کرنا بالاجماع واجب ہے"

اقول: امام ابو حنیفہ رح نے تو اس کو حرام کہا ہے۔ کما مر۔ ثانیاً بلکہ اجماع اس کی منع پر ہے کما ذکرنا آنفا۔ ثانیاً یہ بھی تقلید نہ ہوئی۔ کما بیناہ

قولہ ص۱۲ "قال ابن الحاجب لم تزل" الخ

اقول: اول یہ سوال ایک دوسرے سے دلیل معلوم کرنے کے لیے بمنزلہ مشورہ تھا۔

ثانیاً اگر سائلین سے عوام ہی مراد ہیں تو پھر یہ سوال تقلید نہیں۔ ثالثاً اوپر گذرا کہ اجماع تقلید کے خلاف ہے لہٰذا یہ سوال تقلیدی مراد نہیں۔ رابعاً ابن حاجب کی کتاب مختصر الاصول کی طرف رجوع کیا گیا لیکن اس میں اسی طرح عبارت نہیں بلکہ کافی تبدیل کی گئی ہے۔ وہاں اجماع کا ذکر نہیں نیز ابن حاجب نے خود تقلید کو ضروری قرار نہیں دیا ہے۔

قولہ ۱۵۱۔ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں "

اقول: اس کی پوری تردید ہو چکی ہے۔ ایضاً تقلید علم ہی نہیں جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن قیم سے نقل کیا۔ پھر سلف ایسی چیز پر کیسے قناعت کر سکتے تھے۔ اس قول کے بطلان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

قولہ ۱۵۵۔ "اہل علم پر مخفی نہیں کہ قبائل عرب کی زبانیں اگرچہ عربی ہونے میں مشترک تھیں (الی قولہ) تمام صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حکم کو۔ بسر و چشم قبول کیا۔ ابتدائً یہ تقلید شخصی تھی "الخ

اقول: عجیب استدلال ہے مقلد اور استدلال۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

دراصل امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری قراءتوں کو رد نہیں کیا بلکہ جب ان کو یہ علم ہوا کہ لوگ سخت اختلاف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن میں ان کا اختلاف توریت و انجیل میں یہودیوں اور نصرانیوں کے اختلاف کی صورت اختیار کر رہا تھا اس لیے انھوں نے سب صحابہؓ کے مشورہ سے کام لیا اور جب سب نے مشورہ دیا تو عمل میں لایا یہ نہ کہ انھوں نے خود حکم دیا یا خود کیا اور لوگوں نے بلا چون و چرا قبول کر لیا۔ چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں کہ

عن علی بن ابی طالب أن عثمان قال ما ترون فی المصاحف فإن الناس

قد اختلفوا فی القراءة حتی إن الرجل لیقول قراءتی خیر من قراءتك وقراءتی أفضل من قراءتك وهذا شبیه بالکفر قلنا ما الرأی عندك یا أمیر المؤمنین قال الرأی عندی أن یجتمع الناس علی قراءة فانکم اذا اختلفتم الیوم کان من بعدکم اشد اختلافا قلنا الرأی رأیك یا أمیر المؤمنین. فأرسل عثمان إلی حفصة أن أرسل إلینا بالمصحف لننسخها فی المصاحف ثم نردها الیك فأرسلت بها إلیه الخ. (تفسیر قرطبی ص۵۲، ج۱)

"حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مصحفوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ لوگ قراءتوں میں بڑا اختلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ کوئی کہتا ہے کہ تمہاری قراءت سے میری اچھی ہے کوئی کہتا ہے میری افضل ہے۔ یہ اختلاف کفر کے متشابہ ہے ہم نے کہا کہ اے امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ لوگوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر آج تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ ہم نے کہا کہ آپ کی رائے ہی درست ہے۔ پس اس نے ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف کہلوا بھیجا کہ ہماری طرف مصحف بھیجو تاکہ ہم نقل کرا کر واپس کریں۔ پھر اس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف مصحف بھیج دیا۔"

اور اسی طرح حافظ ابن کثیر فضائل القرآن ص۱۱ میں فرماتے ہیں کہ

ووافقہ علی ذالك جمیع الصحابة اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے ساتھ اس کام میں موافقت کی۔

پس یہ تقلید نہیں مشورہ تھا اور سب کے اتفاق سے کام ہوا نیز ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کا قول قبول کرنا بھی تقلید نہیں۔

ناظرین! ایک اس واقعہ سے تقلید کی تردید ہوتی ہے کیونکہ یہ مصحف جس کو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے منگایا تھا۔ اس کی حقیقت اس طرح ہے کہ

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال أرسل إلی أبو بکر مقتل أهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابو بکر رضی اللہ عنہ ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عمر هذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک ورأیت فی ذالک الذی رأی عمر قال زید قال أبو بکر إنک رجل شاب عاقل لانتهمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان أثقل علی مما أمرنی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال هو واللہ خیر فلم یزل أبو بکر یراجعنی حتی شرح اللہ

صدری للذی شرح لہ صدر أبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما فتتبعت القرآن أجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع أبی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر رضی اللہ عنہما (بخاری ص۷۴۶ ج ۲ مصری)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ واقعہ یمامہ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا آپ کے پاس امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے کہا کہ عمرؓ میرے پاس آیا ہے اور کہا کہ اس سخت قتال کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ قرآن کے حفاظ اس کے شکار نہ ہو جائیں اور اکثر حصہ قرآن کا چلا نہ جاتے۔ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے امیر عمرؓ سے کہا کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا آپ کیسے کرتے ہیں؟ کہا بخدا یہ کام اچھا ہے اور وہ بار بار میرے ساتھ مراجعت کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے بھی وہ بات صحیح سمجھی جو اس نے کہی پھر ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تو جوان اور عقلمند ہے اور ہم تجھے متہم نہیں سمجھتے کیونکہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا لہٰذا تو ہی قرآن کو مختلف کتبوں سے حاصل کر کے جمع کر۔

واللہ یہ بوجھ مجھ پر پہاڑ سے بھاری تھا۔ میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے نہیں کیا آپ کیسے کرتے ہیں؟ فرمایا: بخدا یہ اچھا

کام ہے[1]۔ پھر اس کی بار بار مراجعت سے اللہ نے میرا بھی سینہ کھول دیا جس طرح ان دونوں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا کھول دیا تھا۔ پھر میں قرآن جمع کرنے کے پیچھے لگا اور چھڑیوں اور لحاف اور حافظوں سے حاصل کیا۔ بالآخر سورت توبہ کی آخری دو آیتیں صرف ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ملیں پھر وہ جمع کردہ مصحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تاحیات رہا۔ پھر امیر عمر کے پاس تاحیات رہا۔ پھر ان کی بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا۔

(بخاری صفحہ ۱۲۶ ج ۳ مصری)

ناظرین! زید بن ثابتؓ کاتب الوحی بذاتِ خود قرآن کا حافظ اور قاری تھا اور سب صحابہ سے مختلف آیات کو حاصل کرکے حسب ترتیب نبوی قرآن جمع کیا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پھر اس کی بیٹی کے پاس اور اسی سے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بوجہ اختلاف طلب کرکے نسخہ جات لکھوا کر علاقوں میں بھیجے اور آیت "فان تنازعتم فی شئی" پر عمل کرکے ثابت کر دکھلایا۔ اسلام میں تقلید نہیں ہے یعنی جب قراءتوں میں لوگوں کو مختلف پایا تو سب کو نبوی قراءت پر جمع کیا جو سب پر حجت ہے ہاں اگر عثمان رضی اللہ عنہ خود اپنی طرف سے کوئی خاص قراءت مقرر فرماتے اور بلا دلیل اس کو مان لیتے تو البتہ تقلید کہنے کی گنجائش ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ سب کو دلیل سے منوایا۔ ایضاً یہاں صدیق اکبرؓ کا عمر فاروقؓ سے بحث کرنا اور پھر زید بن ثابتؓ کا بحث کرنا خود بتاتا ہے کہ صحابہؓ غیر مقلد

---

[1] یعنی مدلل ہے کیونکہ معاذ اللہ۔ اصحاب بے ثبوت فعل کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور ابوبکرؓ عمرؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم دلیل سمجھنے کے بعد ہی۔ اس کے اچھے ہونے کے قائل ہوئے۔ منہ عفی عنہ۔

تھے۔ بلا دلیل کسی کی بات نہیں مانتے تھے بلکہ دلیل سمجھنے کے بعد دوسرے سے اتفاق کرتے تھے جیسا کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے قول کی طرف رجوع کرتا ہے فتدبر!

قولہ ص ۲۲ سطر ۱ "عہدِ صحابہ میں عبداللہ بن عباسؓ مکہ مکرمہ میں اور زید بن ثابت مدینہ منورہ میں اور عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں فتویٰ دیتے تھے اور تمام تابعین بلا دلیل دریافت کیے ان حضرات کے فتاویٰ پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

اقول: اولاً۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ بلا دلیل ان کی بات مانتے تھے۔ ثانیاً کہ تابعین و دیگر صحابہؓ نے ان تینوں سے مسائل میں اختلاف نہیں کیا؟ مثلاً ابن عباسؓ مباشرۃ حائضہ کا قائل نہیں ہے لیکن اس کے دو شاگرد عطاء اور طاؤس خلاف ہیں۔ (المحلی ص ۱۷۶-۱۸۳ ج ۲) نیز ابن عباسؓ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کے قائل ہیں لیکن ان کا شاگرد ابو مجلز لاحق بن حمید خلاف ہے (الاعتبار للحازمی ص ۴۸) ایضاً زید بن ثابت اسی سے وضو ٹوٹنے کا فیصلہ دیتے ہیں اور ان کا شاگرد قاسم بن محمد اس کے خلاف ہے (الحازمی علی الترتیب ص ۴۸، ص ۱۲۶، ص ۱۲۵) ایضاً ابن مسعود نماز میں سہواً کلام کرنے والے کو لوٹانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ باقی رکھتے ہیں اور ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان اس کے خلاف ہیں۔ نیز آپ تین اشخاص کی جماعت میں امام کو صف کے درمیان کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں لیکن عام کوفہ والے اس کو آگے کھڑے ہونے کا حکم دیتے ہیں، نیز آپ نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کے قائل ہیں لیکن آپ کا خاص شاگرد علقمہ ان کے خلاف ہے (الحازمی علی الترتیب ص ۴۳، ص ۱۰۶، ص ۱۲۲، ص ۱۲۳) کتابوں کے تتبع سے ایسے کئی مسائل ملتے ہیں وفیما ذکرنا کفایۃ لمن لہ درایۃ۔ ثالثاً امام ابن حزم نے رسالہ اصحاب الفتیا میں مکہ مدینہ اور کوفہ تینوں شہروں کے مفتی ذکر کیے ہیں جو صحابہؓ کے بعد ہوتے اور سب کو مجتہد بتاتے ہیں، وہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔

قولہ ص ۲۳ "اور مسائل خلافیہ میں اہلِ مکہ عبداللہ بن عباس رض کے قول کو ترجیح دیتے تھے" الخ

اقول: ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے یا مقلد کا؟ ثانیاً امام ابن حزم رسالہ اصحاب الفتیا میں اہلِ مکہ کے سب مفتیوں کو مجتہد بتاتے ہیں جن میں ابنِ عباس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

قولہ ص ۲۲ "اور یہی سب کی عادت مستمرہ تھی" الخ

اقول: مسئلہ پوچھنا اور بات ہے اور تقلید اور۔ یہ کہاں ہے کہ انھوں نے بلا دلیل معلوم کیے کسی کی بات مانی۔ ثانیاً عامی کا مفتی کی طرف یا مجتہد کا مجتہد کی طرف رجوع تقلید نہیں۔

قولہ ص ۲۳ "بخاری اور ترمذی اور ابو داؤد میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا اور پھر وہی مسئلہ عبداللہ بن مسعود رض سے دریافت کیا گیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے ابو موسیٰ اشعری کے خلاف فتویٰ دیا" الخ

اقول: مصنف نے یہاں خیانت کی ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ ابن مسعود رض نے ابو موسیٰ کے خلاف کیوں کیا؟ اور کیا الفاظ کہے؟ دراصل ابو موسیٰ کے قول پر دلیل نہیں تھی بلکہ اس کے خلاف تھی چنانچہ ابن مسعود رض نے جب ان کا فتویٰ سنا تو یوں کہا کہ

لقد ضللت إذا وما أنا من المهتدين أقضي بما قضى النبي صلى الله عليه وسلم الحديث (مشکوٰۃ ص ۲۶۴ بحوالہ البخاری)

میں تو گمراہ ہو جاتا اگر اس فیصلہ کو قبول کرتا اس پر خاموش رہتا اور ہدایت والوں میں سے نہیں ہوتا۔ میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

یہاں ابن مسعودؓ نے اس کے فیصلہ کو دلیل سے رد کیا ہے اور بلا دلیل اتباع کو گمراہی سے تعبیر کیا۔ تقلید کی تردید اس سے زیادہ کیا ہو گی نیز ابو موسیٰ نے جو ابن مسعودؓ سے پوچھنے کا حکم دیا۔ سو اس لیے کہ اس کی بات مدلل تھی گویا اس میں بھی دلیل ہی کے اتباع کا حکم دیا اس کو تقلید شخصی کہنا سخت نادانی ہے جب کہ وہ خود اپنے فیصلہ کو دلیل دیکھ کر رد کرتا ہے اور دلیل کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ تقلید نہیں اس کی تردید ہے۔

قولہ ص۸۲ سطر۱۶: حافظ عراقی فرماتے ہیں: الخ

اقول: اس شعر میں اتباع کا لفظ ہے تقلید کا نہیں اور دونوں کا فرق بیان ہو چکا ہے بلکہ اس شعر میں لفظ متبعین ہے جس کے معنی کہ وہ دلیل سے بات مانتے تھے یعنی غیر مقلد تھے اور آپ نے ترجمہ "مقلد" کیا ہے جو غلط ہے۔ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ اتباع تو بالدلیل ہوتا ہے۔

قولہ ص۸۲ سطر۱۹: "جو انہی کے قول کو ترجیح دیتے ہیں"

اقول: پھر مقلد کیسے ہوئے۔ یہی آپ کے ترجمہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ ترجیح دینا بھی اجتہاد ہے۔

قولہ ص۸۳ سطر۱۹: "اور عہد صحابہؓ کے بعد تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتووں پر عمل ہوتا رہا اور پھر تبع تابعین" الخ

اقول: یہ کہاں ثابت ہے کہ ان فتووں پر بلا دلیل عمل ہوتا تھا" اثبت العرش ثم انقش۔ ایضاً نہ رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید ہے نہ رجوع العامی الی المفتی۔ کما مر۔ ایسی بات کا اجماع سے تعبیر کرنا بھی عجیب ہے۔ امام احمدؒ نے سچ فرمایا ہے کہ "من ادعی الاجماع فھو کذاب" (الاحکام لابن حزم ص۱۴۳ ج۴)

قولہ ص۸۳ سطر۵: "تقلید شخصی کے فوائد اور ترک تقلید کے مفاسد"

اقول: جب ثابت ہوا کہ تقلید کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں بلکہ دونوں میں صریحاً منع وارد ہے۔ نیز عقل سلیم بھی اس کو باطل جانتی ہے لہٰذا یہ سارا عنوان مردود ولایعنی ہوا۔ اس اجماع کے بعد تفصیل ملاحظہ ہو۔

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

قولہ۳: قرآن کریم اور حدیث شریف کی بے شمار نصوص سے اتباع ہوی (خواہش پرستی) کی حرمت ثابت ہے (الی قولہ) بلکہ درپردہ وہ اپنی خواہش کا متبع ہے۔

اقول: دراصل تقلید شخصی ہی خواہش پرستی ہے کیونکہ ائمہ کا اختلاف ہے کسی ایک کا منتخب کرنا مقلد کا کام نہیں اس لیے کہ اعلم کا معلوم کرنا بھی اجتہاد کی قسم ہے (فواتح الرحموت ص۳۹۲ ج۲ فی ذیل المستصفی) پس اگر تحقیق سے امام کا انتخاب کرنا اور اس کو ترجیح دینا بدون اتباع ہوی النفس کے اور کوئی اس کی وجہ نہیں لہٰذا تقلید ہی ہوی النفس پرستی ہے اور غیر مقلد و اہل حدیث کو کسی کی مجبوری نہیں بلکہ وہ دلیل کا تابع ہے اور جہاں اور جب بھی قرآن یا حدیث سے حکم ملے گا تو وہ علی الراس والعین ہے اور ہوی پرستی جب ہو کہ کسی خاص مذہب کی پاس خاطری کرے اور خواہش کو سامنے رکھ کر دلائل ڈھونڈنا بھی مقلد کا کام ہے کیونکہ اس کو ہر وقت اپنے مذہب کی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ غیر مقلد کا تو مذہب ہی دلیل ہے اور اتفاق سے حدیث ملنے کا مسئلہ بھی مقلد پر چسپاں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نیت اتباع الرسول کی نہیں بلکہ اتباع غیر الرسول کی ہی نیت ہوتی ہے۔ پس اگر اتفاق سے اس کی بات دلیل سے موافق ہو بھی گئی تو بھی وہ مخطی ہے اس لیے کہ "انما الاعمال بالنیات"

اسی بناء پر امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

والمجتهد المخطئ افضل عند الله من المقلد المصيب

(المحلی ص۶۹ ج۱)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقلد مصیب سے مجتہد مخطی افضل و بہتر ہے۔

قولہ ص ۸۳ س ۱۳ — حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتویٰ میں اس پر مبسوط کلام فرمایا ہے (الی قولہ) اور حق جل شانہ کا ارشاد ہے "ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السماوات والارض ومن فیھن" (ص ۸۵ س ۱)

اقول: جب ثابت ہوا کہ تقلید ہی ہویٰ پرستی ہے پھر یہ ساری تقریر اور آیت تقلید اور مقلد پر ہی صادق آتی ہے۔ ثانیاً خود آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ

"اور اپنی ہوائے نفسانی پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کو کسی حدیث یا کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو ایسا شخص خدا و رسول کا متبع نہیں بلکہ اپنی ہوائے نفس کا متبع ہے اور اپنے نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے" ص ۸۳ س ۱۸۔

یہ بعینہ تعریف مقلد کی ہے جو بلا تحقیق کسی امام کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ اگر تحقیق کرتا ہے تو مقلد نہیں رہتا۔ پھر اس کی تائید میں جعلی اور جھوٹی روایتیں ذکر کرتا ہے یہ محض اپنی ہویٰ کی تقلید میں گرفتاری کا نتیجہ ہے۔ ایضاً شیخ الاسلام نے حدیث کا اتفاقاً ملنا نہیں بتایا جیسا کہ آپ نے کہا بلکہ اس کی طرف نسبت بتائی اور ظاہر ہے کہ یہ غلط نسبت مراد ہے ورنہ اگر صحیح نسبت ہے تو اس کا اتباع ہویٰ کا اتباع نہیں ہے بلکہ شیخ الاسلام کے اس فرمان کے مصداق عام طور پر فقہی کتابیں ہیں۔ جن میں اپنے مذہب کی تائید کے لیے کئی ایسی روایتیں بھی لائی گئی ہیں، جو صرف ضعیف نہیں بلکہ موضوع ہیں اور کوئی تو لاپتا ہوتی ہیں اور اہل حدیث ہمیشہ تحقیق کر کے جو حدیث صحیح و سالم ہوتی ہے۔ اس پر عمل کرتے اور اسی پر اپنے مذہب و عقیدہ کی بنیاد رکھتے ہیں "فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون" ثالثاً شیخ الاسلام کا کہنا کہ وہ کبھی کسی کی تقلید کرتے ہیں اور کبھی کسی کی۔

سو یہی مقلدین کا حال ہے۔ جب دیکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کی تقلید میں بھوکا رہنا پڑے گا کیوں کہ ان کے ہاں پیش اماموں اور مدرسوں کی تنخواہ ممنوع ہے اور زمیندارہ باطل ہے تو بھاگ کر امام شافعی رحمۃ اللہ کی اس مسئلہ میں تقلید کی اور مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک رح کی تقلید کی اور گواہوں کو قسم دینے میں چاروں اماموں کے مذہبوں سے نکل کر ابن ابی لیلیٰ کی تقلید کی لیکن اہل حدیث غیر مقلدین اس سے بالکل ہی دور ہیں۔ شیخ الاسلام مقلدین کی حالت بتا رہے ہیں نہ کہ غیر مقلدین کی۔ نیز اہل حدیث ہر حال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے ہیں اور عدم موافقت کی صورت میں اس کی اتباع حرام سمجھتے ہیں۔ رابعاً شیخ الاسلام" تلاعب بالدین بھی اس لیے بتاتے ہیں کہ جس کی طرف اس کے نفس و ہویٰ کا میلان ہوتا ہے۔ اسی کی تقلید کرتے ہیں لیکن اہل حدیث اس سے قطعاً مراد نہیں کیوں کہ وہ تو غیر مقلدین ہیں۔ کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ ساری شکایت مقلدین ہی سے ہو رہی ہے ؎

آئینہ را بہر خدا از کف مگیر اے نازنین
ترسم کہ مجنوں مے شوی بہ دیدن دیدار خویش

قولہ ص۸۵ سطر ۱۵ "مولانا محمد حسین بٹالوی" الخ

اقول :۔ اولاً اخبار کا وہ پرچہ موجود نہیں ہم کیسے باور کریں؟ بلکہ خود مصنف نے اصل اخبار سے نقل نہیں کیا۔ چنانچہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ

"مولانا محمد حسین صاحب کا یہ کلام ہم نے کلمۃ الفصل مصنفہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب خطیب جامع رنگون سے نقل کیا ہے۔"

ثانیاً خود علامہ بٹالوی نے تقلید کی پوری تردید کی ہے اخبار اشاعۃ السنۃ کے پرچے اس پر شاہد ہیں۔ ثالثاً۔ اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو بے علم ہوں، کیا معاذ اللہ۔ آپ ایسے ہی ہیں؟ کیا آپکے معتقدین اس کو آپ کی بے ادبی تصور نہیں کریں گے؟ خدارا چھوڑ دو اس تقلید کو جو علماء

کے لیے بدنما داغ ہے۔ اللہ نے آپ کو نعمت دی ہے اس کا تمسک بسجالائیں اور اپنے آپ کو مقلدین کی صف میں شمار کر کے کفران نعمت نہ کریں۔

قولہ ص ۱۵۹ سطر ۵ "صحابہ وتابعین کے زمانہ میں تقلید شخصی کا التزام اس لیے نہ تھا کہ قلوب نفسانیت سے پاک تھے۔ اور اب زمانہ ہے فتنہ وفساد کا اور غلبہ ہے ہویٰ اور ہوس کا"۔

اقول: ثابت ہوا کہ یہ محدث چیز ہے۔ ثانیاً اگر یہ بات ہوتی تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ الخ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بتا دیتا۔ آپ کیسے فیصلہ کر رہے ہیں۔ ثالثاً فتنہ سے بچنے کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ قرآن وحدیث سے تمسک کرو۔ اور صاف بتا دیا کہ "لن تضلوا ما تمسکتم بهما۔ جب تک ان دونوں سے تمسک کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اور یہ نہیں کہا کہ کسی امام کی تقلید کرنا تو فتنہ وگمراہی سے بچ جاؤ گے۔ یہ آپ کی ایجاد بلکہ شریعت میں اضافہ ہے۔ رابعاً آپنے جو خطرہ کی وجہ بتائی ہے کہ جو مسئلہ جہاں مفید پائیں گے وہاں سے لیں گے اور اس کو آپنے "یحلونه عاما ویحرمونه عاما" سے تشبیہ دی ہے یہی حالت مقلد کی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ کیونکہ مختلف اقوال میں ہے جس کو موافق پایا لے لیا۔ لیکن غیر مقلد ان چیزوں سے پاک ہے۔ وہ تو حدیث وقرآن دیکھے گا چاہے وہ کسی کا بھی قول ہو۔ یا کسی کا بھی نہ ہو۔ اس کو کتاب وسنت کافی ہیں۔

قولہ ص ۱۶۱ سطر ۸ "غرض یہ ہے کہ سہولت پسند طبیعتیں جس امام مجتہد کا مسئلہ اپنی خواہش کے موافق پائیں گی اس کو اختیار کریں گی" الخ

اقول: یہ سب کچھ مقلدین کا شیوہ ہے۔ وہی غیر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کے عادی ہیں۔

پس جن کی بات بھائی اور دل کو پسند آئی اور آسان سمجھی اس کو لے لیا جس کو مشکل سمجھا

پس پشت ڈال دیا۔ لیکن غیر مقلدین دوسروں کی اتباع کے سرے سے قائل نہیں۔ وہ تو حکم قرآن وحدیث کو اپنے لیے نہایت آسان اور سہولت والا جانتے ہیں " ان الدین یسر " پس ان کو سہولت والے دین کی تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ اسی (قرآن وحدیث) کو اپنے لیے انتہائی سہولت تصور کرتے ہیں۔ پس تقلیدی مذہب ہی خواہشوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے۔

قولہ صفحہ ۸۶ سطر ۱۶ " بجائے اس کے کہ اپنی خواہشوں کو دین کے تابع کریں غیر شخصی تقلید کی آڑ میں دین ہی کو اپنی خواہشوں کے تابع بنائیں گے۔

اقول: شخصی ہو خواہ غیر شخصی اس الزام کے ملزم مقلدین ہی ہیں۔ غیر مقلدین کو اس سے کیا سروکار وہ تو قرآن وحدیث کی اتباع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جیسا بھی حکم ہو۔

قولہ صفحہ ۸۶ سطر ۱۸ " اس لیے علماء نے فتویٰ دیا کہ تقلید شخصی واجب بالغیر ہے اور تقلید غیر شخصی ممنوع ہے "

اقول: فتویٰ کن علماء نے دیا ہے؟ دلیل کیا ہے؟ امت تو اس پر متفق ہے کہ دلیل کی اتباع کی جائے۔ کما مضیٰ۔ نیز اتباع القرآن والحدیث واجب بالذات ہے لہٰذا وہ مقدم ہے نیز شخصی کو واجب بالغیر کہنا بھی غلط ہوا۔ کیونکہ جو عذر پیش کیا گیا۔ وہ اس کے وجوب نہیں بلکہ بطلان اور دونوں کی تردید کو مستلزم ہے۔ کما مر۔

قولہ صفحہ ۸۶ سطر ۱۹ " اس ہوی پرستی کے زمانہ میں اتباع ہویٰ سے بچانے کا ذریعہ سوائے تقلید شخصی کے اور کوئی نہیں "

اقول: بلکہ یہی ہوی پرستی کی وجہ اول ہے کیونکہ متبع قرآن وحدیث اپنی پسند یا رائے نہیں چلا سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ " وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم " (الاحزاب ع ۵ پ ۲۲) " لا یومن احدکم حتی یکون

هواه تبعا لما جئت به" (مشکوٰۃ ص۳۰) ہاں مقلد اپنے کو دوسرے کی اتباع کا مجاز جانتا ہے۔ پس جس کی رائے پسند آئی قبول کر لی۔

قولہ ص۸۹: "حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ اپنے رسالۃ الانصاف" ص۵۹ میں فرماتے ہیں" الخ

اقول: اولاً خود شاہ صاحب موصوف نے ثابت کیا کہ تقلید بدعت اور بعد کی پیداوار ہے ثانیاً عبارت میں لفظ "تمذہب" ہے جس کا آپ نے ترجمہ تقلید شخصی کیا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ عبارت میں یہ مذکور نہیں کہ یہ کام بلا دلیل ہوتا تھا۔ بلکہ دلیل کے بغیر اتباع سلف میں ممنوع تھی۔ کما مضیٰ لہٰذا شاہ صاحب کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کا اتباع کرتے تھے نہ کہ تقلید۔

قولہ ص۸۹: "بالفرض اگر کتاب وسنت اور عہدِ صحابہؓ و تابعین میں کہیں بھی تقلید شخصی کا تصریحاً ثبوت نہ ہوتا تو (الی قولہ) اور تقلید شخصی کا ترک ممنوع بالغیر اور موجب فتنہ ہوگا۔"

اقول: یہ سب کچھ مقلدین کا آپس کا جھگڑا ہے: تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى، لیکن جو قرآن وحدیث کے براہ راست متبع ہیں وہ اس فتنہ سے بحمد اللہ مامون ہیں بہ اخبار الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم۔

قولہ ص۸۹، ۹۰: "غرض یہ کہ جو شخص ترک تقلید کرتا ہے وہ مطلق العنانی اور خود بینی اور خود رائی اور سلف اور خلف ہر نکتہ چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔"

اقول: یہ سب حال مقلد کا ہے وہ آزاد ہے جس امام کا قول اپنی خواہش کے مطابق دیکھا لے لیا۔ اپنے امام کو چھوڑ کر دوسروں پر طعن و تشنیع کی لیکن غیر مقلدین سب کو نیک اور افضل مانتے ہیں۔ مگر معصوم نہیں جانتے۔ ان کے اقوال کے لیے کسوٹی اور معیار قرآن وحدیث کو سمجھتے ہیں۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے باہر جانا حرام جانتے ہیں۔ مطلق العنان ہرگز نہیں۔ ان کی باگ ڈور

محمدی علم و میراث ہے۔ لیکن مقلدین کی باگ کبھی کسی کے ہاتھ میں کبھی کسی کے ہاتھ "لاالی ھؤلاء ولاالی ھؤلاء"

قولہ ص۱۸۷ "یہ بسا اوقات اجماع کی مخالفت کرتا ہے"

اقول :۔ قرآن و حدیث کی مخالفت میں وہ کسی کو نہیں مانتے اور یہی عین ایمان ہے لیکن جہاں نص خلاف نہیں ایسے اجماع کو مانتے ہیں۔ ائمہ دین نے کئی بار اجماع کی مخالفت کی۔ مثلاً امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

وقد ذکر محمد بن جریر الطبری انہ وجد للشافعی اربع مائۃ مسئلۃ خالف فیھا الاجماع (الاحکام ص۱۲۵ ج۴)

امام ابن جریر رحمہ نے ذکر کیا کہ مجھے امام شافعی رحمہ کے چار سو مسائل ایسے ملے ہیں جن میں اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

کیا اب امام شافعی رحمہ کو بھی نعوذ باللہ مطلق العنان، ہوی پرست، خود بین، خود رائے اور سلف و خلف کا بے ادب وغیرہ کہو گے ؟

قولہ ص۱۸۷ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو در بارہ تراویح بدعتی تبلاتا ہے۔ اور اگر بدعتی نہیں تبلاتا تو مسلمانوں کو بیس رکعت تراویح سے روکنے کے لیے تقریری اور تحریری جد وجہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر پڑھی گئی۔"

اقول :۔ معاذ اللہ! کوئی اہل حدیث کسی بھی صحابی کو بدعتی نہیں کہتا بلکہ یہ بھی مقلدین میں برکت ہے کہ صحابہ پر بدعت کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ اصول فقہ حنفی کی مشہور و معتبر درسی کتاب توضیح ص ج ۲ پر حاشیہ تلویح میں "المبسوط للسرخسی" کے حوالہ سے ہے کہ

ان القضاء بشاهد ویمین بدعۃ اول من قضی بہ معاویۃ

"ایک شاہد اور دوسرے شاہد کے بجائے قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے۔ سب سے پہلے ایسا فیصلہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کیا تھا"

بلکہ اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ کسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ بیس رکعت تراویح ثابت نہیں۔ جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب اصولاً ضعیف و ناقابل قبول ہیں اور صحیح روایت اس طرح ہے۔

مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث (موطأ مالک ۷۱)

"امام مالک محمد بن یوسف سے روایت کرتا ہے اور وہ سائب بن یزید (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتا ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں"

اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔ سائب بن یزید رضی مشہور صحابی ہیں۔ محمد بن یوسف مشہور ثقات میں سے ہے اس کا ترجمہ تقریب نیز تہذیب ص۴۴۵ ج ۹ میں مذکور ہے اور سند میں کوئی علت نہیں متصل اور صحیح ہے۔ نیز الفاظ بھی صریح ہیں کہ امیر عمر رضی نے گیارہ کا حکم دیا اور اسی روایت سے متصل موطا میں بیس والی روایت ان الفاظ سے مروی ہے کہ

مالک عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ

"امام مالک یزید بن رومان سے روایت کرتا ہے کہ امیر عمر رضی (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں لوگ رمضان میں تیئس ۲۳ رکعات پڑھتے تھے"

یہ روایت صحیح نہیں اس لیے یزید بن رومان امیر عمر رضؓ کے زمانہ کو نہیں پہنچا ہے۔ لہٰذا کیا ہے نہ معلوم کس سے سنا۔ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ ایسے مجہول کی بات پر دین کے معاملہ میں اعتماد رکھنا غلط ہے اور صریح بھی نہیں بالخصوص جب کہ صحیح اور صریح روایت میں اس کے خلاف گیارہ کا عدد مروی ہے۔ اس روایت کے منقطع ہونے کا اور یزید رضؓ کے زمانہ فاروقی کو نہ پہنچنے کا حنفیوں کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نصب الرایہ ص۱۵۴ ج ۲ میں اور علامہ عینی حنفی نے بنایہ شرح ہدایہ ص۸۶۰ ج الطبع ہند میں ایسی تصریح کی ہے۔ اور علامہ نیموی نے آثار السنن ص۱۵۸ ج ۲ میں اس کو مرسل کہا ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ "یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب" ۱ھ بلکہ امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اپنے وقت کے لوگوں کو گیارہ کے عدد پر جمع کیا۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں سائب بن یزید رضؓ سے اس طرح مروی ہے کہ

ان عمر جمع الناس علی اُبی و تمیم فکانا یصلیان احدی عشرۃ رکعۃ۔

امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو اُبی بن کعب اور تمیم الداری (رضی اللہ عنہم) کی نماز پر جمع کیا اور وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔

صاف ظاہر ہوا کہ عہد فاروقی رضؓ میں بھی اسی عدد پر اتفاق رہا۔ اس روایت کو نیموی نے بھی آثار السنن میں صحیح کہا ہے۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بیس پڑھنے والے ہوئے نہ آٹھ پڑھنے والے۔ ایضاً امیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کسی صحیح روایت میں صریحاً بیس رکعات کا ذکر نہیں ہے۔ بعض مولویوں نے بیہقی کا حوالہ دیا ہے مگر بیہقی کی روایت میں امیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں، صرف مذہبی پاس خاطری میں نسبت کی گئی ہے۔ خود علامہ نیموی حنفی نے بھی ایسی تصریح کردی ہے۔ چنانچہ التعلیق الحسن

علی آثار السنن صفحہ ۵۸ ج ۲ میں لکھا ہے۔ قد ذکرہ لبعض اهل العلم بلفظ انهم کانوا یقیمون علی عهد عمر بعشرین رکعة وعلی عهد عثمان وعلی مثلہ انتهی وعزاه الی البیهقی فقولہ وعلی عهد عثمان وعلی مثلہ قول مدرج لا یوجد فی تصانیف البیهقی واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ صفحہ ۲۵ "اور اسی پر امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کا اجماع ہے۔

اقول:۔ یہ دعویٰ غلط ہے در اصل امام ابو حنیفہ رح کی اپنی کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ پایا گیا ہے۔ لیکن امام محمد رح کی موطأ سے ظاہر ہے کہ اس کا خراہ امام صاحب کا مسلک گیارہ رکعت ہے۔ چنانچہ موطأ محمد صفحہ ۱۱۰ میں یہ باب منعقد ہے کہ

باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل

ماہ رمضان میں قیام کرنے اور اس کی فضیلت کا باب

اور اس باب کے تحت چار روایتیں مذکور ہیں۔ پہلی تیسری چوتھی میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ بلکہ جماعت کر کے پڑھنے کا ذکر اور قیام رمضان کی فضیلت ہے اور روایت ۲ میں گیارہ رکعت کا عدد مذکور ہے پھر امام محمد رح لکھتے ہیں

قال محمد وبهذا کله نأخذ (موطأ محمد صفحہ ۱۱۱) امام محمد رح نے کہا ہم اس سب (جو کچھ ذکر ہوا) اسے اخذ کرتے ہیں۔

ناظرین! امام محمد رح کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لولا محمد لما راج ابو حنیفہ" انھوں نے اپنا مذہب گیارہ رکعت بتایا ہے اور یہی مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہو سکتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ليس في شيء من هذا ضيق ولا حد ينتهي اليه لانه نافلة،
فان اطالوا القيام واقلوا السجود فحسن وهو احب الي وان
اكثروا الركوع والسجود فحسن (قيام الليل للمروزي ص۹۲)

"اس باب میں نہ کوئی تنگی نہ کوئی ایسی حد ہے جس پر رکعات کی انتہا ہو۔
کیونکہ نفل عبادت ہے۔ پس اگر قیام کو لمبا کیا اور سجود کم کئے (رکعات)
تو بھی اچھا ہے اور یہی طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر رکعتیں زیادہ کیں
تو بھی اچھا ہے۔"

ثابت ہوا کہ امام شافعی رح بھی بیس کے حصر کا قائل نہیں بلکہ تھوڑی رکعتوں کو ترجیح دیتا ہے۔
اور امام احمد بن حنبل رح نے تو اختیار دیا ہے کہ خواہ بیس پڑھے خواہ گیارہ۔ جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن تیمیہ نے الاختیارات العلمیہ ص۳۸ میں اور شاہ ولی اللہ رح نے مصری ص۱۷۷ ج ا اور مصفی ص۱۱۱
ج ا میں ذکر کیا ہے اور امام مالک تو گیارہ ہی کے قائل ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام نے الاختیارات
ص۳۸ میں ذکر کیا ہے اور جلال الدین سیوطی الحاوی للفتاوی ص۳۵ ج ا میں لکھتے ہیں کہ

قال الجوزی من اصحابنا عن مالک انه قال الذی جمع عليه الناس
عمر بن الخطاب احب الی وهو احدی عشرة رکعة وهی صلوٰة
رسول الله صلی الله علیه وسلم قیل له احدی عشرة رکعة بالوتر
قال نعم وثلاث عشرة رکعة قریب ولا ادری من این
احدث هذا الرکوع الکثیر۔ اھ

"امام مالک نے فرمایا کہ جس عدد پر امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا
وہ گیارہ رکعت مع الوتر ہیں اور تیرہ بھی اس کے قریب ہیں۔ (کیونکہ وتر کے بعد

دو رکعت کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے) اور یہی عدد مجھے پسند اور پیارا ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ اور نہ معلوم اتنی زیادہ رکعتوں کا احداث کہاں سے کیا گیا ہے۔

ناظرین! امام مالکؒ کے اس قول سے چند باتیں معلوم ہوئیں

(الف) امام موصوف کا مذہب گیارہ رکعت ہے نہ کہ بیس

(ب) یہی عدد ان کو محبوب ہے۔

(ج) اور یہی عدد فاروقی رضؓ ہے۔

(د) اور اسی پر انہوں نے سب صحابہؓ کو جمع کیا اور یہی اجماعی عدد ہے۔

(ھ) اور نبویؐ عدد بھی یہی ہے۔

(و) اور اس سے زیادہ عدد کا کوئی ثبوت نہیں

(ز) بلکہ بقول امام مالکؒ یہ زیادہ عدد محدث اور دین میں نئی چیز پیدا کی ہوئی ہے۔

الحاصل:۔ اجماع کا دعویٰ غلط اور امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بیس کا انتساب بھی باطل ہوا اور صرف اہل حدیث اس کو محدث نہیں کہتے بلکہ خود امام مالکؒ نے بھی کہا ہے۔

قولہ صفحہ ۵۸ سطر ۱۵: "جیسا کہ حافظ ابن قدامہ نے مغنی میں نقل کیا ہے"

اقول: ابن قدامہ پر افتراء ہے مغنی دوبارہ اٹھا کر دیکھئے وہاں بیس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نہیں لکھا ہے۔ فارجع البصر هل ترى من فطور

قولہ صفحہ ۵۸ سطر ۵: "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہزارہا صحابہؓ موجود تھے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلطی نہیں نکالی"

اقول: غلطی بھی ہو تو نکالیں۔ انہوں نے تو صحابہ کو نبوی عدد یعنی گیارہ پر جمع کیا۔ تم موجو

بوجہ آٹھ رکعت اہل حدیث کو غلط کہہ کر صحابہؓ کی غلطی نکال رہے ہیں۔

قولہ ص۸۳: "مگر آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث نے حضرت عمرؓ اور حضرات صحابہ اور تمام ائمہ مجتہدین کی غلطی نکالی"

اقول:۔ عاملین بالحدیث تو یہی کہتے ہیں کہ عدد نبوی خواہ فاروقی گیارہ ہے اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور زائد کا ثبوت پر اتفاق نہیں۔ پس اہل حدیث تو امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید کرتے ہیں، اور غلطی نکالنے والے وہ ہیں، جو کہ ایسی چیزیں ان پر تھوپتے ہیں جس کا ان سے ثبوت نہیں۔ گویا اپنے محدث فعل میں ان کو بھی ملوث کرتے ہیں۔ اعاذہ اللہ من ذالک۔

قولہ ص۸۵: "اور یہ نہ سمجھا کہ جس حدیث میں آٹھ کا ذکر ہے وہ تہجد کی رکعتیں ہیں" الخ

اقول:۔ آپ کے بڑے تو اس کے خلاف ہیں خود امام محمد رحمہ نے موطأ محمد ص۱۱۱ میں اس روایت (ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الحدیث) پر "باب قیام رمضان" کا رکھا ہے اس طرح عینی نے شرح بخاری ص۳۵۸ ج ۵ استنبول میں اور زیلعی نے نصب الرایہ ص۱۵۳ ج ۲ میں اور ابن ہمام رحمہ نے فتح القدیر ص۳۱۳ ج ۱ میں اور لکھنوی نے التعلیق الممجد ص۱۱۱ میں اور نیموی نے آثار السنن ص۵۵ ج ۲ میں سب نے اس سے تراویح مراد لی ہیں، لہٰذا آپ کا کہنا غلط ہوا۔

قولہ ص۸۵: "اور ظاہر ہے کہ تہجد اور تراویح الگ الگ عبادتیں ہیں"

اقول:۔ یہ بھی غلط ہے اس تفریق پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ حدیث "ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" الخ اس کی تردید کرتی ہے ثانیاً خود سید انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی ص۳۲۹ پر لکھا ہے۔

ولا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلی التراویح والتھجد علی حدۃ فی رمضان

اس بات کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعات ہی تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے رمضان میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھے ہوں"

قولہ ص۸۸ سطر ۱۰ "حضرت عمر رضہ اور صحابۂ کرام رضہ تم سے زیادہ حدیث کو جانتے اور سمجھتے تھے"

اقول :۔ اس کا کون انکار کرتا ہے۔ لیکن ان سے بیس کا کب ثبوت ملتا ہے ؟

قولہ ص۸۸ سطر ۱۱ "کیا یہ عبارت کوئی معمولی عبارت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربارہ تراویح بدعتی بتلائے"

اقول :۔ کوئی اہل حدیث معاذ اللہ ایسا نہیں کہتا بلکہ ان کا کہنا ہے کہ بیس رکعت ان سے ثابت نہیں۔ آپ ہی ہیں کہ اپنے محدث فعل کا ان کو بھی مرتکب قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

قولہ ص۸۸ سطر ۱۲ "اور حضرت عثمان رضہ کو دوبارہ اذان ثانی بدعتی بنائے"

اقول :۔ معاذ اللہ یہ بھی کوئی نہیں کہتا ہے البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس اذان کو بدعت بتلایا ہے۔

یعنی مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۴۰ میں ہے کہ قال ابن عمر بدعۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔

قولہ صفحہ ۱۸۸ سطر ۱۳ "اور دو بارہ تین طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاطی بتائے"۔

اقول :۔ خود امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے رجوع فرمایا اور اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا۔ دیکھو اغاثۃ اللہفان لابن القیم صفحہ ۳۵ ج ۲ نیز "المجتہد یخطی ویصیب" مسلم ہے ایضاً مرفوع صریح اور صحیح حدیث کے مقابلہ پر کسی کا قول معتبر نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۸۸ سطر ۱۴ "اور اس بارہ میں جو صحابہؓ کا اجماع ہوا اس سے غض بصر اور صرف نظر کرے"۔

اقول :۔ اجماع صحابہؓ بھی ہو تو سہی "واذلیس فلیس"۔

قولہ صفحہ ۱۸۸ سطر ۱۵ "اور ائمہ اربعہ کے اجماع کی بھی پروا نہ کرے"۔

اقول :۔ اولاً ائمہ اربعہ کا تو اجماع قطعاً نہیں کما مر۔ ثانیاً علی التقدیر یہ اجماع نہیں کہلاتا۔ خود امام ابن ہمام حنفی نے "التحریر" صفحہ ۴۰۶ میں تصریح کی ہے کہ ائمہ اربعہ کے اتفاق کو اجماع نہیں کہا جاتا۔ ثالثاً خود آپ نے تحلیف الشہود کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ سے خروج کیا ہے۔ اور فواتح الرحموت صفحہ ۴۰۷ ج ۲ میں ذیل المستصفیٰ میں ہے کہ

لو وجد روایۃ صحیحۃ من مجتہد آخر یجوز العمل بہا الاتری ان المتاخرین افتوا بتحلیف الشہود واقامۃ لہ موقع التزکیۃ علی مذہب ابن ابی لیلیٰ اھ۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور مجتہد کی صحیح روایت مل جائے تو اس پر بھی عمل جائز ہے۔ کیا دیکھتا نہیں کہ متاخرین نے فقیہ ابن ابی لیلے کے قول پر گواہوں کو قسم دینے کا فتویٰ دیا ہے۔

حالانکہ چاروں اماموں میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ع

ایں گناہے است کہ در شہر شما نیز کنند

قولہ صفحہ ۱۸۵ "اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں جو تین طلاقوں کے واقع ہونے کا باب منعقد فرمایا ہے اس کا نام بھی نہ لے۔"

اقول :- تین طلاقوں کے واقع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں بحث اسی میں ہے کہ وہ متفرق ہوں یا بیک وقت ہوا ایسی وہاں تصریح نہیں۔ ایضاً صحیح بخاری کے دوسرے ابواب کو بھی مانتے ہیں۔ مثلاً ۱؎ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت" ۲؎ باب جھر الامام بالتامین ۳؎ باب جھر الماموم بالتامین ۴؎ باب الجمعۃ فی القری والمدن ۵؎ باب التیمم للوجہ والکفین ۶؎ باب الاقامۃ واحدۃ الا قولہ قد قامت الصلوٰۃ ۷؎ باب الجھر بالقراءۃ فی الکسوف وغیرھا کئی ابواب ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ کچھ ان کی پروا ؟

قولہ صفحہ ۱۸۵ "اور تین طلاق سے جو حرمت مغلظہ بنص قرآن اور احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ اور اتفاق ائمہ اربعہ ثابت ہے اس کو ایک ایسی شاذ روایت کی آڑ لے کر رد کرے جس کو تمام ائمہ حدیث اور ائمہ اجتہاد نے منسوخ یا متروک یا مرجوح قرار دیا ہو۔"

اقول :- اولاً جن آیات و احادیث میں طلاق مغلظہ کا ذکر ہے ان میں کہیں تصریح نہیں کی تین بیک وقت دی گئی ہوں۔ پہلے یہ ثابت کریں پھر ایسا الزام دیں۔ ثانیاً اجماع صحابہ رض کا دعویٰ بھی باطل ہے کیونکہ خلافت صدیقیہ میں یہ عمل رہا کہ بیک وقت تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ اور ایسا ہی خلافتِ فاروقیہ کی ابتداء میں رہا پس اجماع تو اسی طرف رہا جس طرف اہل حدیث ہیں اور بعد میں جو امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ کیا اس سے خود رجوع فرمایا۔ کما تقدم پھر اجماع کا دعویٰ کیسے درست ہوا۔ ثالثاً ائمہ اربعہ کا بھی اتفاق نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے امام ابوداؤد سجستانی نے "المسائل" ص۱۲۹ میں نقل کیا ہے کہ وہ ایک بار تین طلاق کے قائل نہیں تھے۔ نیز حافظ ابن قیمؒ نے اغاثۃ اللہفان میں امام مالکؒ سے ایک روایت کا ذکر کیا ہے اور بعض مالکیہ رح اور حنفیہ رح کا قول نقل کیا ہے۔ رابعاً جس حدیث پر اعتراض کیا ہے وہ صحیح مسلم کی ہے۔ جس میں صاف الفاظ ہیں کہ

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ الحدیث (صحیح مسلم ص۴۷۷ ج۲)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور امیر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔"

یہ حدیث مشہور و صحیح ہے کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔ اس کو شاذ کہنا سخت ظلم ہے اپنے مذہب کو بچانے کے لیے حدیث پر حملہ کرنا مقلدین کی شان ہے۔ نیز یہ ایک روایت بھی نہیں اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ہیں۔ جن کو ابن قیم رح نے نقل کیا ہے۔ ایضاً اس کو منسوخ کہنا بھی عجیب ہے جب کہ کوئی ناسخ نہیں۔ اگر امیر عمر رض کے قول کو ناسخ سمجھیں گے تو بھی غلط ہوگا۔ کیوں کہ امتی کے فیصلہ سے نبوی فیصلہ کو منسوخ کرنا مسلمانوں کا مذہب نہیں۔ نیز جب خود امیر عمر رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا تو علی التقدیر منسوخ وہی بات ہوئی۔ کیونکہ رجوع عن الاجتہاد کو آپ بھی نسخ سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس کو مرجوح کہنا بھی جرأت ہے۔ اس لیے کہ اس کے خلاف کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ بیک وقت تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔ بس کسی قول کو اس پر ترجیح دینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ یہ سب کچھ تقلید کا نتیجہ و ثمر ہے۔ ایضاً

متروک سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ کیا اللہ یا اس کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اگر نہیں تو پھر کسی اور کے ترک یا عدم ترک کا یہاں کوئی سوال نہیں جب کہ اس پر جرح نہیں کی جا رہی ہے۔ اور محدثین نے صحیح مانا ہے۔ اب کسی کا عمل اس کی تصحیح میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی کا ترک عمل اس میں قادح بن سکتا ہے۔

قولہ ص ۱۸۹ سطر ۱ "اور مسلمانوں کو معصیت میں مبتلا کریں"!

اقول:۔ کیا معاذاللہ حدیث پر عمل یا فتویٰ معصیت میں مبتلا ہونا ہے "کبرت کلمۃ تخرج من افواھم" کیا خلافت صدیقیہؓ کے لوگ سب معاذاللہ معصیت میں مبتلا تھے؟ حاشا للہ

قولہ ص ۱۸۹ سطر ۱ "اور ان کی اولاد کو مشتبہہ بنائے"!

اقول:۔ یہ شان تو حلالہ کی اولاد کی ہو سکتی ہے۔

قولہ ص ۱۸۹ سطر ۲ "سمجھایہ کہ یہ علم ہے نہ دین" الخ

اقول:۔ کیا حدیث پر عمل دین یا علم نہیں؟ کیا علم یہ ہے کہ حدیث نبوی کی توہین کی جائے۔ اور اس کو رد کر کے اس کی جگہ پر اپنی رائے کو رکھا جائے۔ ع

فلیبکِ علی الاسلام من کان باکیا

قولہ ص ۱۸۹ سطر ۳ "اور تقلید کو شرک اور مقلدوں کو مشرک اور اپنے کو موحد بتلائے اور تقلید ائمہ کو مثل رسم جاہلانہ" الخ

اقول:۔ اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے فراجعہ۔

قولہ ص ۱۸۹ سطر ۵ "اور ائمہ دین کو موجب تفرقۂ دینی قرار دے"!

اقول :۔ ائمہ دین نہیں۔ حاشاہم من ذالک۔ بلکہ مقلدین جنہوں نے خود مذہب بنا کر ان کی طرف منسوب کیے اور واقعی اس سے ایک امت میں تفرقہ ہوا۔ ؎

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند!

قولہ ص ۸۹ سطر ۵ " دین کو اپنی خواہش نفسانی کے تابع بناتے" الخ

اقول :۔ یہ تو مقلدین کا کام ہے کہ جو حدیث مذہب کے موافق آئی اس کو لے لیا اور جو خلاف نظر آئی اس میں تاویل کرنا شروع کر دی اور اس پر وار کیے۔ کبھی شاذ تو کبھی منسوخ کبھی مرجوح کبھی متروک کہنے سے گھبرائے نہیں۔

قولہ ص ۸۹ سطر ۷ " اور سلف صالحین کو عموماً اور امام اعظم ابو حنیفہ رح کو خصوصاً طعن و تشنیع کے ساتھ ذکر کرے"

اقول :۔ سلف پر طعن کرنا مسلمانوں کا مذہب نہیں اور اہل حدیث بفضلہ تعالیٰ سب کو واجب الاحترام مانتے ہیں۔ لیکن ان کو تنقید سے بالا نہیں سمجھتے۔ یہ شان صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ مقلدین کا غلو ہے کہ امتیوں کو نبیوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

؎ نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

قولہ ص ۸۹ سطر ۸ " یہ ہیں ترک تقلید کے کچھ مفاسد"

اقول :۔ ان کا دراصل باعث تقلید ہی ہے نہ اس کا ترک۔ کیونکہ تقلید کی وجہ سے کئی آیات و احادیث کو رد کرنا پڑا اور قرآن و حدیث میں تحریف کا ارتکاب ہوا۔ ایک جماعت سے چار ہوئیں۔ امت میں تفرقہ ہوا اور ائمہ کو برا بھلا کہا گیا۔ موافقین نے ان کی شان میں اور

مخالفین ان کے خلاف روایتیں وضع کیں۔ مذہب کو بچانے کے لیے احادیث پر حملے کیے گئے اور ان کی توہین کی گئی اور صحابہ کو غیر فقیہ اور غیر عدول تک کہا گیا۔

قولہ ص "اور ادنیٰ مفسدہ یہ ہے کہ تارک تقلید ائمہ مجتہدین کا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ کا اس طرح رد کرتا ہے۔ گویا کہ یہ مدعی عمل بالحدیث علم میں فقہا کا ہم پلہ اور ہمعصر ہے" الخ

اقول :۔ حدیث کے خلاف جو بھی قول ہو اس کا رد کرنا لازم ہے خواہ وہ کسی کا ہے یہ تقلید ہی سے مفسدہ پیدا ہوا ہے۔ کہ کتنا ہی مذہب حدیث کے صریحاً خلاف ہو، مگر اس کی پروا نہ کی جائے، اور اپنے مذہب پر اڑا رہے۔ ہم پلہ و ہمسری کا سوال ہی نہیں، لیکن عالم وہ ہے جو حدیثوں پر بلا رد و رعایت کے عمل کرے۔ اپنے آپ کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا پورا تابعدار بنائے۔ نہ یہ کہ ہر وقت اپنی رائے یا امام کے قول سے حدیثوں کو رد کرتا اور ان میں تاویلیں کرتا پھرے اور غرور اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنی تاویلوں سے ان کو اپنے مذہب اور اپنے امام کے قول کے آگے جھکائے سب سے بڑا تکبر یہی ہے۔

قولہ ص ۱۵ "تقلید شخصی کب شروع ہوئی"

اقول :۔ اس عنوان کے تحت جو مضمون ہے اس کا مدار اس معاذ والی روایت پر ہے جس کا باطل و مردود ہونا پہلے ذکر ہو چکا ہے پس یہ تقریر لغو ہے۔ پھر مصنف رسالہ مذاہب کی تدوین کا زمانہ بتاتے ہیں جس سے خود ظاہر ہے کہ یہ چیز محدث اور بعد کی پیداوار ہے۔ اور قرآن و حدیث اصل ہیں جس پر ہمیشہ امت عمل کرتی رہی۔

قولہ ص ۱۸ "تقلید شخصی کا حکم ہے"

اقول :۔ اس عنوان کے تحت بھی وہی پہلی باتیں لکھی ہیں کہ تقلید واجب بالغیر ہے

اور اتباع ہوائے سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ سارے عذر سابقہ اوراق میں باطل کر دیئے گئے۔ تکرار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ سارے مفاسد تقلید کے نتائج ہیں۔ کما مر۔

اور اس عنوان کے تحت شاہ ولی اللہ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن جس طرح انھوں نے تقلید کی مٹی پلید کی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

قولہ ص۱۹ تا ص۱۴۱ "دعویٰ عمل بالحدیث کی حقیقت"

اقول۔ اس عنوان کے تحت جو ایک طویل سوال ہے جو سراسر بے معنی اور لغو اور طوالت لا طائل تحتہا" کے باب سے ہے۔ ہم اس کا مختصراً جواب دیتے ہیں جو کافی و شافی ہے سنو! ہم حسب استطاعت ہر اس حدیث پر عمل ضروری جانتے ہیں جو صحیح ثابت اور جرح سے سالم ہو۔ اس کے مقابلہ میں کسی کا قول ہمارے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا ہے۔ اگر ہمت ہے تو اس دعویٰ کو غلط ثابت کریں۔ یہ نہ کر غلط نمونے میں دعویٰ کو ذکر کر کے اس پر تنقید کریں یہ عالم کی شان نہیں۔ ثانیاً جن روایات کا آپ نے اختلاف بتایا ہے ان میں صرف ایک ہی طرف صحت ہے اور دوسری طرف عدم ثبوت ہے۔ چنانچہ مسئلہ رفع الیدین کی بابت جو صحیح روایتیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کا آپ کو بھی اعتراف ہے لیکن عدم رفع کے بابت جو آپ نے ابن مسعودؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ دیکھو التلخیص الجبیر ص۸۳ نیز اس میں عند الرکوع والرفع منہ عدم رفع کا ذکر نہیں پس یہ غیر صحیح روایت جو کہ صحیح بھی نہیں اس صریح روایت جو کہ صحیح بھی ہے کے معارض ہونے کے قابل نہیں۔ نیز خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں عند الرکوع رفع الیدین کا ثبوت ہے۔ کما فی ابی داؤد ص۱۰۹ والدار قطنی ص۱۲۹ وجزء رفع الیدین للبخاری ص۹ طبع ہند۔ پس ترجیح و عدم ترجیح کا سوال نہیں رہا۔ ثالثاً وعلی الغرض مثبت کو نافی پر ترجیح ہو گی۔ اس لیے کہ صحیح کا غیر صحیح پر اور صریح کا غیر صریح پر راجح ہونا مسلم امر ہے۔

رابعاً آپ نے ترجیح کو ذوقی امر بنایا ہے۔ یہ خود اتباع ہوائے نفس کا باب کھولنا ہے۔ یہی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ جس کو جو بات پسند آئے گی لے لے گا قطع نظر اس سے کہ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا انتساب امام اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہے یا نہیں۔ خامساً آپ نے قبول کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی ترجیح پر امت کا اتفاق ہے پس اتفاقی ترجیح کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کتابوں کا رفع الیدین کے اثبات پر اتفاق ہے اور عدم رفع کا ذکر ان دونوں میں سے کسی ایک میں نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۹۳ سطر ۱۵ "بخاری اور مسلم کی ترجیح پر اور افضلیت اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ وہ امام بخاری اور امام مسلم کے بعد آنے والے علماء پر حجت ہے" الخ

اقول:۔ پھر آپ پر تو حجت نہیں اور دونوں کی کتابوں میں اثبات رفع الیدین ہے پس مان لینے سے کیا مانع ہے۔ ثانیاً یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے سب ان کی آزادی کی دلیل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سب غیر مقلد تھے۔

قولہ صفحہ ۹۳ سطر ۵ "اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو تابعی ہیں"

اقول: من حیث الدرایۃ لا من حیث الروایۃ۔ کتب تواریخ اور اسماء الرجال کھول کر دیکھیں۔ کوئی روایت صحیح نہیں جس میں امام صاحب کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے راوی ہو۔ خود آپ کو بھی اعتراف ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور علماء تابعین سے علم حاصل کیا" صفحہ ۹۳ سطر ۵۔

قولہ صفحہ ۹۳ سطر ۶ "امام بخاری رحمہ اللہ کی اعلیٰ ترین روایات وہ کل بائیس ثلاثیات ہیں جن کو صحیح بخاری میں لائے۔ اور امام اعظم کی اکثر روایات ثنائیات ہیں" الخ

اول:۔ قرآن کریم میں ہے کہ "قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو أعجبك کثرة الخبیث" (المائدہ ع ۱۳ پ ۷) صحیح بخاری کو جو درجہ حاصل ہے وہ کتاب اللہ کے بعد کسی کو حاصل نہیں۔ اور جو امام ابوحنیفہ رحمہ کی روایات جو جمع کی گئی ہیں۔ ان مسانید کو وہ رتبہ ہرگز حاصل نہیں پس یہاں علو و نزول کا سوال ہی نہیں رہا۔ ثانیاً۔ امام بخاری کی دوسری تصانیف بھی ہیں۔ اگر ان کی ثلاثیات جمع کی جائیں تو عدد اور زیادہ ہو جائے گا۔ ثالثاً۔ امام ابوحنیفہ رحمہ سے کوئی ایسی ایک روایت صحیح مروی نہیں جو ثنائی ہو۔ ہم نے سب مسانید جو کہ امام موصوف کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کو خوب دیکھا ہے۔ آپ ایک ایسی روایت پیش کریں جس کی سند صاحب کتاب سے لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ تک صحیح اور متصل ہو۔ اور امام صاحب سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی سند متصل اور صحیح ہو۔ اور ثنائی ہو۔ یعنی امام صاحب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہوں۔ اور راوی سب ثقات ہوں، اور سند انقطاع و علت سے محفوظ ہو۔ ولیس لکم الی ذالك سبیل۔ رابعاً۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۴، ۱۳۵ ج ۱ میں طبقات و درجات کتب الحدیث ذکر کیے ہیں اور صحیح بخاری کو طبقہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے اور مسند الخوارزمی جو کہ مسند الامام الاعظم کے نام سے مشہور ہے اس کو طبقہ رابعہ (چوتھے) میں شمار کیا ہے۔ پھر فیصلہ دیتے ہیں کہ

"أما الطبقة الأولى والثانية فعليهما إعتماد المحدثين وحوم حما هما مرتعهم ومسرحهم ..... وأما الرابعة فالإشتغال بجمعها أو الإستنباط منها نوع تعمق من المتأخرين وإن شئت الحق فطوائف المتبدعين من الرافضة والمعتزلة وغيرهم يتمكنون بأدنى عناية أن يلخصوا منها شواهد مذاهبهم فالإنتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث والله أعلم اهـ۔

الغرض صحیح بخاری کی حدیثوں سے ہر ایک استدلال کر سکتا ہے لیکن مسند ابی حنیفہ للخوارزمی قابل استدلال یا استناد یا اعتماد نہیں ہے۔

قولہ ص۹۳ س۱۱ "اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ روایات احادیث بھی ہیں جن میں ابو حنیفہ رح اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک صحابی کا واسطہ ہے"

اقول: امام صاحب رح کا کسی ایک صحابی سے بھی سماع یا روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔

شذرات الذہب ص۲۲۹ ج ۱ میں ہے کہ

"ولکن لم تثبت لہ روایۃ عن احد منھم" اھ

اسی طرح حافظ عراقی حافظ ابن حجر سخاوی ابن حجر ہیثمی ابن خلکان اور نووی نے کہا ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۵۳) اور حافظ ابن حجر رح نے تقریب التہذیب میں امام صاحب کو طبقہ سادسہ میں شمار کیا ہے اور ابتدائے تقریب میں طبقہ سادسہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ

"عاصروا الخامسۃ" لکن لم یثبت لھم لقاء احد من الصحابۃ کابن جریج" اھ اور "تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ للسیوطی" ص۱۲ برحاشیہ کشف الاستار میں ہے کہ "قال حمزۃ السھمی سمعت الدارقطنی یقول لم یلق ابو حنیفۃ احدا من الصحابۃ الا انہ رای انسا بعینہ ولم یسمع منہ وقال الخطیب لا یصح لابی حنیفۃ سماع من انس" اھ وھکذا فی التاج المکلل للنواب ص۱۳۶ وکذا فی مجمع البحار لابن طاہر مرآۃ الجنان للیافعی اور جو روایتیں امام صاحب کے واسطے سے صحابہ کی روایات کی جاتی ہیں وہ سب باطل اور موضوع ہیں۔ ان کی اسانید میں کذاب وضاع اور مجاہیل راوی ہیں

کما لا یخفی علی اولی النہٰی۔

قولہ ص۹۳ سطر۱۲ "حضرات اہلِ علم اس سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علو مقام اور بلندیٔ رتبہ کا اندازہ کریں الخ"

اقول :۔ سب سے پہلے شخصیتوں کا حال دیکھا جاتے اور علو و نزول کو ثانوی حیثیت ہے کئی لوگ امام صاحب سے مقدم ہیں صحابہؓ سے ان کا سماع ثابت ہے کیا ان کو بھی امام صاحب سے رتبہ میں زیادہ قرار دیں گے؟ مثلاً سماک بن حرب کی اسّی صحابہؓ سے ملاقات ہے (میزان الاعتدال ص۴۲۲ ج ا) یہاں آپ کا اندازہ کیا ہوگا؟ ثانیاً اس کی بنا رجس بات پر تھی وہ نہیں رہی یعنی امام کی کسی صحابیؓ سے روایت ثابت نہیں ہے پس یہ بات غلط ہوئی۔

قولہ ص۹۳ سطر۱۶ "نیز امام بخاری کی بائیس۲۲ ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات مکی بن ابراہیم رح سے مروی ہیں (الی قولہ) اہلِ علم کے لیے اشارہ کافی ہے" الخ

اقول :۔ اہلِ علم تو جانتے ہیں کہ ان سب باتوں کے باوجود بخاری شریف جس کو آپ اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہیں۔ اس میں امام صاحب کے واسطہ سے کوئی روایت نہیں۔ اس میں کیا اشارہ ہے؟ کیا امام صاحب اس کا اہل نہیں تھا کہ اس سے روایت کی جاتے؟ یا اس کی حدیث اصح الکتب میں داخل کرنے کے قابل نہیں تھی؟ یا امام کے طریقہ سے کوئی معتبر روایت معلوم نہیں ہے؟ یا ان کی روایات کو محدثین قابلِ ترک جانتے تھے؟ یا ان تک کوئی سند صحیح اور متصل نہیں پہنچتی؟ آپ صحیح حدیث سے جواب طلب کرتے ہیں سنو! خود آپ نے ص۱۷۵ میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ" اور ص۱۹۹ میں خود لکھتے ہیں کہ "صحیح بخاری جس کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر امت کا اجماع ہے" اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اس میں جب امام صاحب کی کوئی روایت نہیں تو اب اس کی روایت کا مقام امت کے ہاں کیا رہا

ایک اور طرح قرآن حکیم میں ہے کہ
"وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس" (البقرۃ ع۱۷ پ۲)

اور حدیث میں ہے کہ

"انتم شہداء اللہ فی الارض" (الدر المنثور ص۱۴۵ ج ۱ بحوالہ طیالسی احمد بخاری مسلم نسائی والحکیم الترمذی)

اور شہداء اللہ کی مشہو ولہ بالخیر کتاب میں امام صاحب کا نام تک نہیں ہے۔ نہ اس کی روایت ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کریں بموجب آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" دین مکمل ہے اور قرآن و حدیث میں سب باتوں کا جواب موجود ہے۔

قولہ ص۹۴ سطر۱۷ "اور یہیں سے قیاس اور استنباط کا جواز معلوم ہو گیا" الخ

اقول :- استنباط کی اجازت ہے لیکن قیاس کی اجازت کہاں سے نکال دی ؟۔

ایضاً پھر اجتہاد کیسے بند ہوا ؟ اور آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ "ہر چیز کا حکم نص قرآن اور حدیث میں موجود نہیں" کیونکہ یہ اپنا قصور ہے ورنہ ہر مشکل کا حل وہاں مل جاتا ہے۔ نیز نہ ملنے کی صورت میں تلاش جاری رکھنے اور دوسرے علماء سے مشورہ کر کے دلائل معلوم کرنے کا حکم ہے "قیاس کا" کما مر اور یہی طریقہ اہل حدیث کا ہے اور ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوا کہ ہم عامل بالحدیث ہیں کیونکہ وہ اس کو چھوڑ کر قیاس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر نہیں ملتی تو اپنا قصور جان کر کوشش جاری رکھتے ہیں۔ اور اپنی تشریع کے قائل نہیں ہیں۔

قولہ ص۹۴ سطر۱۸ "نیز اکثر غیر مقلد علماء بھی بجز چند مسائل کے دلائل نہیں جانتے اور جو دلائل ان کو معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اکثر علماء مقلدین شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں سے دیکھ کر یاد کرتے ہیں"

اقول :- اہل حدیث کا مسلک ہے دلائل کو ماننا خواہ ان کو خود مل جائیں یا کسی اور کی کتاب سے مل جائیں۔ بہر حال دلیل کا اتباع تقلید نہیں جیسا کہ آپ بھی اپنے رسالہ میں متعدد مقامات پر تسلیم کر چکے ہیں۔ پس وہ اس میں مقلد نہیں ہے کیونکہ ان کی ذاتی رائے کا اتباع نہیں کرتے ہیں۔ فتفکر۔ ولا تکن من الغافلین۔

قولہ ۹۵ ص ”نیز مسائل منصوصہ جن کا حکم نص قرآن یا نص حدیث سے ثابت ہو بہت کم ہیں زیادہ تر مسائل اجتہادیہ غیر منصوصہ ہیں اور ان مسائل میں مدعیان عمل بالحدیث بھی فقہاء حنفیہ ہی کی کتابوں سے فتویٰ دیتے ہیں تو کیا بات ہے کہ فعل تقلید اور عمل تقلید تو جائز ہو اور تقلید کا نام لینا ناجائز اور شرک ہو۔“

اقول :- یہ بات اہل علم کے منہ سے نہیں نکل سکتی ہے۔ اس لیے کہ اہل حدیث کو جہاں سے بھی دلیل ملتی ہے۔ اس کو لے لیتے ہیں۔ چاہے حنفی کی کتاب میں مذکور ہو یا شافعیہ یا کسی اور کی کتاب میں ہو۔ یہ نہ عمل تقلید ہے نہ فعل تقلید بلکہ تقلید یہ ہے کہ بلا دلیل کسی بات کو قبول کیا جائے اور اگر کسی بھی کتاب میں دلیل ہے تو اس کو قبول کرنا اتباع دلیل ہے نہ کہ اتباع رائے اور علماء اہل حدیث حنفیہ کی کتابوں پر ہرگز فتویٰ نہیں دیتے ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی ایسی دلیل ہے جو ان کی تحقیق کے لحاظ سے صحیح ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ اس کی رائے کا اتباع نہیں جو اس کو تقلید سمجھا جائے۔ دلیل پر عمل کرنا یا اس کی صحیح یا غیر صحیح کی تمیز کرنا یا دلالت و دال مدلول میں مطابق معلوم کرنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا۔ یہ مغالطہ آپ کا کارآمد نہ ہوگا۔“

قولہ ۹۵ ص ”اور اگر کوئی مدعی عمل بالحدیث یہ دعویٰ کرے کہ وہ تمام مسائل میں احادیث منصوصہ ہی پر عمل کرتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو وہ ہم کو اجازت دے کہ ہم اس کے

معاملات عقود و فسوخ اجارہ و رہن و شفعہ و میراث وغیرہ کے متعلق چند سوالات ان کے سامنے پیش کریں۔" الخ

اقول :- ہم اہل حدیث اس کے مدعی ہیں کہ ہم بحمداللہ سب مسائل بلا رعایت کسی مذہب کے قرآن و حدیث سے لیتے ہیں۔ ہر روز ہمارے پاس ان معاملات وغیرہ کے متعلق ایسے سوالات آتے رہتے ہیں، آپ بلاشک سوالات کر سکتے ہیں۔ ان شاءاللہ۔ جواب قرآن و حدیث سے ہی دیا جائے گا۔ چاہے وہ دلیل کسی اور نے لکھی ہے۔ بہرحال اگر وہ دلیل ہونے کی حیثیت رکھتی ہے تو اس کو قبول کرنا مجتہد پر لازم ہے یہ تقلید نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جو مسئلہ ہم کو فی الفور قرآن و حدیث سے معلوم نہ ہو سکے گا تو اس کے جواب میں ہم "لا ادری" کہنے سے نہیں شرمائیں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ معاذاللہ۔ ع

اگر گویم زبان سوزد

بلکہ یہ کہیں گے کہ ہمارے ناقص علم کے مطابق یہ مسئلہ ہم کو قرآن و حدیث میں نظر نہیں آتا ہے کسی اور عالم بالقرآن والحدیث سے دریافت کریں یا مہلت دیں کہ ہم بھی کوشش جاری رکھیں جب تک حل نہ جائے۔ بس یہی اہل حدیث کا اصل عقیدہ ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے۔ آپ ان کے مذہب کو غلط رنگ میں پیش نہ کریں۔

قولہ ص۱۵ س۱۴ "اب یا تو کسی امام کے قول سے جواب دیں گے تو یہ تقلید ہوئی یا کہیں گے کہ شریعت میں ان مسائل کا کوئی حکم نہیں ہے۔" الخ

اقول :- دونوں باتیں نہیں ہوں گی۔ بلکہ وہی ہوگا جو ہم نے ابھی بیان کیا۔

قولہ ص۱۵ س۱۶ "اور یہیں سے قیاس و استنباط کا جواز معلوم ہو گیا۔" الخ

اقول :۔ اس پر کلام ہو چکا ہے۔ خواہ مخواہ کی تکرار ہے۔

قول ص۹۶ س۲ ۔ پس مدعیانِ عمل بالحدیث کا یہ دعویٰ کہ ہم عامل بالحدیث ہیں غلط ہے۔

اقول :۔ جو ان کا دعویٰ ہے وہ صحیح ہے۔ کما مضیٰ۔ آپ بدل کر دعویٰ پیش نہ کریں۔

قول ص۹۶ س۳ " ہر مسئلہ میں حدیث پیش کرنا ناممکن ہے "۔

اقول :۔ لیکن مقلدین کے لیے۔ اس لیے کہ ان کا ذہن محدود ذرائع قلیل ہیں اور اہل حدیث بحمد اللہ ہر مسئلہ میں حدیث ہی پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالےٰ

قول ص۹۶ س۵ " تقلید ائمۂ اربعہ " الخ

اقول :۔ اس عنوان کے تحت خود مصنف رسالہ نے قبول کیا ہے کہ یہ تقلید صحابہ رضؓ کے زمانہ میں نہ تھی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

قول ص۹۶ س۵ " صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں اگرچہ تقلید شخصی بھی بلا نکیر کے جاری تھی لیکن کسی خاص شخص کی تقلید کا التزام اور اہتمام نہ تھا " الخ

اقول :۔ ثابت ہوا کہ تقلید شخصی بعد کی پیداوار ہے۔ نیز اوپر واضح کر دیا گیا کہ قرونِ اولیٰ صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں تقلید کا وجود ہی نہیں تھا۔ فلیراجعہ۔ نیز غیر مقلد اور عالم سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔ کیونکہ کیا ثبوت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھتے وقت صرف ان کی اپنی رائے پر کفایت کرتے تھے۔ ایسے ثبوت کے بغیر تقلید کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔

قول ص۹۶ س۹ " تیسری صدی آئی اور بہت سے فقہا اور مجتہدین پیدا ہوتے "

اقول :۔ کیا معاذ اللہ پہلے مجتہدین اور فقہا نہیں تھے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

قول ص۹۶ س۹ " اور لوگوں نے ان کا اتباع کیا "

اقول :۔ لیکن تقلید نہیں کی دونوں میں فرق بین ہے ۔ کما مر۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱ "۲۰۲ھ میں داؤد ظاہری ہوئے جنھوں نے سب سے پہلے قیاس کا انکار کیا" الخ

اقول :۔ یہ نسبت غلط ہے ۔ اس سے پہلے بھی منکر ہوئے ہیں جیسا کہ اوپر ہم نے صحابہ رضی اور تابعین وغیرہم سے ذکر کیا بلکہ احادیث سے بھی قیاس کی تردید ثابت کی۔ ایضاً ان کے کوئی مقلد نہیں ہوتے البتہ جو بات صحیح سمجھی اس میں لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱۱ "اور اسی تیسری میں مذاہب اربعہ کا شیوع اور ظہور ہوا"

اقول :۔ پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو سو سال تک جن مذاہب کا وجود نہ تھا تو وہ دینی مذاہب کیسے ہوئے اور جو ان مذاہب سے باہر ہو اور خالص کتاب و سنت پر عمل کرے اس کو لا مذہب و لا دین وغیرہ کیوں کہتے ہو۔ کیا صحابہ رضی و تابعین معاذ اللہ لا مذہب و لا دین تھے؟ بلکہ حق تو دینِ اول ہوگا نہ کہ بعد میں آنے والا۔ نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ایک جماعت چھوڑی تھی۔ یہ تربیع الامت اور چار مذہب بعد کی ایجاد ہے۔

قولہ ص ۹۶ سطر ۱۲ "اور امت کے علما اور صلحا نے ان مذاہب اربعہ کو استحسان اور قبول کی نظروں سے دیکھا"

اقول :۔ کن علماء نے مجتہدین یا مقلدین نے؟ علی الاول رجوع المجتہد الی المجتہد تقلید نہیں۔ نیز صرف استحسان کیا یا کوئی دلیل بھی دیکھی؟ وعلی الثانی مقلدین کی تحسین کو کیا اعتبار ہے ایضاً در حقیقت اکثر علماء نسب اس تفریق کے خلاف تھے۔ بھلا جو چیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی حالت پر نہ رہی ہو بلکہ متغیر ہو چکی ہو اور ایک سے چار بن گئے ہوں۔ ایسے فتنہ کو صلحاء امت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ کیا صلحاء یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ ایک جماعت کے بجائے چار فرقے

ہو جائیں اور ایک دوسرے کی تردید کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ مقدمہ بازی تک جاتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ حتیٰ کہ بیت اللہ جیسے مقام میں چار مصلے قائم ہو جائیں۔

قولہ ۹۶ ص ۱۳ "اسی تیسری صدی میں اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور لیث بن سعد وغیرہم کا مذہب بھی ظاہر ہوا۔ مگر اس تیسری صدی کے ختم پر یہ مذاہب اور اس کے مقلدین بھی ختم ہو گئے"

اقول :۔ اس لیے کہ ان کے پیروکار ان کے متبع تھے مقلد نہیں تھے۔ اور جانتے تھے کہ ہمیشہ جس کی قوانین و دفعات دنیا میں قائم رہیں گے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ ثانیاً وہ ان کے اس معنی میں متبع تھے کہ جو بات دلیل کے موافق ہو وہ لے لیتے ایسے متبع اب بھی موجود ہیں۔ ختم نہیں ہوتے۔ اہل حدیث سب کی بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ دلیل کے موافق ہو اور تقلید کے قائل نہیں۔

قولہ ۹۶ ص ۱۶ "اور دنیا میں صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ اور امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ کا مذہب اور متبعین باقی رہ گئے"

اقول :۔ اس معنی سے کہ مقلد کہلانے لگے لیکن دلیل معلوم کرنے اور اس کو صحیح پانے کے بعد تو اتباع دوسروں کی اب بھی موجود ہے۔ ختم نہیں ہوئی۔ ثانیاً خود آپ مسئلہ تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلیٰ کے قول پر چلتے ہیں اور ان چاروں کے علاوہ پانچواں مذہب جاری رکھتے ہیں۔ پھر کیسے کہتے ہو کہ ان چاروں کے سوا کسی کا مذہب یا اس کا متبع نہیں رہا۔ سب سے اول تو آپ خود پانچویں شخص کے مقلد ہو۔

قولہ ۹۶ ص ۱۱ "چوتھی صدی کے شروع میں علماء ربانیین نے دیکھا کہ خیر القرون کا زمانہ تو گذر گیا کہ جس کا جی چاہیں مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیں علم اور تقویٰ میں غیر معمولی انحطاط ہو گیا۔ (الی قولہ) خدانخواستہ

کہیں اس آیت کا مصداق نہ بن جائیں یہ اتخذوا دینھم لھوا ولعبا" صفحہ ۹۷ ص ۸"

اقول :۔ اولاً اس بہانہ کی پوری تردید سابقہ صفحات میں کردی گئی ہے ثانیاً اگر تقویٰ ختم ہے تو پھر یہ آپ کا بتایا ہوا نسخہ بھی کامیاب نہیں جاتے گا۔ کیونکہ یہ نسخہ بقول شما اتباع ہوائے سے بچنے کا طریقہ ہے اور غیر متقی کے لیئے ہوائے نفس سے بچنے کا کوئی سوال نہیں۔ اور اگر متقی ہے تو طریقہ سلف یعنی بلا تقلید عمل اس کے لیے کافی ہے۔ ثالثاً کیا اس وقت آپ کی نظر میں کوئی کامل متقی وعالم زمین الہٰی پر باقی ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور ضرور ہے بلکہ بہت ہی موجود ہیں، تو پھر سب پر تقلید کا حکم کیسے لگاتے ہو۔ رابعاً ائمہ اربعہ میں تقوی وفراست بند نہیں ہے بلکہ آپ کے بعد بھی کئی لوگ متقی صاحب فراست و ماہر استنباط ہوتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ علامہ عبیداللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح کے ہم پلہ اور ان کی طرح مستقل مجتہد قرار دیا ہے۔ اور ایسی بات کے منکروں کے متعلق لکھا ہے کہ

"وھذا جھل عجیب منھم، لا یجوزون ان یکون احد من الامۃ المحمدیۃ مثل ابی حنیفۃ ومالک ویعتقدون بجواز ان یکون احد مثل الانبیاء بعد خاتم النبیینؐ (الہام القرآن صفحہ ۲۲۸)

یہ ان لوگوں کی عجیب جہالت ہے کہ اُمّت محمدیہ میں امام ابوحنیفہ رح یا امام مالک رح کے برابر کے شخص کا ہونا تو ناجائز جانتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے متعلق نبیوں جیسا ہونا جائز سمجھتے ہیں۔ (جب ہی تو ان کے اقوال کو نبیوں کے اقوال کی طرح مانتے اور بالا از خطا جانتے ہیں)

خامساً تقلید کے التزام میں تو وہی نفسانیت رہے گی جس کو جو امام پسند آئے گا اس کے پیچھے چلے گا اور اسی آیت کا انطباق ومصداق اسی پر آتا ہے۔

قولہ ص۹۷ سطر۸ "اور ان علماء ربانیین نے علی رؤس الاشہاد یہ اعلان کیا کہ ہم اجتہاد سے عاجز نہیں والی قولہ) اور مسلمانوں میں اپنی تقلید کا اعلان کر دیا" الخ

اقول : - نہ معلوم یہ اعلان کس جگہ ہے۔ شیعوں کے امام معدوم کی طرح کسی معدوم کتاب میں ہوگا۔ ہم تو اول سے لے کر آخر تک علماء کو دیکھتے ہیں تو ہر وقت استدلال اور استنباط کرتے چلے آئے ہیں، اور ایک دوسرے کی تردید اور دلائل پر تنقید کرتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ سب کام مجتہدین کے ہیں نہ مقلدین کے امام غزالی فاتحۃ العلم میں فرماتے ہیں کہ

الثالثۃ ان یکون المناظر مجتہدا یفتی برأیہ لا بمذھب ابی حنیفۃ والشافعی (الارشاد الی سبیل الرشاد ص۲۵ الحاشیہ)

مناظرہ کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ مجتہد ہو اور اپنی تحقیق پر فتویٰ دینے والا ہو یہ نہ ہو کہ امام ابوحنیفہ رح یا امام شافعی رح کے مذہب پر فتویٰ دیتا ہو۔

پس یہ مناظرے تحقیقات اور مناقشات سب بتاتے ہیں کہ یہ لوگ مجتہد تھے۔

قولہ ص۹۷ سطر۱۲ "اور عامۃ مسلمین کو بھی اسی کا حکم دیا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کریں اور ان چار اماموں کے علاوہ اور کسی کی تقلید نہ کریں"

اقول : - جب قرآن وحدیث موجود ہیں اور ان سے مسائل لینا آسان ہیں اور کتب احادیث مبوب ہیں مسائل بیان ہو چکے ہیں۔ ہر ایک دیکھ کر ان پر عمل کر سکتا ہے۔ تو پھر ایسی بات علماء کیسے کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اہل علم نے تو سرے سے تقلید سے منع کیا ہے جیسا کہ ابتداء رسالہ میں اقوال ذکر ہوئے۔ نیز اگر ان کا کہنا بھی ہے تو کیا آپ اس کو صحیح سمجھ کر مانتے ہیں یا بلا تحقیق علی الاول آپ مجتہد ہیں نیز اس کی صحت کی دلیل پیش کریں تاکہ ہم بھی دیکھیں وعلی الثانی ایسی چیز کیوں پیش کرتے

ہیں جس پر آپ کو یقین نہیں۔ ایضاً خود علماء جو کہ ان چار مذاہب کی طرف منسوب ہیں خود ان سے کئی مسائل میں اپنے مذاہب کے خلاف پایا جاتا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا علی تقدیر صحۃ النقل کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

قولہ ص۹۶ سطر ۱۴ "اور امام الحرمین اور امام حدیث حافظ ابن صلاح نے یہ فتویٰ دیا کہ ائمہ اربعہ" الخ۔

اقول: یہ خود کئی مسائل میں ائمہ کے خلاف گئے ہیں نیز ان کے کئی فتوے ہیں جن کو ایک نہیں مانتے۔

قولہ ص۹۶ سطر ۱۶ "ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے"

اقول: نہیں کہا ہے بلکہ یہ آپ کی تشریع ہے۔ علامہ بحر العلوم حنفی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ

"اذ لا واجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ والحکم لہ ولم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الائمۃ فایجابہ تشریع جدید۔ اھ"

واجب وہی کام ہیں جس کو اللہ واجب قرار دے اور اسی کو اختیار رہے اس نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ کسی امام کے مذہب کو اختیار کرے۔ اس کو واجب سمجھنا نئی شریعت بنانا ہے۔"

اور المنتقی من منہاج الاعتدال المذہبی ص۱۶۶ میں ہے کہ

"وان ارادوا بالامام الامام المقید فذالک لا یوجب اہل السنۃ طاعتہ۔"

"اہل سنت والے کسی معین یا مقید امام کی اطاعت کو واجب نہیں کہتے"!!

جب کہ اہل سنت کا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر آپ ایسے وجوب کا فتویٰ کیسے دیتے ہو؟ اور خود علامہ بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں ابن الصلاح کے اس قول کی تردید کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ

وبطل بھذا قول ابن الصلاح ایضاً ثم فی کلامہ خلل آخر اذ المجتھدون الآخرون ایضا بذلوا جھدھم مثل الاربعۃ وانکار ھذا مکابرۃ وسوء ادب۔

اسی تقریر سے ابن الصلاح کا قول باطل ہوا۔ نیز اس میں ایک اور بھی خلل ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے ائمہ مجتہدین نے بھی ائمہ اربعہ کی طرح اجتہاد کئے ہیں (اپنی کوششوں کو صرف کیا ہے اسی کا انکار مکابرہ اور بے ادبی ہے"!

قولہ ۹ ۔ "اور یہی شیخ عزالدین بن عبدالسلام انصاری کی رائے ہے"!

اقول:۔ یہ رائے ہے روایت نہیں۔ ثانیاً خود شیخ موصوف کا اپنا کلام ذیل میں پڑھیئے۔

ومن العجب العجیب ان الفقھاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لا یجد لضعفہ مدفعاً وھو مع ذالک یقلدہ فیہ ویترک من شھد الکتاب والسنۃ والأقیسۃ الصحیحۃ لمذھبھم جموداً علی تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنۃ ویتأولھا بالتاویلات

البعیدة الباطلة نضالاً عن مقلده وقال لم یزل الناس یسئلون من اتفق من العلماء من غیر تقیید لمذهب ولا انکار علی احد من السائلین الی ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدین فان احدھم یتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلداً له فیما قال کانه نبی ارسل وهذا نائی عن الحق وبعد عن الصواب لا یرضی به احد من اولی الالباب" (حجة الله البالغہ ص۱۵۵ ج۱)

نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض اپنے امام کے ضعف ماخذ سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس کے ضعف کو دفع کرنے والی کوئی شئی نہیں ملتی اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید ہی کرتا ہے ۔ اور اپنے امام کی تقلید سے وابستگی ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے مذہب کو ترک کر دیتا ہے جس پر قرآن وحدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے ، بلکہ ظاہر قرآن وحدیث کو رد کرنے کے لیے حیلے کرتا ہے اور اپنے مقتداء کی حمایت میں ان میں بعید و باطل تاویلیں کرتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ اسے بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہوئی اس سے مسئلے دریافت کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا پس تحقیق ان میں سے ہر شخص اپنے امام کا مقلد بن کر اس کے قول کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے باوجودیکہ اس کا مذہب دلائل سے بہت بعید ہے ایسا کرنا حق اور

صواب سے دور رہتا ہے جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا"

(نعمۃ اللہ السابغہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳۲۲ ج ۱۔ اصح المطابع)

ناظرین! یہ ترجمہ حنفی عالم کا ہے غور سے پڑھیں کہ شیخ عزالدین بن عبد السلام کس قدر تقلید اور مقلدین کی برائی کر رہا ہے۔ نیز اس کا کہنا کہ "لوگ ہمیشہ بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہوگئی اس سے مسئلہ دریافت کرتے رہے" آپ کی اس چاردیواری کی تحریک کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ بلکہ "طوالع الانوار حاشیہ الدر المختار" میں ہے کہ "ولعدم وجوبہ صرح الشیخ ابن عبد السلام فی مختصر منتھی الاصول" اھ نیز اس کو "مغتنم الحصول" میں مجتہد کہا گیا ہے کذا فی معیار الحق ص۲۸ اور شذرات الذہب ص۳۰۱ ج ۵ میں ہے کہ "بلغ رتبۃ الاجتہاد"

قولہ ص۱۸۱ ۹۷ "اسی لیے کہ" الخ

اقول:۔ یہاں مصنف نے سات باتیں ذکر کی ہیں ان کا جواب سلسلہ وار عرض ہے۔

۱۔ کیا آئمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے جو ان سے قبل یا بعد ہیں ان کے مجتہد ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ اور سب لوگوں کے پاس ان کا اجتہاد معتبر نہیں؟ بلکہ فقہی کتابوں کا اختلاف اور ان کا چار فقہوں میں تقسیم ہونا حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہوں کو الگ الگ لکھا جانا خود بتاتا ہے کہ ان کا ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے۔ خود آپ تقلید شخصی کا حکم دے کر اس کو رد کرتے ہیں۔ اگر سب کا اجتہاد مقبول ہوتا تو شخصی کی قید نہ لگاتے اور بفضلہ تعالیٰ ہر زمانے میں مجتہدین بکثرت رہے ہیں۔ کما مر حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ائمہ اربعہ کے بعد والوں میں کئی مجتہدوں کے نام گنوائے ہیں۔ آٹھویں طبقہ تک ائمہ اربعہ ختم ہوتے ہیں۔ پھر نویں طبقہ میں دارمی احمد بن سیار ابو الحسن المروزی داؤد بن علی الاصفہانی ابوداؤد السجستانی وغیرہم کو ذکر کیا ہے اور دسویں طبقہ میں بقی بن مخلد قرطبی احمد ابن عاصم

قاسم بن محمد اندلسی حافظ ابن خزیمہ ابن جریر طبری ابو بکر الباغندی کو ذکر کرتے ہیں۔ اور گیارہویں[11] میں ابن المنذر حسین بن محمد السنجی ابو العباس بن سریج محمد بن مخلد بن حفص الدوری ابن الاخرم النیسابوری ابو یعلی النسفی ابو علی الحسن بن سعد الکتانی اور بارہویں[12] میں ابو اسحاق و علی بن احمد السجزی ابو الولید حسان بن محمد القزوینی ابو احمد الحاکم محدث عراق ابن شاہین اور تیرہویں[13] میں ابو الفضل ابن ابی نصر الطوسی ابو عبد اللہ الحلیمی الحافظ ابو عبد اللہ الحاکم ابو بکر البرقانی ابو الحسن النابلسی۔ ور چودہویں[14] میں ابو عبد اللہ الصوری ابو نصر السجزی ابو یعلی الخلیلی ابن حزم عبد الرحمٰن بن مندۃ الاصفہانی ابو القاسم الزنجانی ابو اسماعیل عبد اللہ الھروی اور پندرہویں[15] میں ابو عبد اللہ الحمیدی الاندلسی ابو بکر بن ابی ضبعۃ الدقاق البغدادی ابو سعد الحرمی ابو محمد السمرقندی ابو الفضل بن القیسرانی المقدسی ابو عبد اللہ الدقاق الاصفہانی ابو محمد البغوی ابو الغنائم النرسی الکوفی ابو عامر العبدری ابو البرکات الانماطی ابو سعد ابن البغدادی اور سولہویں[16] میں ابو الفضل السلامی ابو العلاء الہمدانی اور سترہویں[17] میں ابو القاسم السہیل حافظ عبد الغنی المقدسی ابو الحسن علی الاسکندرانی اور اٹھارویں[18] میں ابو طاہر الانماطی ضیاء الدین الصالحی ابن المرد مینہ الاشبیلی ابن الصلاح ابو الحسین رشید الدین النابلس اور انیسویں[19] میں ابن سید الناس ابن الکماد ابو شامۃ شرف الدین النابلسی اور بیسویں[20] میں ابن الظاہری ابن دقیق العید اور اکیسویں[21] میں ابن تیمیہ رحمہ ابو الحجاج المزی کو ذکر کرتے ہیں بلکہ ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں سب مجتہدین مذکور نہیں۔ جن کی تعداد گیارہ سو سے اوپر ہے۔ اسی طرح طبقات الحفاظ اور حسن المحاضرۃ للسیوطی "الدرر الکامنہ" لابن حجر "الضوء اللامع للسخاوی" "البدر الطالع للشوکانی" کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں مجتہدین کس کثرت سے گذرے ہیں۔

۲۔ اولاً اتفاق کا دعویٰ ثبوت کا محتاج ہے نیز امام ابو حنیفہ رحمہ کی رائے کے متعلق جو اقوال ائمہ اوپر گذرے وہ بھی اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں۔ ایضاً ان صفات علم صلاح تقویٰ اور فہم و فراست سے

کئی اللہ کے بندے تصنیف رہے ہیں۔ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم تذکرۃ الحفاظ العبر فی خبر من غبر للذہبی شذرات الذہب التاج المکلل البدر الطالع نیل الوطر الدرر الکامنۃ التہذیب طبقات الخواص صفۃ الصفوۃ اور المنتظم لابن الجوزی وغیرہا کتب دیکھ کر پھر اندازہ لگائیں۔

۳۔ اولاً مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کا مذہب مدون ہو شاہ ولی اللہ "عقد الجید" ص۱۱ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ولا یشترط ان یکون للمجتہد مذھب مدون اھ ثانیاً شیعوں کا مذہب بھی مدون ہے۔ پھر ان کو خارج از مذہب کیوں نہیں قرار دیتے ہو اور چار کے بجائے پانچ مذاہب میں حق کو دائر کیوں نہیں سمجھتے؟ ثالثاً انہی کتابوں میں دوسروں کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ بالخصوص سنن ترمذی التمہید لابن عبد البر المحلی لابن حزم المغنی لابن قدامہ ہدایۃ المجتہد لابن رشد تفسیر الجامع الاحکام القرآن للقرطبی وغیرہ میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کے اقوال ومذاہب درج ہیں۔ ترمذی میں تو اسحاق بن راہویہ اور ابن مبارک کا مذہب خصوصیت سے مذکور ہے۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب "اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ" بھی قابل ذکر ہے جس میں اس نے چالیس سے اوپر مسائل میں ابن ابی لیلیٰ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

۴۔ تواتر کیا بلکہ بعض اقوال کی تو ائمہ تک سند بھی نہیں پہنچتی۔ ثانیاً ان ائمہ کی طرح اور ائمہ کے اقوال بھی منقول ہیں۔ پھر ان کو بھی متواتر مانیں۔ ثالثاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" ص۱۳۳ ج۱ میں لکھتے ہیں کہ "وانہما متواتران الی مصنفیہما اھ" یعنی یہ دونوں کتابیں ان کے مصنفین تک تواتر سے منقول ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے اپنا مذہب ابواب میں بیان کیا ہے۔ خود شاہ صاحب موصوف شرح تراجم البخاری ص۲ میں لکھتے ہیں کہ "ویودع فی تراجم الابواب سر الاستنباط اھ" یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح کے تراجم ابواب میں استنباط کے راز کو جمع کیا ہے پس امام بخاریؒ کا مذہب بھی تواتر سے ثابت ہے ایضاً آپ کا

یہ کہنا کہ "ہر مذہب کے راوی اس قدر کثیر ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے" صحیح نہیں۔ کیونکہ کوئی صاحب کتاب اس کی سند ذکر نہیں کرتا ہے۔ بلکہ مسائل میں اختلاف واقع ہے۔ اور جب سند معلوم نہیں تو کیا خبر کہ کونسا قول صحیح ہے اور کونسا ضعیف!

۵۔ اس سے کیا مراد ہے یہ سب اصطلاحات ان ائمہ ہی نے لکھی اور وضع کی ہیں یا متأخرین نے علی الاول ثبوت درکار ہے بلکہ کئی اصطلاحیں ان کے ذہن میں بھی نہیں تھیں۔ وعلی الثانی یہ وجہ باطل ہوئی ایضاً امام ابن حزم کی کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" کا مطالعہ کریں تو بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ سب اصولی صفتیں آپ کو ملیں گی۔ ان میں صرف ائمہ اربعہ کی خصوصیت نہیں۔ نیز ابن رشد کی کتاب بدایۃ المجتہد کا مطالعہ کریں معلوم ہوگا کہ یہ صفتیں ان چاروں سے خاص نہیں۔

۶۔ یہ بالکل غلط ہے "محلی" کو دیکھیں کہ اخیر تک ہر زمانہ میں لوگ ان سے خلاف کرتے آئے ہیں۔ المنتقیٰ للذہبی ص۵۴ میں ہے کہ

لم یقل اہل السنۃ ان اجماع الاربعۃ حجۃ معصومۃ ولا ان الحق منحصر فی قولھم وان ما خرج منہ باطل۔

"اہل سنت یہ نہیں کہتے یعنی ان کا یہ مذہب نہیں کہ چار اماموں کا اجماع حجت ہے اور اس میں خطاء کا احتمال نہیں۔ اور نہ یہ کہ حق ان چار مذاہب میں منحصر ہے اور جو بات ان سے باہر ہے وہ باطل ہے۔"

ناظرین:۔ یہ منتقیٰ دراصل شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب منہاج السنۃ کا مختصر ہے۔ پس ان دونوں اماموں کے قول سے ظاہر ہوا کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان چاروں میں امت منحصر ہو گئی اور اب حق ان سے باہر نہیں ہے پس یہ غرق حالات نہیں بلکہ آپ کا فرق حق ہے اور اور پر

ہم نے کئی ایسے لوگ ذکر کیے جو اربعہ کے بعد میں آئے اور کسی کے مقلد نہیں تھے۔

نیز اگر ان میں امت منحصر ہے تو پھر آپ نے مسئلہ تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلےٰ کے قول کو کیوں لیا۔ کیا آپ بقول شماامت سے نکل گئے؟ سنن ترمذی میں دیکھیں امام اسحاق بن راہویہ کا قول کئی مسائل میں ائمہ اربعہ سے الگ ہے کیا اس کو بھی امت سے فارغ کریں گے؟ نیز امام ابن حزمؒ نے "الاحکام" صـ۲۲۳ طبع ثالثہ میں ان لوگوں کا نام لیا ہے۔ ابن ابی لیلےٰ سفیان اوزاعی زفر ابو یوسف محمد بن الحسن الحسن بن زیادہ اشہب ابن الماجشون مزنی ابو ثور احمد اسحاق داؤد محمد بن جریر اور کہتے ہیں کہ ان سے کئی ایسے اقوال منقول ہیں جو ان سے قبل کسی نے نہیں کہا ہے۔ اسی طرح جملہ مصنفین مثلاً ابن حزم ابن تیمیہؒ ابن عربی وغیرہم نے کئی ایسے اقوال ذکر کیے ہیں جو کہ چاروں مذاہب کے اندر نہیں۔ کیا وہ سب امت سے خارج ہو گئے؟ ایضاً یہ بتائیں کہ یہ اجماع مقلدین کا تھا یا مجتہدین کا علی الثانی پھر کیسے مقلد بنے اور حنفی، مالکی، شافعی و حنبلی کیسے کہلاتے وعلی الاول مقلدین کا اجماع معتبر نہیں حجت نہیں اور اگر کہو گے کہ مجتہد تھے لیکن اس فیصلہ کے بعد مقلدین گئے تو بھی غلط ہو گا۔ کیوں کہ مجتہد تقلید سے ممنوع ہے۔

۷۔ یہ بھی خوش فہمی ہے۔ بھلا یہ بھی عقل کی بات ہے کہ مختلف مذاہب کے مختلف اقوال اور وہ سب حق ہوں جو جائز کہتا ہے وہ بھی حق جو ناجائز کہتا ہے وہ بھی اور جو پلید کہتا ہے وہ بھی حق جو پاک کہتا ہے وہ بھی۔ اور جو نماز درست کہتا ہے وہ بھی حق اور جو فاسد کہتا ہے وہ بھی اور جو وضو کو باقی کہتا ہے، جو ناقص کہتا ہے دونوں حق۔ جو کہتا ہے روزہ ٹوٹ گیا جو کہتا ہے نہیں دونوں حق، جو کہتا ہے فلاں کافر ہے اور جو کہتا ہے مسلمان ہے دونوں حق۔ جو کہتا ہے فلاں کا نکاح ٹوٹ گیا اور اس پر بیوی حرام ہو گئی اور جو کہتا ہے کہ نہیں، حلال ہے دونوں حق۔ یہ تو اجتماع الضدین ہے۔

بلکہ خود اس دعویٰ اجماع کے بطلان کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ امام مالک سے مروی ہے کہ

"انہ قال فی اختلاف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
مخطئ ومصیب فعلیک بالاجتہا د (الاحکام لابن حزم ص۱۴۹ ج ۶
وجامع بیان العلم لابن عبد البر ص۸۱ ج ۲)"

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے اختلاف کے متعلق
فرمایا کہ ان میں مخطئ ومصیب دونوں طرح ہیں۔ لہذا تم خود اجتہاد کیا کرو اور
حق معلوم کرو)

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"نعمل بما اتفقوا علیہ فان اختلفوا قسنا حکما علی حکم
بجامع العلۃ بین المسئلتین حتی یتضح المعنی.... و
فی روایۃ أخریٰ.... وما جاءنا عن الصحابۃ تخیرنا"
(المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۶۵ ج ۱)

جس بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم متفق ہیں ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور
جہاں مختلف ہیں تو قیاس سے تحقیق کرتے ہیں حتیٰ کہ بات ظاہر ہو جائے
(کہ کونسی حق ہے) اور کہا کہ جو صحابہؓ سے حکم وارد ہے اس میں ہم تحقیق
کرکے صحیح بات کا) انتخاب کرتے ہیں۔

گویا امام صاحب بھی بوقت اختلاف سب صحابہ کے اقوال کو حق نہیں جانتا۔ امام شافعی رح کے
متعلق شاہ ولی اللہ "حجۃ اللہ البالغہ" ص۱۴۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ

"فترک التمسک باقوالہم مالم یتفقوا"

"وہ صحابہؓ کے اقوال کو جب تک متفق نہ ہوں نہیں لیتے۔"

گویا کہ اختلاف کے وقت سب کو حق نہیں کہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق ابن القیمؒ اعلام الموقعین ص۳۱ ج ا میں لکھتے ہیں

"اذا اختلف الصحابۃ تخیر من اقوالھم ما کان اقربھا الی الکتاب والسنۃ۔"

"اگر صحابہؓ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں تو ان میں جو قول قرآن وحدیث سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کو اختیار کرتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق اسی قول کو جانتا ہے جو دلیل کے موافق ہو، نہ کہ سب کو۔ الحاصل جب بوقت اختلاف سب صحابہؓ کے اقوال کو حق نہیں کہا جا سکتا تو چاروں اماموں کے مذاہب کو حق کہنا کیسے درست ہوگا۔ بلکہ خود آپ نے اپنے اصول کے خلاف چاروں کے مذاہب سے نکل کر اور کہتے ہیں کہ سب حق یہ ہیں اور اگر کہو گے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چاروں میں حق دائر ہے یعنی جو حق بات ہے وہ ان چاروں میں کسی ایک کا قول ہوگا تو بھی غلط ہے۔ کیوں کہ ان چاروں میں حق کا منحصر ہونا پہلے ہی باطل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ "فواتح الرحموت" ص۴۰۷ ج ۲ فی ذیل المستصفی میں علامہ عبدالعلی انصاری حنفی لکھتے ہیں کہ

"لو وجد روایۃ صحیحۃ عن مجتھد اٰخر یجوز العمل بھا۔"

ان چار اماموں کے علاوہ کسی اور مجتہد کا قول مل جائے تو اس پر بھی عمل جائز ہے۔

ایضاً ایسی صورت میں کیا خبر کہ ان چاروں میں کس کا قول صحیح ہے کس کا غلط۔ تقلید کا تو یہ طریقہ نہیں۔ وہی اجتہاد لازم آئے گا۔ نیز صحیح معلوم کرنے کا معیار کیا ہوگا۔ اگر کہو گے کہ کتاب سنت تو وہی اتباع دلیل ہوگا تقلید متعذر و باطل ہو جائے گی اور اس ساری تقریر سے مصنف

کا یہ قول "بخلاف اور ائمہ کے کہ نہ ان کا مذہب مدوّن ہوا (الی قولہ) اور نہ ان کو اس درجہ شہرت و قبولیت حاصل ہوئی جو ائمۂ اربعہ کو حاصل ہوئی" بھی غلط ہو گیا۔ کیوں کہ سب کا مذہب اور ان کے اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور تواتر و نقل میں یکساں ہیں بلکہ بعض کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہاں بقول عے

پیران نمے پرند مریدان مے پرانند

مقلدین اپنے ائمہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے ہیں، یا جانتے ہیں تو تعصب کی بنا پر نہیں مانتے ہیں۔ لیکن جس کو اللہ تعالے نے تحقیق و نظر عطا فرمائی ہے وہ کتابوں کے مطالعہ سے جان لیتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کئی ایسے مجتہد آتے رہے ہیں جن کو کافی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

قولہ ص ۹۹ سطر ۳ "اس لیے تمام علماء امت اور فضلاء امت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید اور پیروی واجب ہے" الخ

اقول :۔ اس کی اچھی طرح تردید گزری نیز اجماع تو درکنار وجوب کا عقیدہ اہل سنت کا مذہب ہی نہیں۔ جیسا کہ اوپر ابن تیمیہؒ اور ذہبیؒ کے قول سے معلوم ہوا۔ نیز اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب فواتح الرحموت کی عبارت گذری کہ معین شخص کے مذہب کو واجب کہنا نئی شریعت بنانی ہے وھکذا فی "بحر العلوم" و "مغتنم الحصول" پس جب اللہ نے واجب نہیں فرمایا تو علماء امت اس کے بغیر کیسے وجوب کا حکم دیں گے۔ نیز "معیار الحق" ص ۵۵ میں ملا علی قاری حنفی کی کتاب "سم القوارض فی ذم الروافض" سے منقول ہے کہ

" ولا یجب علی احد من ھذہ الامۃ ان یکون حنفیا او شافعیا او مالکیا او حنبلیا"

اس امت میں کسی ایک پہ حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی ہونا واجب نہیں۔

ابوالفتح بن برہان نے کہا ہے کہ عامی پر کسی معین مذہب کی تقلید لازم نہیں کذانی شذرات الذہب صـ۶۲ ج ۴ - اور صـ۲۰۵ ج ۸ میں شمس الدین القونوی الحنفی کے ترجمہ میں ہے کہ

وکان قد اقبل علی الاشتغال بالحدیث باخذہ والتزم ان لا ینظر فی غیرہ - وصارت لہ اختیارات یخالف فیہا المذاہب الاربعۃ لما یظہر لہ من دلیل الحدیث اھ ـ

اور عجب تر یہ ہے کہ ائمۂ اربعہ کی تقلید کو واجب کہا جائے اور دوسروں کی پیروی سے منع کیا جائے حالانکہ اصل اتباع قرآن وحدیث کا ہے پھر کسی کا بھی قول جو کہ اگرچہ ان چار کے علاوہ ہو ـ اگر قرآن وحدیث سے موافق ہے تو قابل قبول ہے ـ

قولہ صـ۹۹ :- "حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ عقد الجید میں فرماتے ہیں کہ دُنیا سے تمام مذاہب حقہ مندرس ہو گئے" الخ

اقول :- اوّلاً پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کتابوں میں سب ائمہ کے اقوال مذکور ہیں تو پھر یہ کیسے صحیح ہو گا کہ چار کے علاوہ کوئی مذہب حق باقی نہیں رہا - کیا ابن ابی لیلے کا قول تحلیف الشہود کے بارے میں ناحق ہے ـ تو آپ اس کو کیسے مانتے ہیں - ثانیاً سواد اعظم بھی ایک جماعت ہو سکتی ہے نہ چار متعدد اور ایک دوسرے کے خلاف بالخصوص ہر ایک اپنے ہی بر حق ہونے کا مدعی ہے - نیز کیا تحلیف الشہود میں ابن ابی لیلے کا قول لے کر حنفیہ سواد اعظم سے خروج کر گئے؟ ایضاً یہ بتائیں کہ بوقت اختلاف ان مذاہب میں کس کو سواد اعظم کہیں گے ؟

قولہ صـ۹۹ سـ۱۱ :- "یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی کے بعد اُمّتِ محمدیہ کے تمام علما اور صلحاء مفسرین اور محدثین نے انہی مذاہب اربعہ کو اپنا دستور العمل بنایا"

اقول :- اس کی تردید بھی گذر چکی ایضاً چوتھی صدی کے بعد بھی کئی ایسے گذرے ہیں، جو

کسی کے مقلد نہیں تھے۔ مثلاً امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ جنہوں نے المستصفیٰ میں تقلید کی خوب تردید کی ہے۔
فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ کو دیکھو کس طرح تفسیر میں تقلید کی مذمت کرتے ہیں۔ محدث ابن حزم
متوفی ۴۵۶ھ کتاب الاحکام میں تقلید کو بدعت اور حرام بتاتے ہیں۔ واعظ امت ابن الجوزی متوفی
۵۹۷ھ تلبیس ابلیس میں سختی کے ساتھ تقلید کو رد کرتے ہیں۔ نیز شذرات الذہب میں دیکھو۔ کہ چوتھی
صدی کے بعد کئی ایسے علماء صلحاء محدثین مفسرین اور فقہاء ہیں جو خالص اہل حدیث و مجتہد تھے۔ اور
کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے مثلاً پانچویں صدی میں ابو اسحاق اسفرائینی ابو عبداللہ الفخار القرطبی
ابو محمد بن ذنین الصدفی الطلیطلی ابو بکر البرقانی ابو محمد الجوینی ابو الطیب طبری ابو علی حسان بن سعد
المنیعی ابو القاسم عبدالرحمٰن بن مندۃ، ابو الخطاب الصوفی البغدادی ابو نصر بن الصباغ البغدادی
امام الحرمین ابو المعالی الجوینی، ابو عبداللہ محمد بن نصر بن فتوح الحمیدی ابو یعلی العبدری کو ذکر کیا ہے
اور چھٹی صدی میں ابو الحسن الکیا الہراسی ابو الغنائم محمد بن علی النرسی الکوفی ابو الوفاء بن عقیل
البغدادی الظفری ابو الفتح احمد ابن علی بن برہان ابو عامر العبدری ابو بکر محمد بن عبد الباقی الانصاری
ابو الحکم بن برجان ابو البرکات عبدالوہاب الانماطی ابو الفضل السلامی۔ شیخ عبدالقادر الجیلانی
ابو الفضل احمد بن صالح الجیلی حافظ ابن عساکر ابو المدینی عبدالمغیث ابن زہیر الحربی امیر المؤمنین
ابو یوسف یعقوب بن یوسف القیسی اور ساتویں صدی میں ابو محمد محمد بن حمد الانصاری الارتاحی
المصری ابو الخطاب محمد بن احمد ابن اسعد، ضیاء الدین احمد بن سکینہ ابو عمر بن احمد المقدسی تقی الدین
ابن الانماطی موفق ابن قدامہ مصنف المغنی ابو القاسم عبدالکریم الرافعی ابو محمد بہاء الدین ابن
عم البخاری ابو القاسم ابن بلقی القرطبی ابو الخطاب بن دحیۃ البستی ابو صالح نصر بن عبدالرزاق
بن الشیخ عبدالقادر الجیلانی ابو العباس ابن رومیۃ الزہری النباتی، محی الدین ابن عربی الحاتمی
صاحب الفتوحات المکیۃ سیف الدین ابو العباس المقدسی الصالحی محدث ابن الصلاح، ضیاء الدین

ابو ابراہیم الصالحی ضیاء الدین ابو عبد اللہ المقدسی ابو محمد عز الدین بن عبد السلام ابو شامۃ شہاب الدین
الدین الدمشقی، ابو عبد اللہ القرطبی المفسر ابو الحسن مکین الدین المصری ابو العباس احمد بن یوسف
الشیبانی الموصلی نور الدین ابو طالب عبد الرحمٰن البصری تاج الدین الفرکاح الفزاری اور
آٹھویں صدی میں شرف الدین عبد المومن بن خلف الدمیاطی عماد الدین ابو العباس الواسطی
الحزامی شمس الدین ابو عبد اللہ الدباہی للبغدادی سعد الدین الحارثی ابو المعالی ابن الزملکانی شیخ
الاسلام ابن تیمیہ، اثیر الدین، ابو حیان الغرناطی حافظ شمس الذہبی حافظ ابن القیم شیخ تقی الدین
سبکی محمد بن اسماعیل بن الخباز صلاح الدین ابو سعید العلائی، قاضی محمد بن محمد المقرئی ابو الحسن
علی بن ابراہیم بن سعد الانصاری محمد بن اسماعیل القزل، شمس الدین القونوی صدر الدین سلیمان
الیاسوفی الدمشقی ابو ہریرہ بن الذہبی اور نویں صدی میں یوسف بن حسین الکردی حافظ
السراج عمر البلقینی علاؤ الدین ابو الحسن الخوارزمی ابو ہاشم ابن البرہان التیمی ابو زید الرداوی
الزبیدی، مجد الدین الفیروز آبادی نجم الدین بن عبد اللہ القابونی زین الدین ابو ہریرۃ
الکمال المصری عز الدین محمد بن شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد بن القلاح التونسی
تقی الدین احمد بن علی المقریزی، حافظ ابن حجر العسقلانی ابو القاسم محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ
ابن جعان الصوفی سیف الدین محمد البکتمری القاہری برہان الدین ابو اسحاق ابن مفلح علاء الدین ابو الحسن المرداوی
السعدی محی الدین عبد القادر الحسینی الفاسی اور دسویں صدی میں محمد بن داؤد الیمنی النزلاوی عبد الرحمٰن الحمیری العدنی جلال الدین سیوطی
محی الدین عبد القادر المارد ینی الحلبی السید الشریف حسین بن عبد اللہ العیدروس عارف باللہ ابو الحسن علی ابن میمون الہاشمی
الغماری ابو الخیر عز الدین ابن فہد المکی عارف باللہ سید احمد بخاری حسینی شہاب الدین
ابن الشیخ الحلبی ابو سعود محمد بن رغیم الجارحی القاہری جمال الدین بحرق الحضرمی تقی الدین
ابو بکر البلاطنسی زین الدین ابو حفص عمر الحلبی ابن الخناجری الدمیری شمس الدین محمد الشامی

محمد الداؤدی المصری اسحاق الرومی جمال الدین ابو مخرمۃ الفروعی ابوالحسن علی البکری الصدیقی الشیخ عبدالوہاب الشعرانی علی المتقی الہندی معلم جہانگیر مصلح الدین جمال الدین محمد طاہر الہندی۔

ناظرین :- ان کے علاوہ اور کتابوں کو دیکھیں ہر زمانہ میں مجتہد ملیں گے۔ اس طرح گیارہویں صدی میں نواب صاحب نے "التاج المکلل" ص۳۹۲ میں ابراہیم القرزا اور ص۳۱۱ میں حسن بن احمد الجلالی کو اور شوکانی نے "البدر الطالع" ص۲۲۸ ج ۲ میں سید یحیٰی بن حسین ابن قاسم اور ص۳۶۷ ج ا میں عبدالقادر المحیرسی کو اور شیخ ابن زبارۃ صنعانی نے "ملحق البدر الطالع" ص۱۱۲ میں قاضی عبدالحفیظ المہلا اور ص۱۲۶ میں سید عبداللہ ایدروی اور ص۱۲۸ میں قاضی عبدالملک بن رعیتی یمنی اور ص۱۴۲ میں عبدالوہاب بن سعید الحوالی اور ص۱۵۰ میں علوی بن عبداللہ العیدروس کو ذکر کیا ہے اور بارہویں صدی میں شوکانی نے "البدر الطالع" ص۱۳۳ ج ۲ میں سید محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی اور ص۳۶۹ ج ۲ میں عبدالقادر بن علی البدری الشلائی اور ص۱۱ ج ا میں ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین الکورانی الشہرزوری اور ص۲۲۴ ج ا میں حسین بن یحیٰی سلفی صنعانی اور ص۲۹۸ ج ا میں صالح بن مہدی بن علی المقبلی کو اور "ملحق البدر" ص۲۱ میں احمد بن اسحاق بن ابراہیم یمنی اور ص۸۲ میں حسین بن عبدالقادر صنعانی اور ص۱۶۵ میں علی بن صلاح الدین الکوکبانی کو اور نواب نے "التاج المکلل" ص۵۰۳ میں عبدالقادر بن خلیل کوک اور ص۳۹۳ میں سید عبداللہ بن لطف اللہ کیسی صنعانی اور ص۳۹۲ میں ابراہیم حنیف آفندی کو ذکر کیا ہے اور شاہ ولی اللہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ کو علامہ عبیداللہ سندھی نے تفسیر "الہام الرحمٰن" میں مجتہد مطلق کہا ہے کما مر۔ اور تیرہویں صدی میں لطف اللہ بن احمد حجاف محمد بن احمد السودی الصنعانی ابراہیم بن عبدالقادر الکوکبانی احمد بن علی بن محسن الصنعانی حسن بن یحیٰی الحمزی الکیسی علی بن ہادی عرھب محمد بن حسن الحرتی الصنعانی قاسم بن محمد بن

اسماعیل الامیر محمد بن حسن المحتسب محمد بن حسن الظفری محمد عابد سندھی (البدر الطالع علی الترتیب صفحہ ۶۰ ج ۲ صفحہ ۱۰۳ ج ۲ صفحہ ۱۶۷ ج ا صفحہ ۹۲ ج ا صفحہ ۲۱۱ ج ا صفحہ ۲۹۹ ج ا صفحہ ۱۶۱ ج ۲، صفحہ ۵۲ ج ۲ صفحہ ۱۶۰ ج ۲ صفحہ ۱۵۴ ج ۲ صفحہ ۲۲۶ ج ۲) اور عبد الرحمٰن بن سلیمان الاصدل ابراہیم بن احمد الزمزمی احمد بن ادریس الحسنی المغربی (التاج المکلل صفحہ ۴۸۲ صفحہ ۴۴۳ صفحہ ۴۳۲) خود امام شوکانی رحہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ جن کا غیر مقلد ہونا آپ بھی اپنے رسالہ میں مانتے ہیں۔ نیز اس صدی کے لیے کتاب "نیل الوطری" دیکھیں تو بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو کسی کے مقلد نہیں تھے اور چودھویں صدی میں تو لاتعداد ہم نے اور آپ نے دیکھے ہیں۔ نواب صاحب "التاج صفحہ ۵۱۰" میں راشد بن علی النعاکی کو ذکر کیا ہے اخود نواب صاحب ان کا والد بھائی صاحب زادہ اسی صدی کے ہیں اور "التاج المکلل" میں سب کا ترجمہ مذکور ہے۔ ایضاً سید نذیر حسین دہلوی اسی صدی کے ہیں اور علامہ محمد حسین بٹالوی کو آپ بھی غیر مقلد مانتے ہیں۔ وہ بھی اسی صدی کے ہیں۔ اب بھی دنیا میں کروڑوں لاتعداد اہل حدیث غیر مقلدین موجود ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ دعویٰ بالکل غلط و فاسد ہے۔

قولہ صفحہ ۹۹ سطر ۱۳ "اور امام بخاری اور داؤد ظاہری اور ابن جریر وغیرہم اگرچہ یہ حضرات درجہ اجتہاد رکھتے ہوں) مگر دنیا میں ان کا مذہب نہیں چلا اور نہ ان کے بعد امت میں ان کی تقلید کا سلسلہ قائم ہوا۔"

اقول: ۔ ان کا مذہب صرف حدیث ہے اور کتب حدیث کے مدون ہونے سے ان کا مذہب مدون ہو گیا اور اہل حدیث بحمد اللہ حدیث کے متبع ہیں باقی ائمہ حدیث نے نہ نیا مذہب بنایا نہ اپنی تقلید کا حکم دیا۔

قولہ صفحہ ۹۹ سطر ۱۵ "اور نہ ان حضرات نے اپنے بعد کوئی ایسا اجتہادی کارنامہ چھوڑا جسے امت کے علماء و صلحاء اپنا دستور العمل قرار دے سکیں۔"

اقول :۔ ان کا اجتہادی کارنامہ کتب حدیث ہیں جن کے ابواب و تراجم ان کے اجتہاد و استنباط کا پتا دیتے ہیں۔ جو ان کو دستور العمل نہ بناتے وہ علماء و صلحاء میں سے کب ہے۔

قولہ ص ۱۷ سطر ۹۹ : صحیح بخاری جس کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر امت کا اجماع ہے اور جس کی صدہا شرح لکھی گئی ہیں مگر باوجود اس جلالت شان کے دنیا میں صحیح بخاری کا کوئی شارح امام بخاری کا مقلد نہیں ہے۔

اقول :۔ صحیح بخاری مقلد بنانے کے لیے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ علماء کے لیے اجتہاد و استنباط کا طریقہ آسان کرنے کے لیے لکھی گئی ہے البتہ اس کی موافقت کئی شارحین نے کی ہے۔ نہ کہ تقلیداً بلکہ اس کے اجتہاد و استنباط کو صحیح سمجھ کر چنانچہ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ

"ما تحت ھذہ ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل البخاری" (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۴۳)

اس آسمان کے نیچے امام بخاری سے زیادہ علم حدیث جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

علامہ علی قاری نقل کرتے ہیں کہ امام غزالی جب فوت ہوئے تو ان کے سینہ پر صحیح بخاری رکھی ہوئی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اخیر میں سب خیالات کو چھوڑ کر بخاری شریف کی طرف رجوع کیا (التاج المکلل ص ۳۸۹)

قولہ ص ۱۹ سطر ۹۹ : "صحیح بخاری کا شارح کوئی حنفی ہے" الخ

اقول :۔ یہ کل دعویٰ صحیح نہیں۔ ثانیاً کئی جگہ پر شراح نے امام بخاری کے مسائل کو ترجیح دی ہے اور ابواب و احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور جا بجا جہاں امام بخاری پر

اعتراض وارد کیے گئے ہیں وہاں ان کی طرف سے کافی مدافعت کی ہے یہ بات کسی عالم سے مخفی نہیں ہے۔

قولہ صفحہ ۱ سطر ۱ " اور جس جگہ بھی امام بخاری نے ائمہ اربعہ سے کسی امام کے خلاف کوئی مسلک اختیار فرمایا تو ہر شارح نے اپنے اپنے متبوع کی طرف سے امام بخاریؒ کے استدلال کا کافی اور شافی جواب دیا ہے۔" الخ

اقول :۔ اکثر شراح نے اس کے برعکس کیا ہے۔ فتح الباری کو لیجئے جس کے مصنف حافظ ابن حجر کو مقلدین اپنے نمبر بڑھانے کی خاطر شافعی المذہب کہتے ہیں خود اس نے اپنی شرح میں کئی مسائل میں امام شافعی رح کو رد کیا ہے۔ ہاں یہ کلام علامہ عینی حنفی نے کیا ہے۔ جواب بنے نہ بنے لیکن اپنی شرح " عمدۃ القاری " میں حنفیت کی پوری حمایت کی ہے حتیٰ کہ مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی بھی اس کے متعلق مجبوراً کہہ گئے کہ

ولو لم یکن فیہ رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجود واجود

(الفوائد البھیۃ صفحہ ۲۰۸)

اگر علامہ عینی میں مذہبی تعصب کی بو نہ ہوتی تو بہت ہی اچھا ہوتا۔

قولہ صفحہ سطر ۵ " اور دلائل و براہین سے اپنے امام کے قول کو ترجیح دی۔"

اقول :۔ دلائل کی چھان بین کرنا اور ان سے ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا۔ تو پھر یہ مقلد نہ ہوئے اور آپ کا دعویٰ خود آپ ہی کے کلام سے باطل ہوا۔

قولہ صفحہ ۱ سطر ۷ " نیز صحیح بخاری میں احکام شریعت کا اس قدر ذخیرہ موجود نہیں کہ ان کی تقلید کرنے والا فقہ حنفی اور فقہ مالکیؒ اور شافعیؒ سے بے نیاز ہو سکے۔"

اقول :۔ اہل حدیث بخاری کے مقلد نہیں بلکہ وہ حدیث کے متبع ہیں جو اتباع دلیل ہے

نہ کہ تقلید۔ سو صرف بخاری نہیں محدثوں کی بے شمار کتابیں ہیں۔ ان کو جو مسئلہ دریافت طلب ہوگا وہاں مل سکتا ہے اور وہ بلا شک ان فقہوں سے بے نیاز ہیں۔ ہاں جو بات ان فقہی کتابوں میں مدلل ہے اور دیکھنے والا اس دلیل کو صحیح اور اس سے استدلال کو درست سمجھتا ہے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مدلل قول کا اخذ تقلید نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۱ "جو لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید سے گھبراتے ہیں تو کیا امام بخاری کی تقلید کر کے صحیح بخاری کو اپنا دستور العمل قرار دینا چاہیں تو یہ بتلائیں کہ جب ایسے واقعات پیش آئیں اور آتے ہیں جس کی بابت صحیح بخاری میں کوئی حکم نہیں الخ۔

اقول:۔ وہ تقلید سے نہیں بلکہ جہالت سے گھبراتے ہیں، کیونکہ باتفاق اہل علم تقلید علم نہیں ہے۔ کما مضیٰ۔ نیز وہ بخاری کے مقلد نہیں بلکہ وہ حدیثوں سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ البتہ بخاری کی حدیثیں مقدس ہیں جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ اور یہ غلط ہے کہ وہ فقہ کو مانتے ہیں بلکہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دلیل مانتے ہیں۔ اگر کسی فقیہ کی کتاب میں کوئی مسئلہ مدلل مل گیا تو وہ اتباع روایت ہے نہ رائے۔

قولہ صفحہ ۱۱ "نیز صحیح بخاری میں بہت سے مسائل اور احکام وہ ہیں جن کو آج کل کے غیر مقلد حضرات نہیں مانتے۔"

اقول:۔ امام بخاری یا اور کسی امام کی اپنی رائے سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ غیر مقلد ہیں لیکن حدیث نبوی سے اختلاف وہ ہرگز نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ اہل حدیث ہیں۔ ہاں! مقلدین کے لیے عمل بالحدیث مشکل ہے "کانما یصعد فی السماء" کیونکہ منصب کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ باقی جو دو مسئلے آپ نے لکھے ہیں۔ ان پر کلام ابھی ہوگا۔

قولہ صفحہ ۱۳ "جیسے تین طلاقوں سے حرمت مغلظہ کا حاصل ہونا۔

اقول:- بخاری میں کوئی ایسی حدیث نہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی شمار ہوئی ہیں۔ اگر ایسے صریح الفاظ دکھائیں تو منہ مانگا انعام لیں۔ ایضاً صحیح مسلم شریف والی روایت جس میں صریح وصاف الفاظ ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ پس اہل حدیث سب حدیثوں پر عمل کرتے ہیں نہ یہ کہ جو اپنے مذہب کے موافق نظر آئی لے لیا اور جو خلاف نظر آئی اس کو چھوڑ دیا۔ استغفراللہ۔

قولہ[ص ۱۳] "اور چار عورتوں سے زیادہ نکاح کا حرام ہونا غیر مقلدین کے نزدیک چار عورتوں سے بھی زیادہ نکاح درست۔"

اقول:- یہ کھلا بہتان اور افتراء ہے۔ کوئی اہل حدیث چار سے زیادہ اکٹھی عورتوں کو جائز نہیں جانتا۔ سب مسلمان اس پر متفق ہیں۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری "باب لا یتزوج اکثر من اربع" کے تحت لکھتا ہے کہ

"ھذا الاختلاف فیہ بالاجماع" (عمدۃ القاری ص۹ ج ۳ منیریہ)

اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اجماع ہے۔

وھکذا فی فتح الباری ص۱۰۹ ج ۹ وتفسیر ابن کثیر ص۴۵۱ ج ۱۔ اور امام ابن حزم ظاہری "المحلی" ص۴۴۱ ج ۹ میں لکھتے ہیں کہ

"وایضاً فلم یختلف فی انہ لا یحل لاحد زواج اکثر من اربع نسوۃ احد من اھل الاسلام وخالف فی ذالک قوم من الروافض۔"

چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کسی کے لیے حلال نہیں اس میں کوئی ایک مسلمان بھی خلاف نہیں البتہ رافضیوں کی ایک قوم اس کی خلاف ہے۔

ناظرین :! امام ابن حزم کا یہ قول ان لوگوں کی تکذیب اور تردید کرتا ہے جو کہ بعض ظاہریہ کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں ۔ امام شوکانی ؒ السیل الجرار ؒ میں لکھتے ہیں کہ

"والنقل عن الظاهرية لم يصح فانه قد انكر ذالك منهم من هو اعرف بمذهبهم اهـ"

ظاہریہ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں کیوں کہ ان کے مذہب کا جو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اس نے بھی انکار کیا ہے ۔

وهكذا فی تفسیر محاسن التاویل ص۱۱۱۶ ج ۵ والروضة الندية للنواب ص۲۵ ج ۲ ۔ پس اہل حدیث نے اس کو جائز نہیں کہا ہے کسی ایک کا تو نام لیں ورنہ سنیں!

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ " والذين يرمون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبينا " (الاحزاب ع ۷ پ ۲۲) البتہ ابراہیم نخعی جو کہ حنیفہ کا سرخیل سمجھا جاتا ہے ۔ ان سے نو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز منقول ہے کما فی فتح القدیر شرح الهدایہ ص۳۷۹ ج ۲)

قولہ ص۱۵ سطر ۱ " اور تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں جو صریح کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہ کے خلاف ہے "

اقول : خود آپ کا حنفی محمد بن مقاتل جس کا ترجمہ الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ للقرشی ص۱۳۲ ج ۲ اور " الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ لکھنوی " ص۲۰۱ میں مذکور ہے ۔ وہ بھی اسی کا قائل ہے ۔ دیکھو اغاثۃ اللہفان لابن القیم ص۳۲۲ ج ا اب اس کو لا مذہب کہیں گے ؟ اور اجماع اربعہ کا دعویٰ بھی غلط ہے ۔ کیونکہ ابن القیم نے اغاثہ " میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ بھی ایک روایت میں اس کا قائل ہے ، اور مالکی مذہب کے کئی علماء اس پر فتویٰ دیتے تھے ۔ اسی طرح بعض حنبلیہ بھی دیتے تھے ۔ نیز صحابہ

میں ابن مسعود زبیر عبدالرحمٰن بن عوف اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصریؒ سعید بن جبیر طاؤس ابو الشعثاء عطاء اور عمرو بن دینار سے روایتیں ذکر کی ہیں۔ خود امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ) نیز "اغاثہ" میں یہی مذہب خلاس بن عمر امام المغازی محمد بن اسحاق امام اسحاق ابن راہویہ اور ائمہ ابن وضاح ابن زنباع قرطبی محمد بن بقی بن مخلد محمد بن عبد السلام الخشنی اصبغ بن الحباب اور داؤد سے نقل کیا ہے۔ یہی فتویٰ مفسر قرآن حافظ ابن کثیرؒ کا ہے کما فی شذرات الذہب ص۲۳۲ ج ۶)

مزید تفصیل کے لیے اغاثۃ اللہفان اعلام الموقعین لابن القیم اور نیل الاوطار للشوکانی اور سبل السلام للامیر الیمانی کی طرف رجوع کریں۔

قولہ ص۱۱ س۱۶ "غیر مقلدین کا کوئی مذہب اور مسلک متعین نہیں ہے۔"

اقول :۔ ان کا مذہب صرف اتباع دلیل قرآن و حدیث ہے۔ کیا اسی کو آپ لامذہبیت کا نام دیتے ہیں۔ حدیث و قرآن کو چھوڑ کر اپنی رائے و قیاس پر عمل کرنا کیا عین مذہب ہے۔

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قولہ ص۱۱ س۱۷ "ایک ہی مسئلہ میں ایک ہی عالم کے مختلف فتوے ہیں"

اقول :۔ یہی حال صحابہ تابعین اور جمیع سلف کا ہے ہر ایک اپنی تحقیق کے لحاظ سے خیالات بدلتا رہتا ہے۔ کیا اس کو آپ عیب سمجھتے ہیں؟ تو بتائیے کہ چاروں اماموں سے ایک ایک مسئلہ میں مختلف اقوال فقہی کتابوں میں منقول ہیں۔ ان کے لیے کیا خیال ہے؟

قولہ ص۱۱ س۱۸ "ہر غیر مقلد اپنی رائے کا پابند ہے۔" الخ

اقول :۔ یہ حال مقلدین کا ہے جب کہ خود معترف ہیں کہ ہم مقلدین اجتہاد و تحقیق کی

طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ پھر بھی جس امام کو چاہیں اس کی تقلید کر لیتے ہیں جب وہ مقلد ہیں اور تحقیق سے عاری ہیں۔ تو پھر ان کو کیا خبر کہ فلاں امام بہ نسبت فلاں امام کے اتباع کا زیادہ مستحق ہے۔ لہذا اپنی رائے سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن اہل حدیث پر یہ سراسر بہتان ہے۔ وہ تو صرف قرآن وحدیث سے مسائل لیتے ہیں پھر وہ کسی بھی امام کا قول ہو جیسے

رضینا قسمۃ الجبار فینا

وہ نہ بخاری کے مقلد ہیں نہ ترمذی کے نہ کسی اور کے وہ تو متبع قرآن وحدیث ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۱۰ "کیا مذاہب اربعہ بدعت ہیں"

اقول :۔ جبکہ مسلم ہے کہ ان کا وجود نہ عہد نبوی میں تھا نہ صحابہؓ کے زمانہ میں بلکہ کئی صدیوں تک ان کا وجود نہ تھا تو پھر ان کے بدعت ہونے میں کیا شبہ رہا۔ لیکن مصنف رسالہ نے جو کچھ اس عنوان کے تحت لکھا ہے اس پر ہم مفصل بحث کرتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۱۰ "حضرات شیعہ کی طرح (الی قولہ) حضرات اہل علم منہاج السنہ کی مراجعت فرمائیں۔

اقول :۔ منہاج السنۃ کے خلاصہ المنتقی للذہبی صفحہ ۱۵۱ میں عبارت اس طرح ہے کہ

اما المذاهب فان ارادوا انهم اتفقوا على احد انها مع مخالفة الصحابة فهذا كذب عليهم فان الاربعة لم يكونوا فی وقت واحد ولا كان فيهم من يقلد الآخر ولا من امر الناس باتباعهم بل كل منهم يدعو الى متابعة الكتاب والسنة ويرد على صاحبه وان قلت ان الناس قد

اتبعوا الاربعة فهذا امر اتفاقی ... والاربعة لم یخترعوا علما لم یکن بل جمعوا العلم فاضیف ذالك الی الواحد منهم کما تضاف کتب الحدیث الی من جمعها کالبخاری ومسلم وابی داود وکما تضاف القرأت الی من اختارها کنافع وعاصم ثم لم یقل اهل السنة ان اجماع الاربعة حجة معصومة ولا ان الحق منحصر فی قولهم وان ما خرج عنهم باطل والمجتهدون یتنازعون ویختلفون فی فهم کلام الرسول۔

مذاہب اگر شیعہ کی یہ مراد ہے کہ وہ صحابہ کی مخالفت کے ساتھ انھوں نے ان کا احداث کیا ہے تو یہ جھوٹ ہے کیوں کہ چاروں امام ایک زمانہ میں نہ تھے اور نہ ایک دوسرے کا مقلد تھا اور نہ کسی نے لوگوں کو اپنے اتباع کا امر کیا بلکہ سب قرآن وحدیث کی متابعت کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اور اسی کے ماتحت ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے (پھر انھوں نے کیسے مذاہب کا احداث کیا) اور اگر تو کہے گا کہ لوگ ان چاروں کے متبع ہو گئے تو یہ اتفاقی امر ہے (نہ کہ انھوں نے کہا ہے) اور چاروں نے ایسے علم کا اختراع نہیں کیا جو تھا ہی نہیں۔ بلکہ انھوں نے علم کو جمع کیا اگر کسی کی طرف اس کا جمع کیا ہوا علم منسوب ہوا تو ایسا ہی تھا جیسے کتب حدیث ائمہ کی طرف منسوب ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، جیسے قراءتیں نافع اور عاصم کی طرف منسوب ہیں اور اہل السنۃ یہ نہیں کہتے کہ چار اماموں کا

اجماع حجت معصومہ ہے۔ یاانہی کے قول میں حق منحصر ہے اور جو ان
سے باہر ہے وہ باطل ہے۔ بلکہ مجتہدین کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کے سمجھنے میں مختلف رہے۔

ناظرین! ثابت ہوا کہ شیخ الاسلام خود ان مذاہب کے محدث ہونے کا قائل ہے
اور ان کو حجت یا ان میں حق کو دائر یا بند نہیں کہتے۔ بلکہ دراصل شیعوں کے اس بہتان کی تردید
کی ہے کہ ان مذاہب کو ائمہ اربعہ یا اہل السنتہ نے نکالا ہے اور ثابت کیا کہ ان چاروں کا اتباع اتفاقی
امر ہے نہ کہ یہ اہل السنتہ کا عقیدہ ہے۔ فتدبر۔ اور شیخ الاسلام کے اس قول سے آپ کا یہ کہنا
کہ "اہل السنتہ والجماعۃ ان چار مذاہب میں محدود ہو گئی" بھی غلط ہو گیا۔ نیز آپ کے قاضی ثناء اللہ پانی پتی
اور شیخ ابن الہمام کے حوالہ سے لکھنا کہ "اس امر پر اجماع ہو گیا ہے کہ جو مذاہب اربعہ کے
خلاف ہوگا۔ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا" بھی باطل ہو گیا کیونکہ شیخ الاسلام نے تصریح
کردی کہ یہ اہل السنتہ کا مذہب ہی نہیں۔

قولہ ص ۱۱۰ "عہد صحابہ میں اگرچہ یہ مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نہ تھے
تابعین اور تبع تابعین میں ان کا ظہور رہا" الخ

اقول: یہی ان کے بدعت ہونے کا بین ثبوت ہے۔ ایضاً تابعین یا تبع تابعین
کے زمانہ میں بھی ان کا ظہور قطعاً نہیں ہوا۔ بلکہ بقول شاہ ولی اللہ مسلسل چار سو سال تک کسی
مذہب کی پابندی نہ تھی عجب تو یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ مالک شافعی اور احمد تو قطعاً تابعین سے
متاخر ہیں خود امام ابو حنیفہ کو بھی صحابہ رضی سے روایت حاصل نہیں کما مر۔ پس ان کے مذاہب
تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں کیسے ظہور پذیر ہوئے۔ ایسے سفید جھوٹ سے علماء کو پرہیز
کرنا چاہیے۔ ایضاً ان مذاہب کو قراءتوں پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیوں کہ یہ تو روایت ہے

جو سلسلہ وار اسانید کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ امام ابن حزم نے اس فن کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور عنوان یہ رکھا ہے کہ

"القرآت المشہودۃ الاتیۃ مجئی التواتر"

پھر اصحاب قراءت عبداللہ بن کثیر الداری نافع بن ابی نعیم عاصم بن ابی النجود حمزہ بن حبیب الاعمش الکسائی ابو عمرو یعقوب بن اسحاق الحضرمی اور عبداللہ بن عامر کی قراءتوں کی سندیں نقل کی ہیں۔ جو صحابہ تک پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہیں اور برعکس اسکی تقلید یا حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی کی ایسی کوئی سند نہیں ملتی فاین ھذا من ھذا۔ نیز اس کا قیاس احادیث پر بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ کتب احادیث میں بھی سند موجود ہے۔ ایک ایک حدیث صحابہ تک پہنچتی ہے اور وہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ نیز خود صحابہؓ کے زمانہ میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ سناتے سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین پھر تبع تابعین کے زمانہ میں وَھلُمّ جراً اور تقلید اور ان مذاہب کے لیے ایسا ثبوت نہیں ہے فافترقا۔ فلا قیاس عند القائلین بہ ایضا۔ آپ نے مناسبت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پس جس طرح بخاری اور مسلم کی طرف حدیث کی نسبت باعتبار تخریج
"اور اسناد ہے اور عاصم اور حمزہ کی طرف کسی قراءت کی نسبت باعتبار"
" روایت ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی کی نسبت اختیار کرنا"
"باعتبار استنباط اور اجتہاد ہے" (ملنا ۱۷ دالی، ص۱۰۲ س۲)۔

روایت اور اسناد تو ثبوت کی دلیل ہے جس کی سند نہیں وہ بے ثبوت ہے اور بے ثبوت چیز کو ثابت چیز پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اور "باعتبار استنباط اور

اجتہاد" کی تشریح مصنف یوں کرتا ہے۔

"یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان فرمائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے"

"یہ معنی بیان کیے اصل مقصود حق تعالےٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت ہے"

"اور ائمۂ مجتہدین کی اتباع کے یہ معنی ہیں کہ ان حضرات کی تشریح و تفسیر کے مطابق کتاب و سُنت پر عمل کرنے کے ہیں" ص ۱۰۲ س ۲

لیکن کیا خبر کہ کس کی فہم صحیح ہے؟ جس کو حسن ظن کی بنا دیر بلا تحقیق چاہے لے لے۔ یہ تقلید ہے یہ سلف کا معمول نہ تھا۔ بعد کی پیداوار اور محدث چیز ہے نہ صحابہ رض کا اس پر عمل تھا نہ تابعین کا اور اگر یہ مراد ہے کہ جس کی فہم صحیح ہوگی اور جس کی دلیل قوی اور استدلال درست ہے اس کو لیں گے تو یہ اجتہاد ہوگا۔ کیونکہ دلیل کی قوت معلوم کرنا اور دال و مدلول میں توافق کا جاننا اجتہاد ہے نہ کہ تقلید۔ فاختر ایھما شئت۔ اور اس سے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "اور ظاہر ہے کہ کسی راسخ فی العلم کی تفسیر اور تفہیم کے مطابق احکام شریعت کا اتباع کرنا عین ہدایت ہے اور عین رشد و سعادت ہے" اس لیے کہ راسخ فی العلم کا پتا بھی مجتہد کو لگے گا نہ کہ مقلد کو اور مدلل قول کا اتباع بھی تقلید نہیں۔ بلکہ اتباع ہے۔ جو محمود ہے۔ اور تقلید مذموم ہے۔

قولہ ص ۱۰۳ س ۴ "پھر کیا وجہ کہ بخاری اور مسلم کی طرف نسبت تو جائز ہے اور ابو حنیفہ رح اور شافعی رح کی طرف شرک ہے"

اقول۔ "سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں اتباع الروایت ہے اور اس میں اتباع الرائے ہے۔

قولہ ص ۱۰۹ "پس جس طرح بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کی احادیث لسان نبوت کے موتی ہیں اسی طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی دریاے دین محمدی کی نہریں ہیں دونوں نہروں کا پانی ایک ہی دریا سے آرہا ہے"

اقول: لیکن مقصود موتی ہیں۔ اور جس نہر میں موتی نہیں آئے وہ کس کام کی۔ اس لیے ان غواصوں کا کام ہے کہ دیکھیں کہ کس نہر میں دریائے محمدی کے موتی ہیں۔ گویا یہ بھی مقلد کا کام نہیں بلکہ غیر مقلدین مجتہدین کا کام ہے کہ وہ تحقیق کرکے دیکھیں کہ کس فقہ کا کونسا مسئلہ حدیث شریف سے موافق ہے۔ تقلید کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے۔ ثانیاً دریا سے کئی نہریں نکلتی ہیں لیکن آگے چل کر وہ مکدر بھی ہو سکتی ہیں۔ اور بسا اوقات پانی قابل استعمال بھی نہیں رہتا۔ کیا ان نہروں کی بابت آپ ایسی ضمانت دے سکتے ہیں؟ کیا مقلد ایسی ضمانت دے سکتا ہے؟ جو کہ تحقیق سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ثالثاً قدرت نے دو پانی بنائے "عذب فرات" (میٹھا لذیذ) اور "ملح اجاج" (نمکین اور کھارا) حالانکہ دونوں کا اصل ایک ہے باوجود اس کے طبائع مختلف ہیں اس لیے ہر ایک تحقیق کرکے استعمال کرے گا۔

قولہ ص ۱۱۰ "لہذا یہ اعتراض کرنا کہ مقلدین اپنے آپ کو حنفی اور شافعی کیوں کہتے ہیں" الخ

اقول: یہ قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ آدمی و صدیقی نام نسبی ہیں اور دہلوی ہندوستانی وطنی ہیں۔ ان میں بحث نہیں۔ مذہبی ناموں میں بحث ہے۔ سو دراصل امام مذہب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور محمدی نام درست ہے۔ اگر کسی دوسرے کی طرف مذہبی نسبت درست ہوتی تو صحابہؓ کے زمانہ میں صدیقی فاروقی عثمانی اور علوی نام ہوتے اور تابعین کے زمانہ میں ان کے علاوہ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ وغیرہم کے نام ہوتے۔ بلکہ صحابہؓ ایسی نسبتوں کو بھی ناپسند جانتے تھے۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے صاف کہا کہ

"ما انا بعلوی ولا عثمانی ولکنی علی ملۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (الاحکام لابن حزم ص۱۱۷ ج۶)

"میں نہ علوی ہوں نہ عثمانی ہیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہؓ محمدی تھے دوسروں کی طرف نسبتوں کو برا سمجھتے تھے۔ بلکہ ملت کا لفظ بتاتا ہے کہ جس کی ملت ہو اسی کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ ائمہ ابوحنیفہ، شافعیؒ اور مالک وغیرہ کی الگ ملتیں نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف نسبت بھی صحیح نہ ہوئی۔ ہاں اگر چار ملتیں قرار دیں تو اور بات ہے۔ "وانھا لاحدی الکبر"

قولہ ص۱۶۱ "اور مسائل اجتہادیہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ صحت اور علت میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے"

اقول:۔ اور دونوں کا حکم ایک ہے جس کی بات مدلل ہو اور استدلال صحیح تو لی جائے اور یہ تحقیق ہے تقلید نہیں۔

قولہ ص۱۶۱ "اور جس طرح موصول اور مرسل اور مرفوع اور موقوف اور صحیح اور حسن وغیرہ وغیرہ یہ اصطلاحات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں لیکن ائمہ حدیث نے حسب ضرورت زمانہ کلمات نبوی اور احادیث کے الفاظ کی حفاظت کے لئے یہ اصطلاحیں وضع کیں" الخ

اقول: اصطلاحوں کے اسماء میں اختلاف نہیں۔ اور مجمع علیہ چیز مدلل ہے جس کا اخذ تقلید نہیں لیکن جہاں کسی چیز کو ایک نام دینے یعنی صحیح یا ضعیف کہہ دینے میں اختلاف ہے۔ وہاں یہ حکم ہے: "فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" یعنی تحقیق کی جائے اور تقلید کا نشان ہی اسلام میں نہیں ہے۔

قولہ ص ۳۰۵ "پس جس طرح قواعد محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" الخ

اقول :۔ پابندی اس حد تک واجب ہے۔ جب متفق ہوں۔ جہاں اختلاف ہوگا سب کا ترک لازم آئے گا۔ اور تحقیق کر کے مدلل کر لیا جائے گا۔

قولہ ص ۳۰۱ "اور ہر کس و ناکس کو اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھ کر جو چاہے معنی سمجھے اس پر عمل کرے" الخ

اقول :۔ ہر ایک اپنی وسعت تک مکلف ہے "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" جتنا قرآن و حدیث کو سمجھے اس پر عمل کرے اور جو نہیں سمجھتا تو اس کو اتنا ہی کافی ہے کہ "کل من عند ربنا" (آل عمران ع پ ۳) کونسا عالم یا امام ہے جو سب احکام جانتا ہو۔ "وفوق کل ذی علم علیم" بلکہ ہر ایک حسب استعداد حکم کرے گا اور عمل کرے گا کیا ان چار اماموں سے استنباط اور اجتہاد میں غلطیاں نہیں ہوئیں۔ کیا وہ معصوم تھے؟ اگر نہیں تو پھر ان کو کیوں آیات اور احادیث پر عمل کی اجازت دی جاتی ہے بلکہ ہر ایک کو یہی حکم ہے کہ حسب و فہم و ذکاء استنباط کرے۔ البتہ اس کو خلوص نیت کی ترغیب دی جائے لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ مقلد کی نیت خالص نہیں ہوتی۔ کیونکہ کتنی بھی حدیث اس کے امام کے خلاف اور صراحۃً معارض ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس کو ماننے یا اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ ہاں غیر مقلد فی الفور اس کو قبول کر لیتا ہے۔

قولہ ص ۳۰۱ "اگر اصول فقہاء کی پابندی ضروری نہیں تو اصول حدیث کی بھی پابندی ضروری نہیں ہوگی"

اقول :۔ متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ ایضاً اصول حدیث اس لیے ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور غیر صحیح سے بچا جائے۔ لیکن اصول فقہ سیکھنے کا مطلب بتائیں۔ اگر اس کا

مقصد یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام لینے کا طریقہ معلوم ہو تو پھر یہ تو اجتہاد کی تعلیم ہے۔ آپ خواہ مخواہ تقلید پر کیوں زور دیتے ہیں، آپ کو چاہیے کہ اصول فقہ سے لوگوں کو منع کر دیں۔ اگر ان کو اس کی ترغیب دیتے اور پڑھاتے ہیں تو ان کو اجتہاد کی اجازت دیں۔ کیوں تقلید کا حکم دیتے ہیں جو اصول مجتہدین کے کام کا ہے اور ان کے قابل استعمال نہیں اس کی ان کو کیا ضرورت؟

قولہ صفحہ ۱۰۳ سطر ۱۴:۔ اور جس طرح ائمہ حدیث کی مساعی جمیلہ پر اطمینان کر کے (الی قولہ) اسی طرح ائمۂ مجتہدین کے تفقہ اور استنباط اور خدا داد نور فہم اور فراست پر اعتماد کر کے الخ۔

اقول:۔ مجرد اعتماد بلا دلیل نہیں۔ بلکہ ہر اصل دیکھا جاتا ہے جو صحیح ہو اس کو لیا جاتا ہے۔ کیا اصولیوں میں اختلاف نہیں؟ ضرور ہے اور اختلاف کے وقت تحقیق کا حکم ہے اور بلا تحقیق کوئی چیز قابل اعتماد نہیں۔ یہی مسلک اہل حدیث ہے۔ اور حدیث کی صحت معلوم کرنا لازمی ہے جس سے مسائل لیے جاتے ہیں لیکن مسائل ماخوذہ محتاج تحقیق ہیں کہ آیا مدلل ہیں یا نہیں۔

قولہ صفحہ ۱۰۴ سطر ۱:۔ ان دونوں تقلیدوں میں اگر فرق ہے تو بتلایا جائے کہ جس بناء پر محدثین کی تقلید تو فرض اور واجب ہو گئی۔ اور فقہاء کی تقلید شرک اور حرام ہو گئی"۔

اقول:۔ اولاً دونوں تقلیدیں نہیں۔ فقہاء کا استنباط بلا دیکھے دلیل مان لینا تو تقلید ہے۔ اور محدثین حدیثیں پیش کرتے ہیں جن کی تصحیح کر کے قبول کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ یہ اتباع روایت ہے رائے نہیں۔ ثانیاً یہی بناء ہے محدثین کی حدیثیں لینے اور فقہاء کی بات نہ لینے کی۔ فتدبر۔

قولہ صفحہ ۱۰۴ سطر ۴:۔ "حق تعالیٰ کی کروڑ کروڑ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں حضرات محدثین پر اور حضرات فقہاء پر کس نے ہم نابکاروں کو روایت پہنچائی اور کس نے درایت اور معانی واحکام روایت"۔

اقول :۔ لیکن یہ کس نے ہم پر ظلم کیا جو اپنی فہم و ذکاء اور فراست کو استعمال کرنے سے ہم کو محروم کر دیا۔ روایتوں کے پہنچنے کے بعد ہم پر حق ہے کہ تحقیق کر کے ان میں سے صحیح کر لیں۔ اور ضعیف کو ترک کر دیں۔ اسی طرح درایت پہنچنے کے بعد کوشش کریں جو حق ہو اس کو لیں۔ اور جو باطل ہو چھوڑ دیں۔ یہ سب اجتہاد و تفقہ ہے " الخ

قولہ صفحہ ۱۷۲ :۔ جس طرح ہم ائمہ قراءت اور ائمہ تفسیر دونوں ہی کے زر خرید غلام ہیں۔

اقول :۔ ہم غلام صرف خدا کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں اور قراءتیں تو متواتر ہیں سندیں مذکور ہیں۔ راویوں کا حال معلوم ہے پس یہ اتباع روایت ہے نہ رائے اور مفسرین کے اقوال جہاں متفق ہیں تو یہ اخذ بالاجماع ہے اور جہاں اختلاف ہے تحقیق ہی قاضی ہو گی اسی طرح محدثین و فقہاء سے سلوک ہو گا۔ جو روایت صحیح محدثین پیش کریں گے لی جائے گی۔ اور ضعیف ترک کی جائے گی اور فقہاء کا تفقہ جو دلیل سے موافق ہو گا لیا جائے گا اور مخالف مطروح ہو گا۔ غرض کوئی حق بات بغیر اجتہاد حاصل نہیں ہو سکتی اور تقلید حق کے حاصل کرنے کا طریقہ یا ذریعہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بلاشک محدثین نے احادیث جمع کیں۔ فقہاء نے استنباط کا طریقہ ظاہر کیا۔ لیکن بعد میں آنے والوں کو کس نے رد کا۔ اور استنباط سے محروم کیا اور خدا داد فہم و فراست کے استعمال سے منع کیا۔

قولہ صفحہ ۱۷۲ :۔ ائمہ اربعہ کی تقلید پر امت کا متفق ہونا خدا داد مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

اقول :۔ یہ سارا عنوان لایعنی ہے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ اس پر اجماع سرے سے نہیں۔ بلکہ ہر زمانہ میں مجتہدین و غیر مقلدین چلے آئے ہیں۔ نیز ہمیشہ علماء تقلید کی مذمت کرتے رہے بلکہ بقول شیخ الاسلام ان چاروں میں حق کو بند کہنا اہل السنۃ کا مذہب ہی

نہیں ۔ مزید تفصیل آتی ہے ۔

قولہ صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲ "امتِ محمدیہ کے علماء اور صلحاء مفسرین اور محدثین کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہونا (الی قولہ) اور روئے زمین کے تمام اہل سنت والجماعت انہی ائمہ اربعہ کے تقلید کے دائرہ میں منحصر ہو گئے ۔"

اقول :۔ سابقہ اوراق میں اس دعویٰ کا باطل ہونا ذکر ہو چکا ہے نہ تقلید پر متفق ہوئے نہ ان میں منحصر ہوئے ۔ بلکہ یہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا کیونکہ اس سے تو تفرق امت ہوا اور ایک سے چار ہو گئے اور یہ بھی غلط ثابت ہوا کہ دوسروں کا مذہب نہیں رہا ۔ حالانکہ بحمداللہ ہر زمانہ میں علماء کی تخریجات اور استنباطات ظاہر ہوتے گئے اب بھی ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے ۔ اور جو آپ نے تکوینی القاء کا ذکر کیا ہے ۔ یہ بھی کوئی شرعی دلیل نہیں ۔ اور ان کا اصول منضبط ہونا اس کی دلیل ہے کہ لوگ خود مجتہد بنیں ، نہ کہ کسی کی تقلید کریں ورنہ صرف مسائل اور فتوے منضبط ہوتے ۔ اور اصول کے لکھنے اور پڑھنے پڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ کیونکہ اصول کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے دلائل کی صحت و عدم صحت اور ان کی دلالت کا وزن معلوم ہو ۔ یہ سب کام مجتہدین کے ہیں ۔ پس ان اصولوں کا مدون ہونا اور بالخصوص مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجتہد بننے اور تحقیق کرنے کی ترغیب ارشاد ہے ۔

قولہ صفحہ ۱۸۲ "اور اہلِ علم نے یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ائمہ اربعہ کی تقلید سے خروج کرے وہ اہلِ بدعت ہے اہلِ سنت سے نہیں ۔"

اقول :۔ یہ خود ساختہ آپ کا فتویٰ ہے کسی اہلِ علم نے نہیں دیا ۔ اس کی تردید پہلے مفصل طور پر گذری ۔ یہ عقیدہ اہلِ سنت کے کسی فرد کا نہیں ، جیسا کہ "المنتقیٰ" کی عبارت سے

گذرا۔ لہٰذا برعکس آپ کا ذکر کردہ عقیدہ اہل بدعت کا ہوا۔

قولہ ص۱۰۵ س۱۶ "جس طرح تمام امت کا صحاح ستہ پر متفق ہو جانا کسی سعی اور جدوجہد کا نتیجہ بھی بلکہ خداداد مقبولیت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح تمام امت کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہو جانا خداداد مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

اقول :۔ یہ قیاس غلط بلکہ دھوکا ہے من وجوہ۔ اولاً صحاح ستہ پر متفق ہونا مسلمانوں کا مذہب ہے کیونکہ ان میں احادیث نبویہ ہیں۔ لیکن فقہاء جو کہ امت کے افراد اور غیر معصوم ہیں ساتھ ہی متفق بھی نہیں۔ کئی مسائل میں مختلف ہیں۔ ان کی تقلید اور بلا دلیل پیروی پر امت کا اتفاق تو کجا بلکہ بقول شیخ الاسلام اہل سنت کا مذہب ہی نہیں۔ ثانیاً صحاح ستہ کی کسی حدیث کو لینا اتباع روایت ہے۔ اور اقوال فقہاء کو لینا اتباع رائے ہے۔ پس کیسے یہ تمثیل درست ہو گی۔ ثالثاً۔ صحاح ستہ کو بلاشک امت کو مقبولیت حاصل ہوئی دیکھو چاروں مذہب والے بھی ان سے دلائل اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان فقہوں کو کب یہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ خود یہ آپس میں مختلف اور ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ رابعاً اللہ تعالیٰ کا صریح حکم بھی ان دونوں میں تفریق کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث نبوی کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں جا بجا موجود ہے۔ اور فقہاء کے اختلاف کے وقت سب کو چھوڑ کر قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

قولہ ص۱۰۵ س۱۹ "لہٰذا یہ سوال کرنا کہ تقلید انہی چار میں کیوں منحصر ہوئی الخ

اقول :۔ اس سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب انحصار کا دعویٰ غلط اور تقلید سلف کے مذہب کے خلاف ثابت ہوئی۔ خلافت راشدہ پر اس کا قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ اس کے متعلق احادیث صحیحہ ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے کا حدیثوں میں

کوئی نشان نہیں ملتا ہے۔ نیز خلفاء چار تک منحصر نہیں آگے بارہ راشدین ہیں۔ اور ملائکہ کی مثال بھی غلط ہے، وہ بھی چار تک محدود نہیں سب ملائکہ مقرب ہیں۔ ہاں بعض بعض سے اقرب ہیں یہ اور بات ہے۔

قولہ صفحہ ۵ "اجتہاد امر وہبی ہے اور تقلید امر کسبی۔"

اقول : ۔ اس عنوان کے تحت جو مضمون ہے اس کا تو مفصل جواب آئے گا لیکن یہاں یہ سوال ہے کہ علی تقدیر التسلیم اللہ نے کہاں فرمایا ہے کہ میں نے وہب الاجتہاد (اجتہاد بخشنے) کی نعمت کو صرف چار اماموں تک محدود رکھا ہے۔ ثانیاً آپ نے ان کے علاوہ اور ائمہ مثلاً بخاری ابن جریر اور داؤد وغیرہ کو بھی مجتہد مانا ہے پھر کہتے ہیں کہ ان کے مذاہب معدوم ہو گئے۔ اب اگر اجتہاد وہبی ہے تو کیسے معدوم ہو گیا۔ حاشا و کلا۔ اور اگر کسبی ہے تو آپ کا دعویٰ غلط ثالثاً ائمہ اربعہ سے پہلے صحابہؓ اور تابعین مجتہد تھے یا نہیں؟ علی الاول یہ وہبی چیز کیسے معدوم ہوئی۔ وعلی الثانی کیا معاذ اللہ وہ مقلد تھے!؟ اور ائمہ اربعہ ان سے بڑھ گئے؟ رابعاً ان چاروں کے درمیان ہر باب میں اختلاف ہے۔ اور وہبی چیز میں اختلاف نہیں ہو سکتا ہے۔ ففی القرآن "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" ثابت ہوا کہ اجتہاد کسبی ہے اس لیے اس میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ خامساً اجتہاد کے لیے علماء نے شرائط رکھے ہیں کیا وہبی چیز ایسی ہوتی ہے؟ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ صفحہ ۵ "اجتہاد کی ہر شرط اگرچہ من وجہ وہبی ہے مگر فہم و فراست اور ملکۂ استنباط کہ جس کے ذریعے سے کتاب و سنت کے حقائق و معارف اور حقائق و لطائف کا انکشاف ہوتا ہے وہ محض عطیہ ہے وہ کسی مجاہدہ اور ریاضت اور کسب اور محنت سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔"

اقول :- خود مصنف اجتہاد کی تعریف یوں کرتا ہے کہ

"اصطلاح شریعت میں اپنے فہم تا قب کے ذریعے احکام شرعیہ کو ادلہ"

"تفصیلیہ سے معلوم کرنے کے لیے اپنی طاقت فکریہ کو خرچ کر دینے کا"

نام اجتہاد ہے" صنہ ۶ سطر ۱۳۔

ظاہر ہے کہ طاقت فکریہ وہبی ہوتی ہے لیکن اس کو صرف کرنا کسبی ہے۔ اور اجتہاد صرف طاقت فکریہ کا نام نہیں۔ بلکہ اسکے استعمال کرنے کا نام ہے۔ اور قدرت نے یہ طاقت سب کو عطا کی ہے۔ ہاں بعض کو زیادہ بعض کو کم۔ نہ یہ کہ کسی کو محروم ہی کر دیا ہو۔ اور جو ایک مسئلہ میں اجتہاد کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ مقلد نہیں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ پھر مصنف عبارت بالا کی تشریح یوں کرتا ہے کہ :-

"جو شخص براہ راست اپنے خدا داد فہم کے ذریعے کتاب و سنت سے شریعت کے"

"اصول و فروع کا اور دین کے مقاصد کلیہ و جزئیہ کا استنباط"

"استخراج کر سکے۔ اور فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات اور"

"مفسدات اور مکروہات اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تعیین"

"اور تمیز کر سکے۔ وہ مجتہد ہے اجتہاد کی حقیقت یہ ہے" صنہ ۶ سطر ۱۵

ناظرین! انصاف کریں کہ علماء کی کتب سب انہی تحقیقات سے بھری ہوئی ہیں دلائل سے تحقیق کر کے کسی کو جائز یا ناجائز کسی کو حرام یا حلال کسی کو مفسد یا مکروہ کسی کو فرض یا واجب یا سنت یا مستحب قرار دے رہے ہیں۔ پس بقول مصنف کیا وہ مجتہد نہیں ہو سکے؟

قولہ صنہ ۶ سطر ۱۹ "البتہ تقلید امر کسبی ہے۔ اور فعل اختیاری ہے"

اقول :۔ جبکہ تقلید کی ماہیت ہی عدم العلم بالدلیل ہے تو پھر کیسے کیسی ہوگی۔

قولہ صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۱ "اجتہاد ختم ہوگیا اور تقلید قیامت تک باقی رہ گئی"۔

اقول :۔ یہ کہنا غلط ہے صحیح اس طرح ہے کہ نبوت ختم ہوگئی اور اتباع قیامت تک رہ گئی۔ نیز اس طرح آپ مجتہدوں کو نبیوں سے ملا رہے ہیں۔ نیز اوپر ثابت کر دیا گیا کہ ہر زمانہ میں مجتہد رہے ہیں۔ اور رہیں گے۔ ایضاً مؤلفین کی کتب اور ان کی فقاہت طریقہ استدلالی اور نئے نئے دلائل دیکھتے ہیں تو تقلید ناپید نظر آتی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۲ "گذشتہ اوراق میں یہ امر بخوبی واضح ہوچکا ہے کہ دین کا دارومدار دو چیزوں پر ہے ایک نقل صحیح اور ایک فہم صحیح۔ حضرات محدثین نے پہلی خدمت اور حضرات مجتہدین نے دوسری خدمت انجام دی"۔

اقول :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین عقل صحیح سے بے بہرہ تھے۔ استغفر اللہ۔ اور فقہا نقل صحیح سے بے نصیب تھے۔ غالباً ایسی تعریف سے خود فقہاء و محدثین بھی خوش نہ ہوں گے۔ ثانیاً نقل صحیح اور عقل صحیح کی پہچان کیا ہے یہ تو مجتہد کا کام ہے۔ آپ تو بقول اپنے مقلد ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ کون صاحب نقل صحیح تھا اور کون صاحب عقل صحیح! ایضاً اس کی تفصیل کے ساتھ تردید پہلے گذر چکی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۵ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً سو سال تک (الی قولہ) دوسری صدی کے شروع میں ان دونوں سلسلوں کا آغاز ہوا من جانب اللہ! ایک گروہ الفاظ شریعت کی حفاظت میں مشغول ہوا اور دوسرا گروہ شریعت کے اغراض اور مقاصد اصول اور کلیات کے استنباط کی طرف متوجہ ہوا"۔ صفحہ ۱۰۷ سطر ۲

اقول :۔ اولاً اس پر بھی مفصل بحث گذر چکی ہے۔ ثانیاً جو صحابہ کی بیان کردہ

حدیثوں پر عمل کرتے تھے۔ یہ خود بتاتا ہے کہ یہ تقسیم غلط ہے۔ جو حدیث سنتے یاد کرتے اور جمع کرتے ہیں وہ ان کو سمجھ بھی سکتے ہیں۔ ثالثاً کیا معاذ اللہ محدثین کو حدیث کی فقاہت نہیں۔ رابعاً کیا بلا حدیث فقہاء کیسے استنباط کرتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۵۰: "مدینہ منورہ میں امام مالکؒ موطا کی تالیف میں مشغول ہوئے اور جس طرح مؤطا امام مالکؒ کتب حدیث کے لیے سنگِ بنیاد بنا۔ اسی طرح فقہ ابوحنیفہ رحمہ تمام فقہاء کے لیے مشعل راہ بنا"

اقول:۔ لیکن موطا تو محفوظ رہی اور اب تک محفوظ ہے۔ مگر ابوحنیفہ رحمہ کی بنائی ہوئی فقہ کہاں ہے؟ متأخرین کی کتب کی مثال دینا غلط ہے کیونکہ سب کے بعد کتب لکھی گئیں پس ایک کا محفوظ رہنا اور دوسری کا نہ رہنا بتاتا ہے کہ لوگ جن کے ہاتھوں دین کی حفاظت مقدر تھی وہ کس کو ضروری اور کس کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ثانیاً خود مؤطا جس کو آپ کتب حدیث کے لیے سنگِ بنیاد تصور کرتے ہیں۔ دیکھو کہ اس میں کتنے فقہی مسائل مذکور ہیں جس کا مطلب کہ محدثین خود فقہاء تھے۔

قولہ صفحہ ۵۱: "اور چونکہ تکوینی طور پر ان دونوں سلسلوں سے شریعت حقہ کے الفاظ اور معنی کے روایت اور درایت حفاظت مقصود تھی (الی قولہ) تاکہ علوم عربیت لغت اور اشتقاق اور نحو وغیرہ مدون ہو جس کے بغیر کتاب و سنت کا سمجھنا ناممکن ہے۔"

اقول:۔ جب اجتہاد ہی بقول شما نہ رہا۔ اب تقلید ہی تقلید ہے تو ان فنون کو لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیونکہ جب بقول شما ہم سمجھ ہی نہیں سکتے ہم کو صرف ائمہ کے سمجھانے پر چلنا ہے تو پھر یہ علوم بے معنی ہوئے بلکہ ان کا پیدا کرنا اور جاری رکھنا اس پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد رہیں گے۔ عجب یہ کہ اجتہاد کے وسائل تو مہیا کیے جائیں لیکن اجتہاد کو بند

کردیا جائے گا

ایں چہ بوالعجب است

ثانیاً محدثین و فقہاء کی حفاظت سے اجتہاد متاخرین کے لیے سہل ہوا۔ نہ کہ بند یا ختم۔

قولہ صفحہ ۱۵۱ سطر ۱۵ "محدثین نے متون حدیث اور اسانید اور اسماء الرجال اور جرح و تعدیل میں کتابیں اور جوامع اور سنن اور مسانید اور معاجم کے ڈھیر لگا دیئے فقہاء نے اصول اور کلیات کا استنباط کیا اور شریعت کے مقاصد اور مصالح کو واضح کیا۔ دفتر کے دفتر مسائل تفسیر کے تیار ہو گئے۔"

اقول: یہ سب بحمد اللہ اجتہاد کے ذرائع ہیں۔ اس لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اس وقت اجتہاد پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اور اس وقت تقلید علماء کے لیے بنسبت پہلے کے زیادہ بدنما مانع ہے۔

قولہ صفحہ ۱۵۱ سطر ۱ "تیسری صدی کے ختم تک حدیث اور فقہ کی تدوین حد کمال کو پہنچ گئی۔ اور مشیت خداوندی کا جو منشاء تھا وہ پورا ہو گیا۔ اور دین کی ضرورت مکمل ہو گئی۔"

اقول: یہی منشاء بھی خداوندی تھا کہ بندگان کے لیے دینی احکام معلوم کرنا آسان ہو۔ سو یہ منشاء پورا ہو گیا۔ "وکان امر اللہ قدرا مقدورا" اور سب کے لیے اجتہاد و استنباط سہل ہو گیا۔ یہ اللہ کا بندوں پر خاص کرم عظیم نعمت اور بڑی رحمت ہے۔ آپ خواہ مخواہ کشادہ رحمت کو بند کر رہے ہیں۔ اور سب انسانوں کو محروم کرکے یہ رحمت بلا وجہ صرف چار افراد کے لیے مخصوص اور ان میں محدود کر رہے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۵۸ سطر ۳ "اب احمد بن حنبل رح اور بخاری جیسے حافظہ کی ضرورت رہی اور نہ

ابو حنیفہؒ اور مالکؒ جیسے فہم و فراست کی ضرورت رہی۔ تکوینی طور پر دن بدن حافظہ اور فہم میں انحطاط شروع ہو گیا"!

اقول: - اوّلاً ان تک حافظہ اور فہم محدود نہیں۔ ہر زمانہ میں ہوتے رہے اور رہیں گے۔ ثانیاً بات وہی ہے وہ لوگ یاد کر کے مسائل نکالتے تھے۔ اور متأخرین کتابوں میں نصوص دیکھ کر نکالتے ہیں۔ وہی اجتہاد وہی استنباط تقلید کا نہ نام ہے نہ نشان۔ ثالثاً اس سے تو یہ ظاہر ہوا کہ اجتہاد پہلے سے آسان ہے۔ کیونکہ وہ بیچارے گاؤں گاؤں پھر کر حدیثیں حاصل کرتے۔ پھر استنباط کرتے۔ ہمارے پاس گھر بیٹھے حدیثیں موجود ہیں کتابیں سامنے ہیں بلا تکلیف اجتہاد کر سکتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۸: "بمقتضائے عقل اور نقل راستے دو ہی ہیں۔ ایک اجتہاد دوسرا تقلید اب اجتہاد ختم ہو گیا (الیٰ قولہ) یہ سب کچھ من جانب اللہ ہے"!

اقول: - اگر اجتہاد کا بند کرنا اللہ کی طرف سے ہوتا تو اختلاف کو رہنے نہ دیتا۔ اختلاف کا باقی رکھنا خود بندوں کو تکلیف دیتا ہے۔ کہ تحقیق کر کے حق کی تلاش کریں۔ آپ ہیں جو لوگوں کو تقلید کا حکم دے کر تحقیق سے کورے دلائل قرآن و حدیث سے بے علم و بے بہرہ بنا رہے ہیں ورنہ اللہ نے تو اجتہاد کے لیے مکلف کیا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۵: "اس کی مشیت نے بخاری اور مسلم جیسے حافظ کو ختم کیا اور اسی کے ارادہ نے ابو حنیفہ اور مالک جیسے تفقہ اور استنباط کو دنیا سے اٹھا لیا" الخ

اقول: - نہیں۔ اس نے آج تک باقی رکھے ہیں۔ مثلاً شافعی، ترمذی، نسائی، ابو داود ابن ماجہ، مروزی، احمد بن سلمہ، داؤد اصفہانی ابن ابی حاتم طحاوی بقی بن مخلد قاسم بن اصبغ دارقطنی، ابو عوانہ، حاکم ابو نعیم اصفہانی، بیہقی، ابن حزم ابن عبد البر خطیب بغوی ابن الجوزی

قرطبی ابن العربی ابن الاثیر، نودی، ابو الولید الباجی، ابن دقیق العید، ابن تیمیہ، ابن سید الناس ذہبی ابن کثیر ابن القیم ابو حسان الغرناطی ابن بشکوال، ابن الملقن زیلعی، منذری، ہیثمی، عراقی ابن حجر سخاوی، سیوطی الامیر الیمانی ابن الہمام الشعرانی زکریا الانصاری شوکانی، نواب صدیق حسن خان جمال الدین القاسمی، رشید رضا مصری اسی طرح ولی اللّٰہی خاندان، جد امجد سید رشید اللہ وغیرہم کا حفظ و تفقہ دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا دین (حفظ و تفقہ) اب بھی باقی ہے عجب ہے کہ آپ نے ان سب ہستیوں کو محروم عن النعمۃ قرار دے دیا۔ اسی کتاب پر آپ کو بھی جامع کمالات اور سید المفسرین والمحدثین لکھا گیا ہے گویا کہ اب سے دین کی ابتدا ہو رہی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۹: "اہل حدیث یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد کوئی نبوت نہیں جو ختم ہو گئی ہو ہم بھی اجتہاد کر سکتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ قوت اجتہادیہ نبوت نہیں ہے لیکن قوت حافظہ بھی نبوت نہیں مگر ختم ہو گئی" الخ

اقول :۔ اولاً حفظ بھی ختم نہیں ہوا۔ کما مر۔ خود آپ نے اس رسالہ میں کئی متاخرین کو حافظ کا لقب دیا ہے مثلاً ابن تیمیہ ابن القیم ذہبی ابن کثیر، ابن قدامہ ابن حجر سیوطی سب کو حافظ کہا ہے پس جب یہ ختم نہیں تو اجتہاد جس کو آپ نے اس پر معلق کیا وہ بھی ختم نہیں۔ ثانیاً۔ اجتہاد کا دارو مدار علم نصوص پر ہے اور حفظ صرف نصوص کی حفاظت کے لیے تھا۔ اب چونکہ سب نصوص یکجا کتابوں میں جمع ہیں۔ لہٰذا بنسبت پہلے کے اب حفظ کی چنداں ضرورت نہیں اور نصوص کا علم اب بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر اجتہاد کیسے ختم ہوا۔

قولہ صفحہ ۱۰۹: "طریقۂ امتحان" الخ

اقول :۔ اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے متعلق پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہر وقت مسائل آتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے بتلائیں گے جو معلوم نہ ہوا تو

"لا أدری" کہہ کر دوسرے علماء بالقرآن والحدیث سے پوچھنے کا مشورہ دیں گے۔ آپ نے یہ شرط لگائی ہے کہ "بغیر فقہ کی کتابوں کے دیکھے"۔ سو جناب فقہ دیکھنا مجتہد کا الگ ہوتا ہے اور مقلد کا الگ۔ مجتہد دیکھے گا کہ کوئی دلیل مل جائے۔ باقی یہ بتائیں کہ فقہاء کے سامنے لغو اور مہمل ثابت ہوگا۔ سو یہ بتائیں کہ آپ تو مقلد ہیں پھر یہ پتا کس کر سکے گا کیا مجتہد کا درجہ آپ مانتے ہیں؟ ایضاً مجتہد تو مخطی و مصیب ہوتا ہے کیا فقہا کی کتب غلطیوں سے محفوظ ہیں؟

قولہ صفحہ ۱۰۹، ۱۸۱ "آج کل کے علماء کا جو حال ہے وہ ظاہر ہے لہٰذا اگر ہر ایک کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے تو ہر شخص کا ایک نیا مذہب اور نیا دین ہوگا۔ اور اصل دین مندارد ہو جائے گا۔"

اقول: یہ جب ہو کہ شرائط اجتہاد اور اصول فقہہ غلط ہوں۔ اگر وہ صحیح ہیں اور وہ شرائط معتبر ہیں جن پر اجتہاد موقوف ہے تو کبھی ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ ثانیاً کیا سب علماء (معاذ اللہ، ایسے ہیں) اگر سب نہیں تو پھر جو ایسے نہیں۔ ان کو کیوں نہ اجازت دی جائے۔ اسی طرح اجتہاد کے بند ہو جانے کا دعویٰ غلط ہوا۔ ثالثاً اگر کوئی مجتہد ہوائے نفسانی کی اتباع کرے گا یا اپنی مرضی سے مسئلہ بتائے گا تو دوسرے مجتہدین تردید اور دلائل سے اسکے استدلال کو باطل کر سکتے ہیں۔ رابعاً بلکہ اگر اجتہاد کی اجازت نہ ہوگی تو جو بھی ہوا پرست اٹھے گا۔ وہ اپنی مرضی سے مسائل بناتا رہے گا نہ کوئی مجتہد ہوگا نہ اس کی کوئی تردید کر سکے گا۔ نہ عوام کو اسکے غلط استدلال سے کوئی خبردار کر سکے گا۔ اس لیے اجتہاد کا باقی رہنا باعث خیر و برکت ہے۔ اور اس کا بند ہو جانا موجب خسارہ و فساد ہے۔ خامساً بلکہ یہ تو مقلدین کے لیے ہوا پرستی کا راستہ کھولنا ہے۔ کیونکہ انھوں نے چار دین بنائے ہیں جس کو کسی کا جو مسئلہ پسند آیا لے لیا اور نہ کوئی مجتہد ہوگا نہ ان کی تقلید کرے گا۔

قولہ نمبر ۱۱۴: "احتیاط کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مجتہدین سلف ہی کی اتباع کی جائے" الخ

اقول:۔ بے شک ان کا فہم وغیرہ مسلّم ہے لیکن ان کے اندر جو مسائل و استنباط کا اختلاف ہے اس کے لیے کیا کیا جائے؟ ہم اتباع کے منکر نہیں جو قول مدلل ہے وہ لیا جائے۔ یہ تقلید نہیں جس کے ہم منکر ہیں۔

قولہ نمبر ۱۱۵: "الغرض جب اجتہاد اور استنباط کی ضرورت نہ ہو تو تقلید لابد ہے"

اقول:۔ اگر نہیں تو پھر سید المفسرین والمحدثین کیسے بن گئے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ عطا کیا اور وسائل آسان کر دئیے لیکن آپ ہیں کہ کفران نعمت کا سبق دے رہے ہیں۔

قولہ نمبر ۱۱۶: "الفاظ میں بخاری اور مسلم کی تقلید کی جاتی ہے اور معانی میں ابوحنیفہ رحمہ اور مالک رحمہ کی تقلید کی جاتی ہے حالانکہ قرآن اور حدیث میں نہ بخاری اور مسلم کے نام کی تصریح ہے اور نہ ابوحنیفہ رحمہ اور مالک رحمہ کے نام کی۔ پھر کیا وجہ ہے۔ فقہاء کی تقلید تو شرک ہو جائے اور محدثین کی تقلید عین توحید کہلائے"

اقول:۔ الحمد للہ کہ آپ نے مان لیا کہ قرآن و حدیث میں نہ ابوحنیفہ رحمہ یا مالک رحمہ کی تقلید کا صریح حکم ہے نہ کسی محدث کی تقلید کا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ جو حکم قرآن و حدیث میں نہیں اس کو فرض یا واجب کہنا کب صحیح ہے؟ پھر کیوں لوگوں کو ان کی تقلید کے لیے مجبور کرتے ہو۔ ثانیاً یہ اعتراض اہل حدیث پر صحیح نہیں اس لیے کہ وہ کسی کے مقلد نہیں نہ محدث کے نہ فقیہ کے۔ یہ کوئی اہل حدیث نہیں کہتا ہے کہ محدث کی تقلید توحید اور فقیہ کی شرک ہے۔ حاشا وکلا۔ اگر شرک ہے تو سب کی جس بات پر دلیل نہیں اس کا لینا تقلید ہے۔ خواہ محدث کی ہو خواہ فقیہ کی اور مدلل بات کا لینا تقلید نہیں۔

قولہ نمبر ۱۱۷: "مقلدین اور غیر مقلدین میں یہ فرق ہے کہ غیر مقلدین نے صرف الفاظ

میں سلف کی تقلید کی۔ اور معانی میں مجتہد اور مختار بن گئے جو معنی چاہیں اپنی طرف سے لگائیں چاہے اصولِ شریعت اور قواعد ملت کے موافق ہو یا خلاف " الخ

اقول : ۔ ائمہ اربعہ نے سلف سے الفاظ لیے مثلاً ابوحنیفہ نے حماد بن ابی سلیمان وغیرہ سے اور مالک نے زہری نافع وغیرہما سے ۔ تو کیا یہ سب مقلدین گئے ۔ اسی طرح تو وہ بھی مجتہد نہیں رہے ۔ دراصل الفاظ کی تقلید تو ہوتی ہی نہیں ۔ کیونکہ وہ روایت ہے رائے نہیں اور تقلید رائے میں ہوتی ہے اور جو آپ نے الزام لگایا ہے کہ جو چاہیں اپنی طرف سے معنی کریں ۔ کیا یہ الزام ان چار اماموں پہ عائد نہیں ہو سکتا ہے ؟ نیز جب اجتہاد کے لیے قواعد و ضوابط موجود ہیں ۔ تو پھر اس طرح ہو ہی نہیں سکتا ۔ دوسرے مجتہد اس کو چلنے نہ دیں گے باقی مقلد واقعی معانی میں مقلد ہیں الفاظ سے ان کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ " علم بالدلیل " ان کا وظیفہ ہی نہیں ۔

قولہ ص ۱۱ س ۱۲ " ترجیح مذہب امام اعظم ابوحنیفہ بر مذاہب دیگر ائمہ مجتہدین "

اقول : ۔ اس عنوان کے نیچے جو مصنف نے لکھا ہے اس پہ کلام آتا ہے ۔ اجمالاً عرض ہے کہ ایک امام کو دوسرے پہ ترجیح دینا یا اس کو اعلم و افضل کہنا خود مجتہد کا کام ہے ۔ لکامر جب آپ خود مقلد ہیں تو آپ کو کیا خبر کہ کون احق ہے ۔ ثانیاً یہ فیصلہ خود نص قرآنی کے خلاف ہے قرآن نے یہ حکم نہیں دیا کہ اختلاف کے وقت جس کو اعلم و افضل سمجھو اس کا اتباع کرو بلکہ یہ حکم دیا کہ جس کا قول قرآن و حدیث کے موافق ہو ۔ اس کو لے لو " فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول "

لہٰذا آپ کا یہ سارا عنوان لایعنی اور بوجہ مخالف ہونے نص قرآنی کے مردود و باطل ہوا ۔

ثالثاً ابھی آپ تسلیم کر آئے ہیں کہ قرآن و حدیث میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کا صریح حکم وارد نہیں ہے ۔ تو پھر ترجیح کیسی ؟ رابعاً یہ وجوہ ترجیح آپ کو کیسے معلوم ہوئے کیا آپ مجتہد ہیں ؟ اگر آپ نے کسی دوسرے

کسنے پر لکھا ہے تو دلیل سے مانا ہے یا بلا دلیل علی الاول آپ غیر مقلد ہوئے وعلی الثانی آپ اس بتانے والے کے مقلد ہوئے۔ خامسًا چاروں مذاہب کے علماء کو دیکھو ہر ایک نے اپنے امام کو ترجیح دی ہے جس مذہب والے کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے مذہب کو ترجیح دینے کے لیے ایسی وجوہات بیان کرتا ہے گویا یہی امام باقی تینوں سے اعلم وافضل وارجح ہے۔ اب بتاؤ اس کا فیصلہ کیسے کریں گے۔ ان وجوہات میں موازنہ کرنا بھی مجتہد کا کام ہے۔ پس کیا خیال ہے چھوڑیں گے تقلید کو اور نہیں گے مجتہد؟

قولہ صفحہ ۱۱۱ سطر ۱۷ تمام اہل السنۃ والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ چاروں امام الخ

اقول :۔ لیکن حصر کا انھوں نے دعوٰی نہیں کیا۔ اس لیے کہ ہزاروں لاکھوں ائمہ گذرے ہیں جن سب کو امام کہا گیا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ الشذرات صلۃ ابن بشکوال المنتظم الدرر الکامنۃ الضوء اللامع طبقات السیوطی البدر الطالع نیل الوطر التاج وغیرہ کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں کتنے ائمہ گذرے ہیں۔ تاریخ بغداد علوم الحدیث للحاکم تہذیب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کو دیکھیں کہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان سے پہلے کتنے ائمہ موجود تھے۔ خود آپ نے اپنے رسالہ میں محمد بن اسحاق نضر ابن شمیل، ابو یوسف قاضی اعمش اوزاعی، محمد بن الحسن الشیبانی زفر ابراہیم الحربی، یحیی بن معین بخاری، مسلم، ترمذی، بیہقی، خطابی، بغوی الجصاص الرازی ابو محمد الجوینی ابن الصلاح غزالی نووی فخر الدین الرازی عبدالکریم الشافعی شعرانی اور امام ربانی ان سب کو امام کہا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۱۱ سطر ۱۸ جس طرح خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں قرآن کریم مرتب ہوا الخ

اقول :۔ ترتیب قرآن کی من اللہ ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح دین بھی اللہ کی طرف سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے خود بامر اللہ اس کی تکمیل کی۔ ائمہ دین نے صرف اس کی اشاعت کی جس میں بھی ان چار کی خصوصیت نہیں سب نے کی ہے۔ یعنی ان کے زمانہ میں ان کے بعد اب تک کرتے رہے ہیں۔ اور رہیں گے۔ لہٰذا یہ ناقل ہیں متبوع نہیں، اور متبوع صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قولہ ۱۱۱ سطر ۹ "قرآن و حدیث میں جا بجا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد اور اہتداء اور ان کے اتباع اور اقتداء کا ذکر اور امر ہے۔ اور فرقہ ناجیہ وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جماعت صحابہؓ کے طریقہ پر چلے۔"

اقول:- لیکن کسی کی تقلید کا ذکر نہیں جس میں بحث ہے۔ اور اتباع میں بحث نہیں۔

قولہ ۱۱۱ سطر ۱۲ "بس جس شخص نے ان چار اماموں کی تقلید کی اس نے در اصل تمام صحابہؓ و تابعین کی تقلید کی" الخ

اقول:- خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے اتباع کے امر سے چار ائمہ کی تقلید کہاں لازم آتی ہے جو دین کی تکمیل کا آپ نے ذکر کیا۔ اس کو تو رد کر دیا گیا۔ ثانیاً تقلید تو نہ صحابہؓ کی ثابت ہے نہ تابعین کی۔ پھر ائمہ کی کیسی ہوئی۔ ہر حالت میں مدلل قول کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔ خواہ صحابی کا ہو یا تابعی کا یا کسی اور کا۔ اور تقلید کیسے خیر و برکت ہے کیا قرآن و حدیث کے علم سے محروم رہنا خیر و برکت ہے؟

قولہ ۱۱۱ سطر ۱۴ "کیونکہ چاروں قانون شریعت کے شارح ہیں۔ معاذ اللہ شارع شریعت اور واضع احکام نہیں۔"

اقول:- جب وہ خود شارع نہیں تو پھر ان کا اتباع کیا۔ بلکہ اتباع تو شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہوگا۔ باقی شرح تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں سے حق و صواب مجتہد معلوم کر سکتا ہے۔ اور مقلد کی یہاں رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔

قولہ[۱۱] "پس جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع درحقیقت تمام انبیاء کرام کا اتباع ہے (الی قولہ) اسی طرح مذاہب اربعہ کو سمجھو کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی اور سُنت صحابہ کے خزانے ہیں۔"

اقول : یہ تشبیہ غلط اور غلو کا منشا ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع سب نبیوں کا اتباع ہے۔ اس لیے کہ یہ کتاب اگلی کتابوں کی مصدق اور ان پر محافظ و مہین ہے لیکن ان مذاہب کو یہ درجہ حاصل نہیں۔ نیز ان میں اختلاف ہے۔ اب ان کے لیئے کوئی خاص مہیمن و محافظ چاہیئے وہ خود اللہ نے بتا دیا ہے کہ "فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول" اور بلاشک ائمہ نے قرآن وحدیث سمجھایا لیکن یہ وظیفہ صرف ان چار کا نہ تھا بلکہ ہر زمانہ میں ائمہ سمجھاتے رہے۔ لیکن اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ ان کے فہم کو حرف آخر سمجھے بلکہ اختلاف سے ہمیں سبق ہے کہ ہم ان سب تفہمات و تفقہات کا اصل سے ملا کر صحیح کا انتخاب کریں۔ ایضاً خزانہ سنت نبوی قرآن وحدیث ہے ان کتابوں میں ان سے اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان میں خطا و صواب دونوں ہیں لہٰذا ان کو عین خزانہ نبوی کہنا جرات ہے۔

قولہ[۱۲] "حق تعالےٰ نے ان چار اماموں کو خاص طور پر اپنے دین کے خزائن علیہ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔"

اقول : سب اماموں کو صرف ان چار کو نہیں۔ انحصار کا دعویٰ غلط ہے۔ ان سے پہلے یا بعد کون محافظ رہے۔ نیز اگر صرف یہی چار محافظ ہوتے تو ان میں اختلاف نہ ہوتا اور چار مذاہب نہ ہوتے اور نہ آپ کو ایک مذہب کے راجح ثابت کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑتی۔ بلکہ کہنے والے اس طرح کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ چار مذاہب ہونا ہی دین کو ندارد کرنا ہے اور

حفاظت کی بجائے اس کا استیصال ہے۔ مگر وہی جماعت جو کسی کی تقلید نہیں کرتی مگر سب ائمہ کے احترام اپنے اوپر واجب جانتے ہوئے ان کے اقوال کو قرآن و حدیث پر پیش کرتی ہے۔ پھر جس کو صحیح اور مدلل دیکھتی ہے لیتی اور دوسرے کو ترک کرتی ہے اور بلا دلیل کسی کی بات نہیں مانتی۔ اور غیر معصوم کے قول کو معصوم کی سُنت سے پرکھتی ہے۔ وہی دین کی حفاظت کر سکتی ہے۔ نہ وہ جماعت جو کہ دلیل سے محروم رکھنے کے ساتھ فرقہ بندی کی اجازت کیا بلکہ ایک دین کو چار دینوں میں تقسیم کرتی ہے۔

قولہ ص ۱۱۲ س ۲ "بلاشبہ ہر امام اجتہاد اور استنباط کا یوسف صدیق تھا" الخ

اقول :۔ اولاً حصر نہیں سب ائمہ ایسے ہیں۔ ثانیاً یہ ان کی نسبت کے اعتبار سے ہے لیکن خطا کے وقوع سے مامون نہیں۔ لہٰذا رجوع الی الدلیل ضروری ہوا جو اجتہاد سے حاصل ہوگا نہ کہ تقلید سے۔ ثالثاً ان کا مختلف ہونا خود بتاتا ہے کہ حسینوں کا مقابلہ ہوگا۔ اور جیت اسی کی ہوگی جس کو کتاب و سُنت کے آئینہ میں ترجیح حاصل ہو۔ "اللہ انزل احسن الحدیث کتابا متشابھا" اور یہ کام بھی مجتہدین کا ہے۔ مقلدین کا نہیں۔ کیونکہ حسینوں کے مقابلہ کے وقت فیصلہ جج کرتے ہیں نہ کہ عوام۔ رابعاً یہ تمثیل ہی غلط ہے کیونکہ "ما ھذا بشرا" کہنے والے سب متفق تھے اور یہاں آپ مختلف ہیں۔ کوئی ابوحنیفہ کا حسن اور زیادہ قابل بتاتا ہے۔ کوئی شافعی کو کوئی مالک کو کوئی احمد بن حنبل کو صدق اللہ سبحانہ وتعالیٰ "کل حزب بما لدیھم فرحون" (الروم ع ۴ پ ۲۱) اجتہاد کے مدعی کو نادان کہنا بھی عجیب ہے۔ حالانکہ نادانی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ دلیل کا علم نہ ہو اور معصوم کے بجائے غیر معصوم کی پیروی کی جائے۔

قولہ ص ۱۱۲ س ۱۳ "چوتھی صدی سے لے کر چودھویں صدی تک جس طرح ائمہ حدیث و تفسیر اور علماء شریعت اور اولیاء طریقت گذرے ہیں۔ وہ انہی چاروں میں سے کسی ایک کے شیدائی اور فدائی بنے

اور رہے"۔

اقول: اس کی تکذیب و تردید مفصل گذر چکی۔ نیز جتنے ہم نے علماء مجتہدین ذکر کیے جو کہ مقلد نہ تھے کیا وہ مفسر محدث یا علماء شریعت یا اولیاء نہ تھے؟ باقی جن کے نام آپ نے گنوائے ہیں ان کے متعلق ابھی معلوم ہو گا۔

قولہ ص۱۱۳ س۱۵ "قاضی عیاض اور قرطبی جیسے محدث نے امام مالک کا دامن پکڑا" الخ

اقول:۔ قاضی عیاض مجتہد تھے مقلد نہ تھے۔ اولاً اس کی تصانیف بالخصوص الشفاء فی حقوق المصطفیٰ" کو دیکھو کس پیرایہ سے اتباع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتا ہے جو کہ مقلد کی نشان نہیں ہے۔ ثانیاً حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے طبقہ سولہویں ۱۶ میں اس کو ذکر کیا ہے اور اوپر ثابت ہوا کہ تذکرۃ الحفاظ میں سب مجتہدین مذکور ہیں۔ خود ذہبی مقلدین سے نالاں ہے۔ کما مضی۔ ثالثاً آپ کے حق میں قاضی ابن خلکان نے کہا ہے کہ" ھو امام فی الحدیث فی وقتہ واعلم الناس بعلومہ فی وقتہ"۔ (تذکرۃ الذہبی ص۳۰۶ ج۴ طبع سوم) اور شذرات ص۱۳۹ ج۴ میں ہے کہ" شدید التعصب للسنۃ والتمسک بہا" اھ اور کتاب الصلۃ لابن بشکوال ص۴۳ ج۲ میں ہے کہ" وجمع الحدیث من کثیرا ولہ عنایۃ کثیرۃ بہ واھتمام بجمعہ وتقییدہ وھو من اھل التفنن فی العلم والذکاء والیقظۃ والفھم" اھ اور التاج المکلل ص۱۵ میں ابن الابار سے منقول ہے کہ" احد الائمۃ الحفاظ الفقہاء المحدثین الادباء" اھ کیا ایسا شخص بھی کسی دوسرے کا طفیلی یا مقلد ہو سکتا ہے حاشا وکلا۔ اور امام قرطبی کی تفسیر خود شاہد ہے کہ وہ مقلد نہیں تھے بلکہ کئی مقام پر امام مالک کے مذہب کو رد کیا اور حدیث کو ترجیح دی ہے حتیٰ کہ ایک مقام پر تقلید کی یوں مذمت کرتے ہیں کہ

التقليد ليس طريقا للعلم ولا موصلا له لا في الاصول ولا في الفروع وهو قول جمهور العلماء والعقلاء خلافا لما يحكى عن جهال الحشوية والثعلبية۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۹۵ ج ۲)

تقلید نہ علم حاصل کرنے کا راستہ ہے نہ علم تک پہنچانے والی چیز ہے نہ اصول میں نہ فروع میں جمہور علماء اور اصحاب عقل کا یہی کہنا ہے۔ اس کے خلاف حشویہ ثعلبیہ فرقوں کے جاہل لوگ ہیں ۔

نیز امام قرطبی کے لیے تذکرات ص ۳۳۵ ج ۵ میں ہے کہ "الحاکی مذاهب السلف کلها" یعنی سب اسلاف کے مذاہب نقل کرنے والا تھا جس کے معنی کہ وہ کسی خاص امام کا مقلد نہ تھا ، اور طبقات المفسرین للسیوطی ص ۲۹ میں ہے کہ " قال الذهبی امام متفنن متبحر فی العلم له تصانیف مفیدة تدل علی امامته وکثرة اطلاعه ووفور فضله اھ

یہ وہی علامتیں ہیں جو کہ آپ مجتہد کے بتاتے ہیں ۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۱۲ " اور غزالی اور رازی اور عسقلانی اور قسطلانی جیسے نے امام شافعی رح کا دامن پکڑا "

اقول :۔ امام غزالی نے تقلید کو جو حیثیت دی ہے وہ پہلے ذکر کی گئی ۔ نیز المستصفی ص ۳۸۷ تا ۳۸۹ ج ۲ دیکھیں ۔ ایضاً اس نے اخیر وقت بخاری اپنے سینہ پر رکھی ۔ کما مضیٰ ۔ نیز امام ابن تیمیہ رح نے نقض المنطق ص ۶۰ میں تصریح کی ہے کہ اس نے اور سارے مسالک سے رجوع کر کے مسلک اہل حدیث اختیار کیا ۔ نیز " تعریف الاحیاء " ص ۳ برحاشیہ الاحیاء میں اس کو تاج المجتہدین کہا ہے اور طبقات سبکی ص ۱۱۲ ج ۲ میں بھی آپ کو مجتہد کہا ہے ، اور امام رازی نے تو خوب تقلید کو رد کیا ہے ۔ نیز مزید مضامین تفسیر کبیر کے صفحات میں دیکھو ۔ ابن تیمیہ رح نے نقض المنطق ص ۶ میں ان

کے لیے بھی تصریح کی ہے کہ مسلک اہل حدیث کی طرف رجوع کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو بھی شافعی کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے فتح الباری میں کئی مقام پر امام شافعی کی تردید کی ہے اور ایک جگہ صریحًا مقلدین کو رد کرتے ہیں کہ

وفیہ ان الوقائع قد تخفی علی الاکابر ویعلمها من دونهم وفی ذالك رد علی المقلد اذا استدل بخبر یخالف نیجیب لو کان صحیحا لعلم فان مثلا۔ (فتح الباری ص)

ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے اس سے مقلد کی تردید ہو گئی۔ کیونکہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں پیش کی جاتی ہے جس کے وہ خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کو فلاں عالم (جو اس کا امام یا مقتدا ہے) ضرور جانتا ہوتا۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

ویستفاد من ذالك ان امره صلی الله علیه وسلم اذا ثبت لم یکن لاحد ان یخالفه ولا یتحیل فی مخالفته بل یجعله الاصل الذی یرد الیه ما خالفه لا بالعکس کما یفعل بعض المقلدین ویغفل عن قوله تعالیٰ "فلیحذر الذین یخالفون عن امره" الایة (فتح الباری ص ۲۷۱ ج ۲ خیر له کتاب الاعتصام باب قول الله تعالیٰ وامرهم شوری بینهم)

معلوم ہوا کہ جو حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے یا اس کی مخالفت کے لیے حیلہ نکالنے کی مجال نہیں بلکہ اسی کو اصل قرار دے

جس کی طرف ہر مخالف کو لوٹائے نہ کہ اسکے برعکس جیسے بعض مقلدین کرتے ہیں۔ (یعنی حکم نبوی کو مخالف کے قول کی طرف لوٹاتے ہیں) اور اللہ کے فرمان سے غافل ہیں کہ (ترجمہ) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں وہ فتنہ یا دردناک عذاب کے پہنچنے کا خوف رکھیں۔

ایضاً شوکانی نے "البدر الطالع" ص۶۹ ج۱ میں آپ کو ان الفاظ کا خطاب دیا ہے: "الحافظ الکبیر الشہیر الامام المنفرد بمعرفة الحدیث وعلله فی الازمنة المتأخرة" اھ کیا یہ مقلد کی شان ہو سکتی ہے اور شذرات الذہب ص۲۰۷ ج۷ میں آپ کو شیخ الاسلام علم الاعلام امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے اور لکھنوی نے "التعلیقات السنیة" ص۱۶ میں ان الفاظ سے یاد کیا ہے کہ "امام الحفاظ محقق المحدثین زبدة الناقدین" اھ اور علامہ امیر علی حنفی نے تعقیب التقریب ص۳ میں آپ کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ خود حافظ صاحب نے اپنی تقریظ جو "الرد الوافر" پر لکھی ہے۔ اس میں تقلید کا انکار کرتے ہیں (المجموعة المشتملة علی الدرر ص۶۵) اسی طرح علامہ قسطلانی کی تصنیفات مثلاً ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بتاتی ہے کہ یہ سب لوگ محقق اور آزادانہ طور پر تحقیق کرنے والے تھے۔ تقلید کے پھندے میں گرفتار نہیں تھے۔ نیز انھوں نے "المواہب اللدنیة" ص۶۹ ج۲ میں صاف لکھا ہے کہ

ومن الادب معه صلی الله علیه وسلم ان لا یتشکل قوله بل تتشکل الاٰراء بقوله ولا یعارض نصه بقیاس بل تهدر الاقیسة وتلقی لتصوصه

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ (مقلد) کی طرح آپ کے اقوال کو مشکل نہ جانے۔ بلکہ دوسروں کے اقوال و آرا کو اپنے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول کے مقابلہ میں مشکل سمجھے اور ان کے معارضہ میں قیاس پیش نہ کرے۔

بلکہ ان کے مقابلہ میں قیاس کو گرا دے اور پھینک دے۔

ناظرین! یہ الفاظ مقلد کی زبان سے نہیں نکل سکتے۔ نیز مصنف کا یہ دعویٰ غلط ہوا کہ اس زمانہ میں قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنا آسان نہیں۔ اب تقلید ہی کی جائے گی۔ اس کی پوری تردید ہے۔

قولہ ص۱۲ سطر۱ "اور ابن جوزی اور ابن رجب جیسے نے امام احمد کا دامن پکڑا"

اقول:۔ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس ص۸۱ میں تقلید کی مذمت میں ایک مستقل باب رکھا ہے جس میں اس کو شیطانی وسوسہ کا نتیجہ بتایا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ

اعلم ان المقلد علی غیر ثقۃ فیما قلد فیہ و فی التقلید ابطال منفعۃ العقل لانہ انما خلق للتامل والتدبر وقبیح لمن اعطی شمعۃ یستضیء بہا ان یطفئہا ویمشی فی الظلمۃ واعلم ان عوام اصحاب المذاہب یعظم فی قلوبہم الشخص فیتبعون قولہ من غیر تدبر بما قال وھذا عین الضلال (تلبیس ابلیس ص۸۱)

جان لو کہ مقلد جس بات میں تقلید کرتا ہے وہ کسی معتبر چیز پر نہیں۔ تقلید سے عقل کا فائدہ و نفع باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عقل کو صرف تامل و تدبر کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ (جب تقلید ہو گی تو نہ رہے گا تدبر نہ تامل) اور یہ بری بات ہے کہ روشنی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی طرف سے تو شمع ملے اور وہ اس کو بجھا کر اندھیرے میں چلے اور جان لو کہ عام مذاہب والوں کے دل میں جس کی عظمت بیٹھ گئی اس کی بات بلا تدبر یا بغیر دیکھے دلیل لے لیتے ہیں عین گمراہی ہے۔

پس جو امام تقلید کی گمراہی اور عقل کے خلاف بتائے وہ کیسے مقلد ہو سکتا ہے۔ خود حافظ ابن حجر رحمہ نے "القول المسدد" صلاع میں ان کو اہل حدیث کہا ہے اور "التاج المکلل" صلاتا میں ہے کہ " کان ...... باعضا لاصحاب المذاهب من المقلدین اھ۔ پس جو تقلید اور مذہب بندی سے متنفق ہو۔ اس کو مقلد کہنا درست نہیں اور ابن رجب کا ترجمہ شذرات الذہب صلا۳۳۹ ج ۶ میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ شخص ویسے ہی حنبلی مذہب مشہور تھا مگر دراصل مقلد نہ تھا۔ بلکہ محقق تھا۔

قولہ ص۱۲ ۱۱ ش۱ "اور ابو بکر رازی اور سرخسی جیسے فقیہ اور طحاوی اور مغلطائی اور زیلعی اور عینی جیسے محدث نے ابو حنیفہ رحمہ کا دامن پکڑا۔"

اقول :۔ ابو بکر رازی کو لکھنوی نے "التعلیقات السنیۃ" ص۲۷ میں مجتہد فی المذہب قرار دیا ہے۔ اور اس کی تفسیر بھی بتاتی ہے۔ کہ وہ تقلید سے بالا تھے اور سرخسی کو لکھنوی نے "الفوائد البہیۃ" ص۵۸ میں یوں تعارف کرایا ہے کہ "کان اماما علامۃ حجۃ متکلما مناظرا اصولیا مجتہدا اھ اور خود سرخسی نے تقلید کو ناجائز بتایا ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی عبارت بحوالہ مبسوط ص۲۸ ج ۱۲ گذری۔ اور طحاوی بھی مقلد نہیں تھے۔ کئی مسائل میں انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ کے خلاف کیا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ الکسوف میں قراءت جہری کے قائل ہیں اور نبیذ سے وضو کو جائز نہیں جانتے تھے۔ اور دعا افتتاح بغیر سبحانک اللھم کے قائل تھے۔ اور عورت کے جنازہ کے وقت امام کو اس کے بیچ کے برابر کھڑا ہونے کا حکم دیتے تھے۔ اور طواف کا نفل فجر خواہ عصر کے بعد پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ضب خواہ گھوڑے کو حلال کہتے ہیں۔ دیکھو شرح معانی الآثار علی الترتیب ص۱۹۷ ج ۱ ص۵۸ ج ۱ ص۱۱۷ ج ۱ ص۲۸۴ ج ۱ ص۲۹۷ ج ۱ ص۲۱۷ ج ۲ ص۳۲۲ ج ۲ حالانکہ یہ سب فتوے امام ابو حنیفہ رحمہ کے مسلک کے خلاف ہیں۔ اور شاہ عبد العزیز دہلوی بستان المحدثین ص۵۸ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ "محض مقلد مذہب حنفی نبود" اھ

اور لکھنوی "التعلیقات السنیۃ ص۱۳" میں لکھتے ہیں کہ

فالحق انہ من المجتہدین المنتسبین الذین ینتسبون الی امام معین من المجتہدین لکن لا یقلدونہ لا فی الفروع ولا فی الاصول لکونہم متصفین بالاجتہاد وانما انتسبوا الیہ لسلوکہم طریقہ فی الاجتہاد۔

حق بات یہ ہے کہ طحاوی مجتہد ہیں ان مجتہدین میں سے جو کہ کسی امام کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں۔ وہ نہ ان کے فروع میں مقلد ہوتے ہیں نہ اصول میں۔ کیونکہ ان میں اجتہاد کی صفات ہوتی ہیں۔ ان کی نسبت صرف اس اعتبار سے ہے کہ ان کے اجتہاد کا طریقہ وہی ہوتا ہے۔

ایک شخص نے طحاوی سے کہا کہ

رایتک فی میدان اہل الحدیث (لسان المیزان ص۲۷۶ ج۱)

آج آپ بھی اہل حدیثوں کے میدان میں نظر آرہے ہیں۔

نیز یہ حکایت ملاحظہ ہو کہ

قال ابن زولاق سمعت ابا الحسن علی بن ابی جعفر الطحاوی یقول سمعت ابی یقول وذکر فضل ابی عبیدہ ابن جرثومۃ و فقہہ فقال کان یذاکرنی فی المسائل فاجبتہ یوما فی مسئلۃ فقال ما ہذا قول ابی حنیفۃ فقلت لہ ایہا القاضی او کلما قالہ ابو حنیفۃ اقول بہ فقال ما ظننتک الا مقلدا فقلت لہ وہل یقلد الا عصبی فقال لی او غبی قال فطارت ہذہ الکلمۃ بمصر حتی صارت

مثلا وحفظها الناس (لسان الميزان ص۲۸۱ ج ۱)

طحاوی کے فرزند ابوالحسن نے ذکر کیا کہ میرے والد نے ابو عبیدہ ابن جرثومہ کی فضیلت اور فقاہت کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ وہ میرے ساتھ مسائل کا مذاکرہ کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کسی مسئلہ میں اس کو جواب دیا تو اس نے کہا کہ ابو حنیفہ رح تو اس طرح نہیں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ قاضی صاحب کیا میں ابو حنیفہ رح کی ہر بات کو لیتا ہوں؟ کہا کہ میں تو آپ کو مقلد ہی گمان کرتا تھا۔ تو میں نے کہا کہ بجز گنہگار کے کوئی دوسرا بھی تقلید کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ یا تو غبی کر سکتا ہے پس یہ کلمہ (تقلید گنہگار یا غبی کے علاوہ اور کوئی نہیں کرے گا) مصر میں اڑنے لگا اور ایک مثال بن گیا اور لوگوں نے یاد کر لیا۔

ناظرین:۔ اس واقعہ سے عیاں ہے کہ طحاوی مقلد نہیں تھے۔ بلکہ تقلید کو گناہ کا کام اور غباوت کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ ایضاً امام ابن حزم رسالہ "اصحاب الفتیاء" (ملحق مع جوامع السیرۃ ص۳۳۳) میں بھی تصریح کرتے ہیں کہ طحاوی مقلد نہیں تھا مجتہد تھا۔ اسی طرح زیلعی کو مقلد کہنا بھی درست نہیں، کیوں کہ اس نے "نصب الرایہ" میں کئی جگہ پر حنفی مذہب کی مخالفت کی ہے بلکہ ص۳۰ ج ۲ میں امام دارقطنی سے امام ابو حنیفہ پر جرح نقل کی ہے۔ اور ص۲۵۵ ج ۳ میں امام سفیان ثوری سے اور ص۱۱۵، ص۲۶۵ ج ۴ میں ابن القطان سے نقل کی ہے ان جروح امام صاحب کے حق میں نقل کر کے کوئی تردید نہ کرنا بتاتا ہے کہ امام صاحب کا امام مقلد قطعاً نہیں تھا۔ باقی مغلطائی اور عینی مشہور حنفی تھے لیکن ان کا کوئی خاص اعتبار نہیں۔ مغلطائی تو مقدوح فی الدین والروایت ہے۔

ففی الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ لابن حجر ص۳۵۲، ۳۵۳ ج ۴ وکان قد لازم الجلال القزوینی فلما مات ابن سید الناس تکلم لہ مع السلطان فولاہ تدریس الحدیث

بالظاهریة فقام الناس بسبب ذالک وتعدوا ولم یبال بھم وبالغوا فی ذمہ وھجوہ۔۔۔۔ کتاب جمعہ فی العشق تعرض فیہ لذکر الصدیقۃ عائشۃ فانکر علی ذالک ورفع امرہ الی الموفق الحنبلی فاشغلہ بعد ان عزرہ۔۔۔ وقال الشہاب ابن رجب۔۔۔ وانشد فی نفسہ فی الواضح المبین شعرا یدل علی استحقار وضعف فی الدین وقال ولدہ زین الدین ابن رجب۔۔۔ ذکر انہ سمع من الحافظ الدمیاطی وانہ سمع من ابن دقیق العید درسا بالکاملیۃ فی سنۃ ۷۰۲ وابن دقیق العید انقطع فی اواخر لسنۃ ۷۰۱ بستان ظاہر القاہرۃ الی ان مات فی اوائل صفر ولم یحضر درسا فی سنۃ ۷۰۲۔۔۔ ادعی انہ اجازلہ الفخر بن البخاری ولم یقبل اھل الحدیث ذالک منہ اھ مختصرا۔

خلاصہ یہ کہ جب یہ تدریس حدیث پر مقرر ہوا تو لوگوں نے اس کی مذمت اور ہجو کیا اور اس نے عشق کی بابت ایک کتاب لکھی جس میں (معاذ اللہ) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی ذکر کیا یہ بات اس کو ناگوار ہوئی۔ بالآخر اس کو تعزیر بھی دی گئی۔ اور اس کے بعض ایسے اشعار ہیں جن سے اس کی دین میں کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ ۷۰۲ھ میں وہ ابن دقیق العید کے درس میں بیٹھا حالانکہ ابن دقیق العید ۷۰۱ھ میں فوت ہو چکا تھا۔ نیز یہ دعویٰ کیا کہ فخر بن البخاری نے اس کو حدیث کی اجازت دی لیکن علماء حدیث نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ وہکذا فی شذرات الذہب ص۱۹۶ ج۶

اور عینی کا تو متعصب فی المذہب ہونا علامہ لکھنوی نے بھی لکھا ہے۔ کما مر۔
پس ایسے شخصوں کے اتباع سے نہ کسی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کسی مذہب کی حقانیت۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۱ "اور ہر ایک محدث و مفسر اپنے اپنے امام کے عشق میں ایسا غرق ہوا کہ نوبت مناظروں اور مباحثوں کی آ گئی"

اقول:۔ مناظر مجتہد ہوتا ہے نہ کہ مقلد۔ کما مضیٰ۔ ثانیاً محدث اور مقلد؟ این ہذا من ہذا۔ محدث حدیث کا تابع ہوتا ہے۔ جو تقلید نہیں۔ اور مقلد رائے کا تابع ہوتا ہے نہ روایت کا۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۲ "علماء حنفیہ اور شافعیہ کے مباحثوں اور مناظروں کا حاصل و محصول صرف یہ ہے کہ ہر عالم اپنے امام کے حسن استنباط اور جمال اجتہاد کی برتری ثابت کرتا ہے۔

اقول:۔ "کل حزب بما لدیہم فرحون" یہ بھی عجیب منطق ہے کہ مجتہدین میں راجح مرجوح کا فیصلہ مقلدین کریں۔

قولہ ص ۱۱۳ سطر ۴ "معاذ اللہ۔ معاذ اللہ کسی دوسرے امام کے حسن و جمال میں قدح کرنا مقصود نہیں" الخ

اقول:۔ مقلدین نے تو اپنے امام کو بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے میں جھوٹی حدیثیں گھڑنے سے بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کی۔ ذرا مقلدین کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ثانیاً آپ نے جو ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے لیے وجوہات بیان کی ہیں ان میں بھی تصریح ہے کہ یہ صفتیں دوسروں میں نہیں ہیں۔ کیا یہ نئی تنقیص نہیں ہے؟ ثالثاً اس ترجیح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح پر قیاس کرنا بھی غلط ہے اس لیے کہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آپ کی ترجیح تو نصوص صریحہ سے ثابت ہے لیکن یہاں ان ائمہ میں ترجیح دینے کے لیے نصوص کہاں ہیں۔

قولہ ص ۱۱۳ س ۱۱ "اسی طرح اگر کسی امام کا مقلد اور متبع اپنے امام متبوع کی افضلیت کو بیان کرے" الخ

اقول :۔ مقلد کو کیا خبر کہ افضل کون ہے۔ نیز اس کے فیصلہ کا کیا اعتبار۔

قولہ ص ۱۱۳ س ۱۳ "اسی طرح ہم صدق دل سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ چاروں امام انبیاء کرام کے وارث ہیں" الخ

اقول :۔ حصر صحیح نہیں بلکہ ان کے زمانہ میں ان سے پہلے اور بعد کئی ائمۂ دین آئے وہ سب ورثۃ الانبیاء اور مجتہد مطلق اور صاحب رشد و ہدایت ہیں۔

قولہ ص ۱۱۳ س ۱۵ "جو مسلمان ان ائمۂ اربعہ میں سے کسی کی تقلید اور اتباع کرے گا وہ یقیناً اہلِ حق اور اہل ہدایت اور اہلِ سنت والجماعت میں سے ہوگا"

اقول :۔ مقلد کو کیا خبر کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر کیونکہ وہ دلیل سے ناواقف ہے۔ بلکہ ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا" ثانیاً تقلید اور اتباع میں فرق ہے۔ دونوں کو ملانا خلط مبحث ہے۔ ثالثاً ائمہ بے شمار ہیں، صرف ان چار کی تقلید حق اور دوسروں کی باطل کیوں؟ رابعاً اوپر شیخ الاسلام اور حافظ ذہبی کے کلام سے معلوم ہوا کہ ان چار میں حق محصور سمجھنا اہل سُنت کا مذہب نہیں۔ پھر آپ کس اہل سنت والجماعت کا مذہب بتلا رہے ہیں؟

قولہ ص ۱۱۳ س ۱۸ "کسی نے امام مالکؒ یا امام شافعی رح کو افضل سمجھ کر" الخ

اقول :۔ کسی کا افضل سمجھنا یا تحقیق کر کے اس کی بات کو قبول کرنا فعل محمود ہے یہ تقلید نہیں بلکہ اجتہاد ہے۔ ثانیاً جنھوں نے اس طرح کسی کو فضیلت دی تو تحقیق سے دی اور وہ ان کے مقلد نہ رہے بلکہ ان کا انتساب (شافعی مالکی حنبلی وغیرہ) صرف اس لیے تھا کہ اس

اجتہاد و تحقیق اس امام کے موافق تھا نہ کہ اس کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ عقد الجید ص میں لکھتے ہیں کہ

وفی الانوار ایضًا المنتسبون الی مذھب الشافعی وابی حنیفۃ ومالك واحمد اصناف احدھا العوام والثانی البالغون الی رتبۃ الاجتہاد والمجتہد لا یقلد مجتہدا وانما ینتسبون الیہ لجریھم علی طریقۃ فی الاجتہاد واستعمال الادلۃ وترتیب بعضھا علی بعض انتھی ملخصا۔

انوار میں ہے کہ ان ائمہ اربعہ کی طرف منسوب یعنی شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی لوگوں کی دو اقسام ہیں ایک تو عوام ہیں (جن کا کوئی مذہب نہیں ان کا حنفی وغیرہ کہلانا کوئی معنی نہیں رکھتا) دوسرے وہ جو کہ اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں، اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوتا ہے لیکن یہ ان کی طرف صرف اس لیے منسوب ہوئے کہ ان کا اجتہاد اور ترتیب دلائل ان کے موافق ہے۔

اور امام "نووی شرح المہذب" ص ج ا میں فرماتے ہیں کہ

وللمفتی المنتسب اربعۃ احوال احدھا لا یکون مقلد الامامہ لا فی المذھب ولا فی دلیلہ لاتصافہ بصفۃ المستقل وانما ینسب الیہ لسلوکہ طریقہ فی الاجتہاد وادعی ابو اسحاق ھذہ الصفۃ لاصحابنا۔۔۔ ثم قال والصحیح الذی ذھب الیہ المحققون ما ذھب الیہ اصحابنا وھو انھم صاروا الی

مذهب الشافعی لا تقلید اله بل لما وجد وا طرقه فی الاجتهاد والقیاس اسد الطرق ولم یکن لهم بد من الاجتهاد سلکوا طریقه فطلبوا معرفة الاحکام بطریق الشافعی وذکرا ابو علی السنجی بکسر السین المهملة نحو هذا فقال اتبعنا الشافعی دون غیره لانا وجدنا قوله ارجح الاقوال واعدلها لا انا قلدناه قلت هذا الذی ذکراه موافق لما امرهم به الشافعی ثم المزنی فی اول مختصره وغیره بقوله مع اعلامه نهیه عن تقلیده وتقلید غیره انتهی کلام النووی مختصراً۔

کسی امام کی طرف منسوب ہونے والے مفتی کی چار حالتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ امام کا نہ مذہب میں مقلد ہوتا ہے نہ دلیل میں کیوں کہ اس میں مستقل مجتہد کی صفات موجود ہوتی ہیں۔ اور ابو اسحاق شیرازی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہی صفت ہم شافعیوں کی ہے۔ اور پھر کہا کہ ہمارے شافعیوں کے متعلق محققین کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے امام شافعی رہ کے قول کو اختیار کرنے میں اس کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے اس کے طریقہ اجتہاد کو زیادہ مضبوط سمجھا۔ اور ان کو خود اجتہاد کرنا ضروری تھا اس لیے اس کے طریقہ کو تحقیقاً اختیار کیا۔ اور ابو علی رسنجی نے بھی اسی طرح ذکر کیا۔ اور کہا کہ ہم

ملہ ثابت ہوا کہ تقلید و اتباع دو الگ چیزیں ہیں ۔ منہ عفی عنہ۔

نے دوسروں کے بجائے امام شافعی رح کی اتباع اس کے اقوال کو راجح واعدل سمجھ کر کی ہے نہ کہ اس کی تقلید[1] کی ہے یہیں (نووی) کہتا ہوں کہ ان دونوں (ابو اسحاق اور ابو علی) قالہ قول اس کے موافق ہے کہ امام شافعی رح نے اور اس کے شاگرد مزنی نے ان کو اپنی خواہ کسی اور کی تقلید کرنے سے منع کیا ہے۔

اور حافظ ابن القیم رح اعلام الموقعین ص۱۶۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ

ذکر البیھقی فی مدخلہ عن یحیی بن محمد العنبری قال طبقات اصحاب الحدیث خمسۃ المالکیۃ والشافعیۃ والحنبلیۃ والراھویۃ والخزیمیۃ اصحاب ابن خزیمۃ۔

بیہقی نے کتاب المدخل میں یحیی بن محمد عنبری سے نقل کیا ہے کہ اہل حدیثوں کے پانچ طبقے ہیں ۱ مالکیہ ۲ شافعیہ ۳ حنبلیہ ۴ راہویہ ۵ خزیمیہ یعنی جو امام ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں۔

ناظرین! ان عبارات سے بخوبی معلوم ہوا کہ متقدمین سب غیر مقلد اور مستقل مجتہد تھے۔ ان کی نسبت کسی امام کی طرف طریقہ اجتہاد میں موافق ہونے کی بنا پر تھی نہ کہ تقلید کی وجہ سے۔ نیز کسی کے صرف حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، خزیمی اور راہوی وغیرہ مشہور ہونے سے ان کا مقلد ہونا لازمی نہیں آتا بلکہ متقدمین میں شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ وغیرہ سب اہل حدیثوں کے طبقات تھے۔

قولہ ص۱۱۳ س ۲ ہم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سب ائمہ مجتہدین سے افضل سمجھ کر ان کی تقلید کو اختیار کیا" الخ

---

[1] یہ نسبت امام اسحاق بن ابراہیم الحنبلی المعروف بابن راہویہ کی طرف ہے ۱۲ منہ

اقول :۔ جب آپ بھی مقلد ہیں تو پھر آپ کون ہوتے ہیں راجح مرجوح کرنے والے؟ کیا یہی مجتہد ہیں کہ تحقیق کرکے ایک کو افضل سمجھا پھر اس کی تقلید کی کیا مجتہد کو تقلید جائز ہے؟ اس طرح مذاہب میں ترجیح دینا آپ کا منصب نہیں۔

قولہ صـ ۱۱۴ ـ ۴ "اس لیے ہم ان وجوہ کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں کہ جن وجوہ کی بنا پر ہم نے حنفی مذہب کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی ہے"

اقول :۔ ان پر تنقید بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رُخِ زیبا لے کر

قولہ صـ ۱۱۴ ـ ۶ "ترجیح مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ"

اقول :۔ ہر مذہب والا اپنے امام کے لیے ایسی کئی وجوہات بیان کرتا ہے، مگر محقق جو کہ دلیل کا تابع ہے وہ ان ترجیحات یا وجوہ کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ ان کے لیے ترجیح کی وجہ صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ جس کو قرآن و حدیث کی موافقت حاصل ہو اور لیس ثانیاً یہاں جتنی وجوہ بیان کی ہیں کسی ایک سے بھی امام ابو حنیفہ رح کا معصوم عن الخطاء ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے نہ امام صاحب کا "المجتہد یخطی ویصیب" کے درجے سے بالا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ رہی فضیلت سو ہر ایک اللہ کے بندہ کو کوئی نہ کوئی خصوصیت حاصل ہے۔ لہٰذا کسی ایک وجہ سے راجح ہونا کسی کے "احق بالاتباع" ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے معصوم یا تنقید سے بالا ہونے کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا یہ وجوہات بیان کرنا ہی عبث ہے۔ بلکہ وہی دلیل جس سے مصیب اور مخطی کے اقوال میں تمیز ہو سکتی ہے۔ خواہ ابو حنیفہ رح کا ہو یا کسی اور کا کسی کی بھی شخصیت اس میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ آپ کی یہ ایجاد نصوص قرآنی

کے خلاف ہے۔ وہاں ترجیح کے متعلق یہ حکم ہے کہ "فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول" اور آپ نے دوسرا طریقہ نکالا ہے۔

قولہ ۱۱۴ " وجہ اول امام ابوحنیفہ تابعی ہیں متعدد صحابہ کی زیارت کی ہے اور ان سے حدیث روایت کی ہے۔" الخ

اقول :۔ اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ امام صاحبؒ کی کسی صحابی سے روایت ثابت نہیں ہوتی مزید سنیئے امام شعرانی طبقات کبریٰ ص۲۵ ج ا میں لکھتے ہیں کہ :۔

"وکان فی زمنہ اربعۃ من الصحابۃ انس بن مالک وعبد اللہ بن ابی اوفی وسھل بن سعد وابو الطفیل وھو آخرھم موتا ولم یأخذ عن واحد منھم" اھ

امام ابوحنیفہ رحمہ کے زمانہ میں چار صحابیؓ تھے ۱ انسؓ بن مالک ۲ عبد اللہؓ بن ابی اوفی ۳ سہلؓ بن سعد ۴ ابو الطفیل جو سب سے آخر میں فوت ہوئے لیکن امام صاحبؒ نے کسی ایک صحابی سے حدیث نہیں لی۔

ثانیاً ترجیح کی دلیل یہ جب ہوتی کہ تابعی بن جانے سے انسان معصوم عن الخطاء بن جاتا ہو، حالانکہ یہ کسی شئی کا مذہب نہیں کیونکہ تابعین کئی مسائل میں مخطی واقع ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ "اذا جاء عن التابعین زاحمناھم" کما مر۔ اور اسی وجہ سے حنفیوں کے نزدیک تابعین کی تقلید نہیں (تلویح ص۱۰ ج ۲) ثالثاً اگر یہی وجہ ترجیح کی ہے تو پھر امام صاحب کی نسبت اور کبار تابعین تقلید کے زیادہ حقدار ہیں۔ مثلاً عامر بن شراجیل شعبی نے پانچ سو صحابہ سے علم لیا (تہذیب ص۶۶ ج ۵) عطاء بن ابی رباح نے دو سو صحابیوں کی زیارت کی۔ (کتاب الثقات لابن حبان طبقہ ثالثہ) خالد بن معدان الکلاعی کو ستر صحابیوں کی ملاقات کا شرف حاصل ہے۔

(اسماء الرجال مشکوٰۃ ص۲۲۳) حسن بصری ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہؓ کو اور محمد بن سیرین تیس ۳۰ کو پہنچے ہیں۔ (تہذیب الاسماء للنووی ص۹۲ ج ۱) طاؤس یمانی پچاس ۵۰ صحابہ کو پہنچے ہیں (تہذیب ص۹ ج ۵) کثیر بن مرۃ الحضرمی ستر بدریوں سے ملا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۴۵ ج الطبع ۲) اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ صرف انصار میں ایک سو بیس ۱۲۰ صحابہ کو ملے ہیں (تہذیب ص۲۶۱ ج ۶) پھر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

قولہ ص۱۱۲ سطر ۱۱ "اور تابعیت کی فضیلت ائمہ مجتہدین میں سے سوائے امام ابوحنیفہ رح کے اور کسی امام کو حاصل نہیں ہوئی"

اقول: یہ کہ امام صاحب سے پہلے کئی تابعین تھے۔ جو سب مجتہد تھے۔ ذہبی تذکرہ میں پہلا طبقہ صحابیوں کا پھر کبار تابعین کا ذکر کر کے ص۸۰ ج الطبع ۲ میں لکھتے ہیں کہ

"وکان فی ہذا القرن الفاضل خلق عظیم من ائمۃ الاجتہاد"

اسی فضیلت والی صدی میں ائمہ مجتہدین کی بہت بڑی مخلوق موجود تھی۔

قولہ ص۱۱۳ سطر ۱۳ "شیخ جلال الدین السیوطی تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رح میں لکھتے ہیں "قد الف الامام عبد الکریم الشافعی جزءً ایروی الامام ابوحنیفۃ عن الصحابۃ" الخ

اقول: سیوطی نے اس رسالہ سے سندیں نہیں نقل کیں ثانیاً خود سیوطی نے اس کو رد کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

لکن قال حمزۃ السہمی سمعت الدارقطنی یقول لم یلق أبو حنیفۃ أحدا من الصحابۃ إلا أنہ رای أنسا بعینہ ولم یسمع منہ وقال الخطیب لا یصح لأبی حنیفۃ سماع من أنس (تبییض الصحیفہ ص۱۲۱ بر ہامش کشف الاستار)

لیکن حمزہ سہمی کہتے ہیں کہ میں نے امام دار قطنی سے کہتے سُنا کہ امام ابو حنیفہ رح کسی ایک صحابی کو نہیں ملے انھوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا لیکن اس سے سُنا کچھ نہیں اور امام خطیب نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رح نے انس سے نہیں سُنا۔"

پھر حافظ عراقی سے نقل کرتے ہیں کہ

الإمام أبو حنيفة لم يصح له رواية عن أحد من الصحابة

(صفحہ مذکور)

امام ابو حنیفہ رح کی کسی ایک صحابی سے روایت صحیح نہیں ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رح سے ثابت کرتے ہیں کہ جو بھی ایسی روایتیں ہیں جن میں امام ابو حنیفہ رح کی کسی صحابی سے روایت ہے۔ وہ صحیح نہیں۔ اور خود سیوطی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور پھر جو اسانید نقل کی ہیں، ان میں سخت جروح واقع ہیں۔

قولہ ص ۱۱ س ۱ "امام خوارزمی مسند میں فرماتے ہیں "

اقول:۔ مسند خوارزمی میں جتنی ایسی روایتیں مقدمہ میں مذکور ہیں ان کی سندیں سخت مجروح ہیں۔ کما مر۔ اور عجیب یہ ہے کہ خوارزمی نے دعویٰ کیا ہے کہ ابو حنیفہ رح کی صحابہؓ سے روایت علماء کا اتفاق ہے۔ حالانکہ اقوال اہل شان اس کے خلاف وارد ہیں۔ کما ذکر۔

قولہ ص ۱۱ س ۳ " وجہ دوم علم اور فہم اور استنباط اور زہد اور ورع اور تقویٰ میں ابو حنیفہ رح بے مثل اور بے عدیل تھے " الخ

اقول:۔ یہ غلو ہے۔ دوسرے بھی انہی صفات سے بدرجہ اتم موصوف تھے۔ بقیہ تین ائمہ کے متعلق حالات دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور سب اسی میدان میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ یہاں آپ نے تین بزرگوں کے اقوال ذکر کیے ہیں، امام شافعی رح کے متعلق تو پہلے بحث گذر چکی اور

سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہوا یہ قول کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ علامہ سنبھلی نے تنسیق النظام ص۸ میں بعض علماء کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اولاً نہ سند مذکور ہے نہ کتاب کا حوالہ ہے۔ ثانیاً بعض علماء کا پتا بھی نہیں کہ کون ہیں کس پائے کے ہیں کس سے سنا کس سے نقل کیا۔ ایسی مجہول بات مقبول نہیں ثالثاً اس کی تکذیب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امام سفیان ثوری امام ابوحنیفہ اور اہل الرای کی مجلس یا صحبت میں بیٹھنے سے ہی منع کرتے تھے (جیسا کہ اوپر بحوالہ تاریخ بغداد ص۴۱۲ ج۳ گذرا۔ اور علی بن عاصم کا قول " مناقب موفق" ص۱۸ ج ا ص۱۴۷ ج ۲ میں مذکور ہے۔ پہلی سند میں محمد بن شجاع الثلجی ہے جو مشہور کذاب جھوٹی حدیثیں بنانے والا اور غلط عقیدہ رکھنے والا تھا۔ اور قرآن کو مخلوق کہتا تھا۔ اس کا ترجمہ تہذیب ص۲۲۰ ج ۹ اور میزان ص۵۷۷ ج ۳ میں دیکھیں۔ اور دوسری سند میں وہی استاد ابو محمد بخاری سنید مرتی کذاب ہے جس کا حال اوپر بیان ہوا نیز دونوں سندیں مجہول ہیں، ان کے راویوں کا کوئی پتا نہیں لگتا۔ ایضاً یہ کتاب المناقب جس سے مصنف رسالہ اکثر نقل کرتا ہے۔ وہ خود معتبر نہیں کیونکہ اس کا مصنف موفق بن احمد الخوارزمی مشہور شیعہ تھا، اہل سنت میں سے نہیں۔ حافظ ذہبی "المنتقی" ص۴۶۳ میں لکھتے ہیں کہ

> نعم روایۃ الموفق خطیب خوارزم لاتدل علی الثبوت کیف وقد حشی تألیفہ بالموضوعات التی یتعجب منہا المحدث الصادق ویقول سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

صرف موفق کا کسی بات کو نقل کرنا اس کے ثبوت کی دلیل نہیں کیونکہ اس نے اپنی تصنیفات کو بناوٹی روایتوں سے بھر دیا ہے۔ جن کو سچا محدث دیکھ کر تعجب کرے گا اور یہی آیت پڑھے گا کہ (ترجمہ) اے مولا تیری شان پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

اور دوسری جگہ صفحہ ۲۱۳ پر لکھتے ہیں کہ

لہ مصنف فی ھذا الباب فیہ من المکذوبات مالا یوصف

اس باب (مناقب اہل بیت) میں موفق کی ایک کتاب ہے اس میں اتنی جھوٹی

باتیں ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔

اور صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ ان کی نقل کی ہوئی بات بالاتفاق دلیل نہیں بن سکتی۔ الحاصل موفق کی روایتوں پر کوئی

اعتماد نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۱۵ سطر ۱۹ "اس زمانہ کے علماء اور مشائخ نے جو جو ابو حنیفہ کے علم اور عقل اور فہم اور استنباط الخ

اقول :۔ اکثر روایتیں سب اس موفق کی کتاب سے لی جاتی ہیں جس کی نقل پر کوئی بھروسہ نہیں۔

ایضاً امام صاحب کے ہم زمان کبار نے جو آپ کے حق میں کیا ہے اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ ایضاً ہم بھی آپ کو

مشورہ دیتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ مالک شافعی اور احمد کے مناقب پر کئی تصانیف جمع ہیں ان کو دیکھیں پھر مقابلہ

کریں خاص کر ابن عبد البر کا "الانتقاء" جس میں تین اماموں ابو حنیفہ، مالک اور شافعی کا ذکر ہے۔

ستبدی لک الأیام ما کنت جاھلا

یاتیک بالأخبار ما لم تزود

ایضاً تواتر کا دعویٰ تو بجائے خود بڑا اختلاف رہا۔ تاریخ بغداد میں امام صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ صفحہ ۱۱۶ سطر ۶ "وجہ سوم" الخ

اقول :۔ اس وجہ میں مصنف نے یہ ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے امام صاحب نے شریعت کو

مدون کیا۔ اس کی بنیاد سیوطی کی کتاب "تبییض الصحیفہ" کی ایک عبارت پر ہے جس کے ترجمہ میں

مصنف لکھتا ہے کہ

"بعض علماء نے جنھوں نے مسند ابی حنیفہ کو جمع کیا ان کا قول ہے کہ ابو حنیفہ کے ان

مناقب میں سے جس کی بنا پر وہ منفرد ہیں ایک منقبت یہ ہے کہ ابوحنیفہ رح ہی "اول شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا" الخ

اور یہ عبارت دراصل مسند الخوارزمی سے لی گئی ہے جو کہ اسی میں ص۳۲ ج ا پر مذکور ہے۔ لیکن صاحب رسالہ نے بلا تحقیق ایسے ہی لکھ دیا تحقیق نہیں کی کہ خوارزمی کے اس کلام کی بنا کس پر ہے۔ سنو! اس نے چار دلیلوں پر اس کی بنا رکھی ہے۔ ہم ان کو نقل کر کے حقیقت پیش کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہو جائے۔ پہلی دلیل یہ ہے قال انبانی الشیخ الثقة احمد بن المفرج بن احمد بن مسلمة بدمشق عن ابی الفتح محمد بن عبد الباقی اجازة عن ابی الفضل بن خیرون عن القاضی الصمیری قال اخبرنا عمر بن ابراهیم حدثنا مکرم اخبرنا احمد بن عطیة حدثنا ابو سلیمان الجوزجانی قال لی احمد بن عبد الله قاضی البصرة نحن البصریون بالشروط من اهل الکوفة فقلت له ان الانصاف بالعلماء احسن انما وضع هذا ابوحنیفة فانتم زدتم ونقصتم وحسنتم الالفاظ ولکن هاتوا شروطکم وشروط اهل الکوفة قبل ابی حنیفة فسکت ثم قال التسلیم للحق اولی من المجادلة فی الباطل" اور یہ روایت ہی بناوٹی ہے۔ اولاً احمد بن علیہ بے شرم جھوٹا جس کے متعلق حافظ ابن عدی نے کہا کہ جھوٹی روایتیں نقل کرنے میں ایسا بے شرم کوئی دوسرا نہیں۔ اس کا ترجمہ اوپر بیان ہوا۔ ثانیاً عمر بن ابراہیم بھی جھوٹا ہے امام دارقطنی نے کہا ہے کہ "کذاب خبیث" اور خطیب نے "غیر ثقہ" کہا ہے (میزان ص۲۲۹ ج۲) اور ابن عقدہ نے ضعیف اور ابن القطان نے مجہول کہا ہے۔ (لسان ص۲۸۰ ج۴) ثالثاً محمد بن عبد الباقی بنات خود معتزلی تھا۔ اور دینی معاملہ میں پختہ نہ تھا (لسان ص۲۴۱ ج۵) رابعاً نیز

سنا ئیں بعض رواۃ مجاھیل ہیں۔ پس ایسی جھوٹی روایت پر اعتماد رکھنا اہل علم کا کام نہیں۔ نیز اس کے الفاظ بھی کافی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً "زدتم ونقصتم وحسنتم الالفاظ" اس سے ظاہر ہے کہ علی التقدیر امام صاحب کا مدون علم ناقص اور قابل اتمام تھا اور نیز اس میں بعض ایسے غلط فتوے تھے جس کو نکالا گیا۔ اور بعض الفاظ اچھے نہیں تھے ان کو درست کیا گیا۔ اس سے ص۱۸ پر زیر عنوان "خلاصہ کلام" آپنے جو کچھ لکھا ہے سب باطل ہوگیا۔ کیونکہ امام صاحب نے بھی دین کا اتمام نہیں کیا۔ دوسری دلیل ابن سریج کا قول نقل کیا ہے۔ لیکن وہ بلا سند اور اس میں بھی یہ ہے امام صاحب کے علم کو بعض نے خطاء کہا بعض نے صواب (مسند الخوارزمی ص۳۵ ج ۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے علم پر لوگ متفق نہیں تھے۔ اور آپ کا علم قابل تقلید نہیں بلکہ قابل تحقیق وتنقید تھا۔ اور تیسری دلیل ابوبکر رازی کا قول ہے حالانکہ جو اس نے کہا ہے وہ خود دلیل کا محتاج ہے چہ جائیکہ اس کا قول دلیل سمجھا جائے۔ اور چوتھی دلیل امام شافعی کی طرف منسوب قول کہ "الناس عیال علی ابی حنیفۃ" حالانکہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی ہے کہ یہ قول سنداً امام شافعیؒ سے ثابت نہیں۔ خوارزمی نے جس سند سے نقل کیا ہے اس میں وہی بے شرم جھوٹا ابن الصلت ہے یہ تھی حقیقت اس عبارت کی جس پر بناء رکھی گئی۔ ایضاً یہ ایسی تصنیف تھی جو دنیا میں یادگار رہتی اور امام صاحب کے علم کا پتہ دیتی۔ لیکن وہ کہاں غائب ہوگئی؟ ایضاً خود امام شافعیؒ کو اس کا اول بانی کہا گیا ہے چنانچہ حیوٰۃ الحیوان ص۲۳۱ ج ا میں علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ "وھو اول من تکلم فی اصول الفقہ واستنبطہ۔ اھ" یعنی سب سے پہلے امام شافعیؒ ہی نے اصول فقہ پر کلام کیا اور فقہ کا استنباط کیا۔

قولہ ص۱۹ ا س ۱۲ وجہ چہارم الخ

اقول: یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے چالیس ارکان دو شرکا کے مشورہ سے فقہ کو

مدون کیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ

"مسائل کا چالیس علماء وصلحاء کے مشورہ سے طے پانا یہ فقہ حنفی کی خاص"
"خصوصیت اور خصوصی امتیاز ہے بخلاف فقہ مالکی اور فقہ شافعی اور فقہ"
حنبلی کے سووہ امام مالک رح اور امام شافعی رح اور امام احمد کی شخصی رائے
اور ذاتی اجتہاد" کا ثمرہ ہے۔ اس نوع کی مجلس کسی امام اور مجتہد کو نصیب
نہیں ہوئی" ۱۲ صنہ ۱۳

اوّلاً اس واقعہ کا صحیح سند سے ثبوت چاہیے۔ ثانیاً یہ کتاب کہاں گم ہو گئی۔ کیا موجودہ فقہ حنفی اس کے خلاف ہے؟ علماء حنفیہ جن میں بقول شما بڑے بڑے علماء وفقہاء اور محققین گذرے۔ اور مذہب احنفیہ کو امراء وسلاطین کی حمایت رہی پھر بھی کیوں نہیں محفوظ رہا؟ ثالثاً جن چالیس ساتھیوں کے مشورہ سے مسائل جمع کیے گئے کیا سب نے اتفاق کر کے لکھا یا ان کا اختلاف رہا، علی الاول خلاف واقعہ ہے کیونکہ ان سب ائمہ کا آپس میں اختلاف مشہور ہے۔ وعلی الثانی پھر اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ کیا خبر کہ کونسا قول صحیح اور مدلل ہے لامحالہ آیت "فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول" پر عمل ہوگا۔ رابعاً برایں صورت یہ مذہب حنفی تو نہ ہوا بلکہ شورائی مذہب ہوا۔ خامساً اگر کہو گے کہ اس کتاب کے مسائل فقہ حنفی کی کتابوں میں مشورہ ہیں تو بھی غلط ہوگا اس لیے کہ فقہ میں امام صاحب کے کئی مختلف اقوال ہیں۔ اگر ایسی کوئی کتاب تصنیف کی ہوئی ہوتی اور فقہ کی کتب اس سے ماخوذ ہوتیں تو امام صاحب سے ایک ہی روایت ہوتی۔ سادساً اگر کہو گے کہ ان میں بعض مرجوع عنہ اقوال ہیں لہذا وہ منسوخ ہیں تو بھی کارآمد نہ ہوگا کیونکہ خبر نہیں کونسا پہلا قول ہے کونسا ثانی اور کونسا ناسخ ہے کونسا منسوخ کیوں کہ اصل کتاب موجود نہیں لہذا یہ مذہب موہوم ہوا۔ سابعاً علی التقدیر اگر اس بلاسند واقعہ کو تسلیم بھی کر لیں۔ تو بھی جبراً کہنا پڑیگا

کہ موجودہ فقہ حنفی اس کے خلاف ہے۔ ورنہ حنفیہ اس کو محفوظ رکھتے، کیونکہ فقہ کا اصل و ماخذ تو بقول شما یہی ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اصل کتاب لائیں، مگر قیامت آ جائے گی علماء حنفیہ وہ کتاب نہیں لا سکتے۔ ثانیاً بلکہ اس کا محفوظ نہ رہنا مشیت ایزدی ہے جس کا کوئی مسلم انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اس کے چند فوائد بھی ہیں۔ ایک یہ کہ پوری دنیا کے لیے جو کتاب ماخذ کی حیثیت رکھتی ہو وہ قرآن و حدیث ہے۔ اس کے ساتھ شرکت کسی کی خدا کو منظور نہیں۔ دوم یہ کہ اگر یہ قابل اتباع و واجب الاخذ ہوتا، تو خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا انتظام کرتا۔ سوم یہ کہ ایسی کتابوں کو محفوظ نہ رکھنا صاف بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ میرے بندے تقلید کے پھندے میں رہیں، بلکہ اجتہاد کریں۔ تاسعاً شورہ سے مسائل طے کرنا ہماری اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ جہاں نص نہ ملے تو دوسرے علماء سے مشورہ کیا جائے تاکہ کہیں نہ کہیں دلیل مل جائے نہ کہ ایسے وقت قیاس کیا جائے۔ عاشراً علی التقدیر اس وجہ سے حنفی مذہب کی ترجیح ثابت ہونا تو کجا بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ دوسرے ائمہ بذات خود مسائل وضع کرنے کی قدرت رکھتے تھے اور ان کے علم کو بھی دنیا نے قبول کیا۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ بذات خود ایسی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ جب ہی تو دوسروں سے مشورہ کیا۔ لہٰذا انہی کا مذہب راجح ہوگا۔

تنبیہ ۔ مصنف رسالہ نے صفحہ ۱۲ پر جو لکھا ہے کہ چالیس کا عدد "یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین" کے مطابق ہے۔

اس پر بھی بحث ہے۔ اولاً یہ بات ہی صحیح نہیں تفسیر ابن کثیر ص۳۴۳ ج ۲ میں ہے کہ

وقد روی عن سعید بن المسیب وسعید بن جبیر أن هذه الآیة نزلت حین اسلم بن الخطاب وکمل به الأربعون وفی هذا نظر لأن هذه الآیة مدنیة واسلام عمر کان بمکة

بعد الهجرة الی ارض الحبشة وقبل الهجرة الی المدینة

واللہ اعلم۔

سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لایا اور اس کے اسلام سے چالیس مسلمانوں کا عدد پورا ہوا۔ لیکن اس بات میں تأمل و تنظر ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت مدنی ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا تھا۔

وھکذا فی تفسیر جامع البیان للسید معین الدین ص۱۵۱ ہامش جلالین وتفسیر المنار ص۸۶ ج۱۰۔ ثانیاً علی التقدیر اس پر قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ عدد اس اعتبار سے تھا۔ کہ وہ مؤمن تھے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع تھے۔ اور یہاں تو امام صاحب کے ہم پلہ اور اپنے اجتہاد سے ردو قدح کرنے والے تھے۔

قولہ ص۱۲ س۱ "وجہ پنجم"

اقول :۔ اس وجہ میں مصنف لکھتا ہے کہ

دقت نظر کی وجہ سے علماء کی جو نکتہ چینی فقہ حنفی پر ہوئی وہ کسی فقہ پر نہیں ہوئی۔ حالات اور واقعات سے صاف روشن ہے کہ اس زمانہ کے تمام محدثین اور فقہاء کی نظر میں صرف ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پر رہی تھی۔ اور فقہ ابی حنیفہ ہی سب کا نشانہ بنا ہوا تھا" ص۱۲ س۱

ہر ایک جانتا ہے کہ کسی چیز کی تنقید پر محدثین وفقہاء کا مجتمع ہونا اور سب اس کو نشانہ بنائیں یہ اس کی توہین اور تردید کے لیے کافی ہے۔ جب خود مانتے ہو کہ اتنی تنقید کسی پر نہیں ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا

کہ دوسری فقہیں بنسبت فقہ حنفی کے محدثین و فقہاء کے نزدیک کہیں بہتر اور اچھی تھی۔ پھر مصنف رسالہ اس وقت ہر قسم کے علماء کی کثرت کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ

"ایسے ماحول میں فقہ حنفی مدون ہوئی کہ علوم و فنون کے علماء" وفضلاء کی نظروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی گویا کہ محدثین اور مفسرین" "اور اولیاء و عارفین کی نظر میں سوائے فقہ حنفی کے کوئی اور فقہ قابل" "التفات ہی نہ تھی۔" صلا۱۲ سطر ۱

لیکن پھر بھی تنقید و تردید کی۔ جیسا کہ آپ نے خود تصریح کی۔ پس جو فقہ علماء فقہاء مفسرین اور اولیاء کی نظر میں قابل تنقید اور ان کا نشانہ بنا ہوا ہو۔ تو یہ اس کی ترجیح دینے کے بجائے مرجوح بناتا ہے۔ اور برعکس یہ وجہ تو دوسری فقہوں کو ترجیح دیتی ہے۔

قولہ ص۱۲ "وجہ ششم"

اقول :۔ اس وجہ میں ذکر کیا ہے کہ

بسیط ارض پر جس قدر امت محمدیہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آباد ہے اس آبادی کا دو ثلث (دو تہائی) حصہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ کی مقلد اور متبع ہے۔ اور ابو حنیفہ رحمہ کے توسط سے کتاب و سنت کا اتباع کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچ رہی ہے اور بقیہ ایک ثلث میں تینوں امام امام مالک رحمہ امام شافعی رحمہ امام احمد رحمہ سب شریک ہیں۔" الخ

لیکن علامہ مفتی شفیع صاحب دیوبندی نے مقدمہ منجد اردو ص۱۲ میں تصریح کی ہے کہ امام شافعی آدھی دنیا کا متبوع امام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ باقی مذاہب جن میں تین مذاہب حنفی، مالکی اور حنبلی کے علاوہ جتنے فرقے ہیں مثلاً جہمیہ معتزلہ قدریہ شیعہ، قادیانی بہائی یہودی نصرانی

مجوسی، سکھ، بدھ دھرم وغیرہ سب فرقے آ جاتے ہیں، اب غور کریں کہ حنفی مذہب کی آبادی کتنے حصہ میں باقی رہی ؟ ثانیاً اکثریت کوئی دلیل نہیں جس سے کسی چیز کی حقانیت معلوم ہو۔ قرآن میں ہے کہ :- ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ (الانعام ع ۱۴ ث)
بلکہ اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو بھی بوجہ کثرت مذہب شافعی راجح رہا۔ ثالثاً اکثریت کو دلیل کہیں تو لازم آئے گا کہ جس علاقہ میں جو مذہب زیادہ ہو (جیسا کہ آپ نے بھی کچھ ایسی تفصیل لکھی ہے) وہاں وہی راجح اور حق ہوگا۔ رابعاً بلکہ یہ لازم آئے گا کہ کسی بھی مذہب والا اگر ایسی جگہ پر جائے جہاں دوسرے مذہب کے اتباع کی کثرت ہو اس کو اختیار کرے۔ خامساً اس سے تو قرآن مجید کی آیت "فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول" کا حکم باطل ہو جاتا ہے کیونکہ آیت اس قول و مذہب کو ترجیح دیتی ہے جو قرآن و حدیث سے موافق ہو۔ اور آپ کا کہنا ہے کہ جس کو کثرت حاصل ہو لہٰذا یہ وجہ بوجہ خلاف ہونے آیت قرآنی کے باطل ہوئی اور پھر صفوں والی حدیث سے بھی اس کی تشبیہہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس کی بنا کثرت پر ہے، اور وہ شافعیہ کو حاصل ہے۔ کما مر۔ ایضاً یہ غلو اور تجاوز ہے کیونکہ اس کا مطلب کہ بوجہ کثرت قیامت کے روز حنفیوں کی صفیں دوسری صفوں میں بلحاظ مرتبہ راجح ہوں گی۔ حالانکہ ان صفوں میں نہ صحابہؓ ہوں گے نہ تابعی کیونکہ امام صاحب ان کے بعد آئے ہیں پس کیا حنفیہ کی صفیں صحابہؓ و تابعین کی صفوں سے افضل ہوں گی ؟ نعوذ باللہ من ہذا الغلو۔ بلکہ برعکس یہ معلوم ہوا کہ دوسری صفیں اس سے راجح ہیں۔ فتدبر !۔

قولہ صفحہ ۱۲۲ سطر ۱ " درجہ ہفتم ":-

اقول :- اس کو یوں بیان کیا ہے کہ

" شریعت کے اصول اور قواعد کا انضباط اور استحکام اور جامع "، " ومانع ہونا

جس قدر فقہ حنفی میں پایا جاتا ہے دوسرے مذاہب میں" "اس کی

نظیر تو درکنار اس کا عشر عشیر بھی نہیں" الخ

یہ بات تو آپ ان کو بتا سکتے ہیں، جن کا علم نور الانوار و مسلم الثبوت سے آگے نہیں۔ لیکن جن کو سب کی کتابوں کا مطالعہ نصیب ہوا ہے وہ آپ کی اس بات پر کوئی توجہ نہیں دیں گے کیونکہ سب نے اپنی حسب طاقت کوشش کی ہے۔ مالکی مذہب میں ابن حاجب کی کتابیں دیکھیں۔ شافعی میں شرح المہذب للنووی وغیرہ اور حنبلی میں المغنی وغیرہ دیکھیں پھر موازنہ کریں۔ بالخصوص امام ابن حزم کی کتاب "المحلی" پھر "الاحکام فی اصول الاحکام" مطالعہ کریں پھر اندازہ کریں کیا انھوں نے کمی کی ہے۔ اس طرح اگرچہ بعض شوافع نے حنفیت اختیار کی ہے۔ تو کئی حنفیوں نے حنفیت کو چھوڑ کر بعض نے شافعیت کسی نے مالکیت کسی نے حنبلیت اور کسی نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ طبقات کی کتابوں سے ظاہر ہے اور لکھنوی نے "الفوائد البہیہ ص۱۷۲ میں شمس الدین ابن الصائغ کا حنفیت کو ترک کر کے شافعی بننا ذکر کیا ہے۔

قولہ ص۱۲۲ تا ۱۲۶ "وجہ ہشتم"

اقول :- اس وجہ میں صرف جامعیت ذکر کی ہے لیکن یہ تو سب میں موجود ہے۔ اور کسی اہل علم سے مخفی نہیں، ہاں فقہ حنفی میں بعض ایسی جزئیات ہیں جن کا وجود میں آنا اب تک ممکن نہیں اور ایسے مسائل پوچھنے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے اور امیر عمر رضی اللہ عنہ ایسے مسائل جو کہ ہوئے نہ ہوں ان کے پوچھنے والے پر لعنت بھیجتے تھے (حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۷۱ ج ۱) پھر مصنف لکھتا ہے کہ

"پھر یہی وجہ ہے کہ سلاطین عالم اکثر حنفی ہی رہے۔"

لیکن یہ صرف اس لیے کہ فقہ حنفی میں کئی ایسے مسائل ہیں جن سے بادشاہوں اور امیروں

کے مظالم کو تقویت پہنچتی ہے۔ اور ان کی من مانی پوری ہوتی ہے مثلاً جبریہ طلاق کا مسئلہ پس جب بادشاہ یا امیر کو کسی کی بیوی پسند آگئی اس کو دھمکی دے کر طلاق دلوادی۔ اور بموجب مذہب حنفی طلاق پڑ گئی اور اس کا مطلب پورا ہو گیا۔ اور باقی تین مذہبوں شافعی مالکی حنبلی کی فقہوں کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اب سوچیں کہ سلاطین و امراء کے ہاں کونسا مذہب مقبول ہو سکتا ہے۔ اور کون سی فقہ ان کے ہاں قابل عمل ہو سکتی ہے؟ ثانیاً یہی مذہب حنفی کے پھیلنے کی وجہ ہے کہ سلاطین و امراء کی وجہ سے کئی لوگ حنفی ہوئے۔ مثلاً ابوالمناقب ابوالعنظ پہلے شافعی تھے صرف بادشاہ کے ہاں جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کی خاطر اس نے حنفیت اختیار کی۔ کمانی الجواہر المضیئہ للقرشی الحنفی" ص ۸۰ ج ۲ اور امام ابو یوسف کے ہارون رشید کے زمانے میں قاضی مقرر ہونے سے بھی امام ابو حنیفہ رح کا مذہب عراق خراسان اور ما وراء النہر کے علاقوں میں ظاہر و مشہور ہوا (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۶ ج ۱) پس کسی مذہب کا سلطنت و حکومت کے زور سے شائع و مشہور ہونا اس کے راجح ہونے یا مقبولیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ راجح وہی ہے جو کسی زور کے بغیر مقبول ہو۔

قولہ ص ۲۳ ۱۲ س ۔ "وجہ نہم"

اقول :۔ اس وجہ میں مصنف رسالہ نے یہ لکھا ہے کہ ائمہ نے امام ابو حنیفہ رح کی فقہ سے استفادہ کیا ہے حالانکہ گذشتہ صفحات میں ثابت کیا گیا کہ استفادہ کی نسبت صحیح نہیں۔ بلکہ اکثر ائمہ نے مخالفت کی۔ ایضاً خود آپ نے بھی وجہ نہم میں ذکر کیا ہے کہ اکثر ائمہ تفسیر و حدیث و فقہ اور اولیاء اللہ سب نے اس پر تنقید کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رح نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ اس کی تردید بھی گذر چکی ہے۔ اسی طرح امام بخاری کی طرف جو استفادہ کی نسبت ہے اس کی بھی حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

قولہ ص ۲۲۱ "کتاب و سنت کے اصول و فروع اور شریعت کے کلیات اور جزئیات کو جس طرح امام ابو حنیفہ رح نے مبوب اور مرتب کیا ہے۔ دنیا میں اس کی نظیر تو کیا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔"

اقول: لیکن یہ اتنی اہم کتاب دنیا میں کہیں موجود بھی ہے؟ بقول شما اکثریت حنفیوں کی اور سلاطین و امراء کی پشت و پناہ بھی حنفیت کو حاصل تھی پھر کہاں غائب ہو گئی۔

قولہ ص ۲۲۱ "صحیح بخاری باوجود جامع صحیح ہونے کے شریعت کے تمام اصول و فروع کو حاوی نہیں" الخ

اقول:۔ ان کے ابواب و تراجم میں اکثر مسائل آ جاتے ہیں بعض مسائل دوسری کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اور بحمد اللہ متبع السنۃ اہل الحدیث کو فن حدیث کی کتابیں دوسری کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہیں۔

قولہ ص ۲۲۱ "اور نہ عبادات اور معاملات کے تمام مسائل معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً نماز کے فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات کی تفصیل جیسے ائمہ اربعہ کی فقہ سے ہو سکتی ہے۔ وہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے ابواب سے معلوم نہیں ہو سکتی۔"

اقول:۔ اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ ابھی آپ نے خود چاروں فقہوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ وجہ فقہ حنفی کی ترجیح کے لیے نہیں رہی۔ ثانیاً مسائل کی تفصیل اگر احادیث میں نہیں ہے تو فقہ کی بنا پھر کس پر رہی۔ اور اگر ہے تو پھر کیوں نہیں مل سکتی۔ ثالثاً یہ سب عدم مطالعہ کی بنا پر ہے ورنہ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والا اور نبوی سرچشمہ سے براہ راست مستفیض ہونے والا دوسری کتابوں کا محتاج نہیں رہتا۔ رابعاً ان چار کے علاوہ شیعوں کی فقہ میں بھی مسائل کی تفصیل ملتی ہے۔ دیکھو من لا یحضرہ الفقیہ اور اصول کافی

اور "فروع کافی" اور "تحفۃ العوام" وغیرہ ان میں مسائل مفصل مذکور ہیں پس کیا اس فقہ کو بھی تفصیل کی بنا پر ان چار فقہوں کے ہم پلہ قرار دو گے ؟ خامسا علماء اہل حدیث نے جو مسائل کی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً "المحلی" و "الاحکام لابن حزم" "الدرر المضیئۃ" "ارشاد الفحول" للشوکانی "الروضۃ الندیۃ" "حصول المامول" النواب جن میں مسائل اصولیہ خواہ فرعیہ بالتفصیل موجود ہیں اور بدون تقلید مذہب کے اور بلا رد و رعایت کسی رائے کے دلائل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں کیا وہ ان فقہوں سے بھی کم ہیں۔ سادسا دراصل اس باب میں کتب احادیث کو اہل علم ترجیح دے گا۔ کیونکہ ان میں ابواب کے اندر مسائل پھر ان کا استدلال احادیث سے کیا گیا ہے جن کو اللہ نے تحقیق کے زیور سے مزین کیا ہے۔ اور تقلید کے پھندے سے بچایا ہے۔ وہ اسی سے استفادہ کریں گے مگر جن کے اندر کاہلی اور "خواہ مخواہ" "لا اعلم" کا وظیفہ ان کی زبان پر ہے وہ اس تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ وہ صرف فقہی الواب پر کفایت کریں گے۔ ان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ روایات دیکھیں پھر ان کی اسانید کی تحقیق کریں۔ اور پھر ثابت ہو چکا ہے کہ مقلد عالم نہیں پس بے علم کا کام ہے کہ صرف اقوال پر قناعت کرے۔

قولہ ص ۱۲۵ سطر ۱۹ "نیز امام بخاری کا مقصد صحیح بخاری میں روایت اور درایت دونوں کو جمع کرنا ہے۔ (الی قولہ) یہ سب امام ابو حنیفہ کی مدح میں رطب اللسان ہیں ص ۱۲۴ سطر ۱۱

اقول : الحمد للہ اتنا تو مان لیا کہ بخاری شریف روایت و درایت دونوں کو جامع ہے۔ پھر کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ ان کتب حدیث کو چھوڑ کر فقہی کتابوں کو دیکھا جائے۔ باقی یہ الزام پہلے غلط کر دیا گیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اہل الرای کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ اس طرح اس کی بھی تردید ہو چکی کہ امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن معین رح اور احمد بن حنبلؒ ابو یوسف کے شاگرد ہیں یا امام محمد کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے بلکہ انھوں نے ان دونوں پر جرح کی ہے۔

دیکھو لسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵ ص ۳۰۱ ج ۲ اور امام احمد رح نے تو صاف تصریح کر دی کہ امام ابو حنیفہ رح کے ساتھیوں کو علم حدیث میں کوئی بصیرت حاصل نہیں۔ کما مر۔ ایضاً امام شافعی کی طرف امام محمد رح سے بقدر بختی اونٹ علم لینے کی نسبت بھی صحیح نہیں۔ کما مر۔ اور جن محدثین کے نام لیے ہیں کہ وہ امام صاحب کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اکثر آپ پر جرح و قدح کرتے تھے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اوپر گذرا۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخ بغداد کا مطالعہ کریں۔ خلاصۂ کلام یہ بھی ترجیح کی وجہ نہیں۔ ایضاً امام ابو حنیفہ رح نے حماد بن ابی سلیمان سے استفادہ کیا۔ اور دوسروں سے بھی کیا پس ان کی فقہ کو امام صاحب کی فقہ پر ترجیح کیوں نہیں دیتے؟ مثلاً حماد بن ابی سلیمان کا قول ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو وہ نماز واپس لوٹا دے (سنن ترمذی ص ۵) اور فقہ حنفی اس کے خلاف ہے۔ اب کس کو ترجیح دو گے؟

قولہ ص ۱۳ "نیز امام بخاری رح کی اعلیٰ ترین روایت ان کی بائیس ثلاثیات ہیں۔ (الی قولہ) اب فرق کا تو اندازہ کرو"

اقول:- ہم نے اندازہ کر لیا ہے کہ ایک طرف حدیث و اقوال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہے۔ فرضینا قسمۃ الجبار فینا۔ وہی بات ہے جس کی خواہ مخواہ تکرار کی گئی ہے۔ اور اس کا تفصیلی جواب پہلے گذر گیا۔ سند کا عالی یا نازل ہونا ثانوی درجہ رکھتا ہے مگر دراصل امر سند کی صحت پر موقوف ہے۔ اور دنیا مانتی ہے کہ سب سے صحیح سند احادیث بخاری کی ہے۔ اتنا ہی اس کی ترجیح کے لیے کافی ہے۔ ایضاً صحیفہ ہمام بن منبہ چھپ چکا ہے جس میں صرف وحدانی روایات ہیں۔ کیا آپ اس کو امام صاحب کی روایات پر ترجیح دیں گے؟ ایضاً اس کے علاوہ سلف میں کئی سنن مسانید اور جوامع تھے۔ مثلاً سنن سعید بن منصور سنن ابن جریج سنن ابی قرۃ موسیٰ بن طارق

الزبیدی مسند ابی داؤد الطیالسی مسند حمیدی، مسند اوزاعی اسی طرح مصنفات سفیان ثوری حماد بن سلمۃ ہشیم ابن المبارک اور جریر بن عبد الحمید الضبی وغیرہم۔ جن کی اسانید ثنائی و ثلاثی ہیں کیا ان کو بھی امام ابوحنیفہ رح کے برابر کہو گے۔ یا ان کی کتابوں کو امام صاحب کی فقہ یا مسند کے برابر کہو گے؟

قولہ۱۲۵ ص۔ ”وجہ دہم“

اقول :۔ یہاں ایک حدیث کا ترجمہ یوں ذکر کیا ہے کہ

”جب یہ آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم نازل ہوئی تو اس وقت“ ”سلمان فارسیؓ ہم میں موجود تھے۔ ہمارے بار بار پوچھنے پر حضور پُرنور“ نے سلمان فارسیؓ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ ایمان ثریا پر بھی ہوتا (اتنا بلند ہوتا جتنا کہ ثریا خاک ثریٰ سے بلند ہے) کوئی شخص یا“ ”یہ فرمایا کہ ایک شخص ان اہل فارس میں سے اس کو پہنچ جاتا یعنی اس کو لے لیتا“

پھر جلال الدین سیوطی کے حوالہ سے اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ رح کو بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں لوجوہ۔ اولاً روایت میں جمع کا لفظ ہے یعنی ”رجال“ ہے جس روایت میں رَجُلٌ اور رِجَالٌ شک سے وارد ہے وہ دوسری روایتوں جن میں رِجَالٌ بلاشک مروی ہے ان سے تعیین ہو جاتی ہے۔ خود صحیح بخاری میں اسی حدیث کے بعد دوسری روایت ابوہریرہؓ سے ہے جس میں جمع کا لفظ ہے کہ ”لنالہ رجال من ھؤلاء“ اسی طرح صحیح مسلم ص۳۱۲ ج ۲ سنن ترمذی ص۲۳۲ ج ۲۔ نسائی ص ج میں ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے۔ اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان کی ابتدا میں ابوہریرہ رضؓ کی روایت متعدد سندوں سے ذکر کی ہے۔ سب میں بلاشک جمع کی

تعیین ہے۔ اسی بنا پر فتح الباری ص۲۵۲ ج ۸ اور عمدۃ القاری ص۲۳۷ ج ۱۹ منیر یہ میں بھی اس کو متعین قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ابو نعیم نے دیگر صحابہؓ ابن مسعودؓ جابر ابن عبداللہؓ۔ سلمانؓ، عائشہؓ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ سب میں جمع کا لفظ بلا شک مذکور ہے۔ اور سیوطی نے "تبییض الصحیفہ" میں بحوالہ القاب الشیرازی قیس بن سعد کی حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں بھی جمع کا لفظ ہے۔ کسی حدیث میں "رجال" کسی میں "رجال من ابناء فارس" کسی میں "قوم من اھل فارس" الفاظ مذکور ہیں۔ پس کسی ایک کا سوال نہیں رہا۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی خصوصیت نہیں رہی۔ نیز ابو نعیم رحمہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

لو کان ھذا الدین معلقاً بالنجم لتمسك به قوم من اھل فارس برقة قلوبھم۔

اگر یہ دین ستارہ کے ساتھ معلق ہوتا تو بھی فارسیوں کی ایک قوم رقتہ قلبی کے ساتھ اس کو پکڑ لیتی (حاصل کر لیتی)

یہ اخیری جملہ قطعی طور پر فیصلہ کرتا ہے کہ جمع کا لفظ ہے۔ اس پر جو مصنف رسالہ نے عذر پیش کیا ہے کہ

"لفظ مفرد یعنی لنالہ رجل کی روایت میں اصل ابو حنیفہ کی طرف اشارہ ہے اور" "لنالہ رجال لفظ جمع والی روایت میں آپ کے اصحاب اور تلامذہ اور اتباع کی طرف" اشارہ ہے۔" الخ ص۱۲۵ س۱۹۔

یہ کئی وجہ سے غلط ہے اول یہ کہ لفظ مفرد کی مستقل روایت نہیں ہے بلکہ ایک روایت میں مع الشک وارد ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "لنالہ رجال او رجل من ھولاء" (بخاری) اور اس کی تعیین دوسری متعدد روایتوں سے ہوگئی کہ لفظ جمع کا ہے اور شک دور ہو گیا لہٰذا

دو روایتوں کا عذر بیکار ہے۔ دوؔم یہ صحیح جب ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سب اتباع فارسی ہوں۔ کیا آپ غیر فارسیوں کو حنفی پنچائت سے خارج کر دیں گے؟۔ سوم بلکہ یہ لازم آئے گا کہ امام ابو حنیفہ اور دوسرے اسکے اتباع ایک ہی درجہ میں ہیں۔ صرف امام کو فضیلت نہیں رہی۔ چہارم یہاں یہ بھی لازم آئے گا کہ حنفیہ سب مجتہد ہیں مقلد کوئی نہیں۔ کیا ہے غیر مقلد بننا گوارا؟ اور بصورت دیگر امام صاحب بھی مجتہد نہیں رہتا۔ ثانیاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اہل فارس سے ہونا یقینی نہیں، بلکہ اہل علم اس کو تیمی لکھتے ہیں۔ دیکھو تقریب تہذیب تذکرۃ الحفاظ شذرات الذہب تاریخ بغداد طبقات ابن سعد الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم العبر للذہبی التاریخ الکبیر للبخاری تہذیب الاسماء للنووی طبقات القراء للجزری المعارف لابن قتیبۃ تاریخ ابن کثیر اور تنسیق النظام للسنبہلی ص۳ میں ہے کہ

"وکان جده من کابل وقیل بابل وقیل من الانبار" اھ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا دادا (زوطی) اہل کابل سے تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ بابل سے تھا۔

اور کہا گیا ہے کہ انبار سے تھا۔

اب اس اختلاف کے باوجود ان کو فارسی کہنا یقینی امر نہیں۔ نیز جس روایت کی بناء پر ان کو فارسی الاصل کہا گیا ہے وہ تاریخ بغداد ص۳۲۵ ج۲ میں اس سند سے مروی ہے۔ انبانا القاضی ابو عبد اللہ الحسین بن علی الضمیری انبأنا عمر بن ابراهیم المقری ثنا مکرم بن احمد القاضی ثنا احمد بن عبد اللہ بن شاذان حدثنی ابی عن جدی سمعت اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ انا ثابت بن النعمان بن المرزبان من ابناء الفارس الاحرار الخ وھکذا ذکرہ السیوطی فی تبییض الصحیفۃ۔ لیکن یہ سند قابل قبول نہیں۔ اس لیے کہ خود امام صاحب کا پوتا اسماعیل ضعیف ہے۔ چنانچہ میزان ص۱۰۵ ج۱ اور تہذیب ص۲۹۰ ج۱ میں حافظ ابن عدی اور صالح جزرہ سے اس کی تضعیف

منقول ہے۔ اور تقریب ص۳۶۴ ہندی میں ہے کہ تکلموا فیہ اھ۔ اور اسکو نقل کرنے والا انسان
جس کا نام النضر بن سلمۃ المروزی ہے۔ وہ مشہور کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا تھا جیسا کہ میزان ص۲۵۴
ج۲ میں ابو حاتم دار قطنی سے منقول ہے کہ "کان یتھم بوضع الحدیث اھ اسی طرح
اسکے پیچھے ایسے راوی ہیں۔ جن کا حال معلوم نہیں پس یہ روایت مردود ہوئی۔ اسی لیے تقریب خواہ
تہذیب میں امام صاحب کا فارسی الاصل ہونا مجہول قول سے نقل ہے۔ یعنی یہ الفاظ ہیں کہ "یقال
فارسی وقیل فارسی" پس جب یہ بات یقینی نہیں تو اس حدیث " لنا لہ رجال من اہل
فارس" سے استدلال درست نہیں۔ ثانیاً اگر اس سے مراد مطلق عجم لوگ ہے تو بھی امام صاحب کی
خصوصیت کسی اور دلیل کی محتاج ہے۔ ثالثاً سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جس کے حق میں یہ حدیث
وارد ہوئی خود اس کی حدیث کے الفاظ تاریخ ابو نعیم میں اس طرح ہیں

عن ابی عثمان النھدی سمعت سلمان رضی اللہ عنہ یقول
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سلمان لو کان الدین
معلقا بالثریا لتناولہ ناس من اھل فارس یتبعون
سنتی ویتبعون آثاری ویکثرون الصلوٰۃ
علیّ الحدیث۔

ابو عثمان النھدی سے روایت ہے کہ میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے
سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے سلمان اگر دین ثریا
کے ساتھ معلق ہوگا تو بھی فارس میں سے لوگ اس کو حاصل کریں گے
اور وہ میری سنت اور احادیث کی اتباع کریں گے اور مجھ پر زیادہ
درود بھیجیں گے۔

یہی روایت حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری ص۳۵۲ ج ۸ میں ذکر کی ہے۔

ناظرین! قاعدہ یہ ہے کہ "الحدیث یفسر بعضہ بعضاً" اور اس حدیث نے صاف بیان کر دیا کہ اس حدیث سے مراد محدثین کرام ہیں، کیونکہ وہی بدون رعایت کسی مذہب تقلید کے حدیث و سنت پر عمل کرتے ہیں اور وہی اکثر درود بھیجنے والے ہیں۔ ہر وقت حدیث کا لکھنا پڑھنا سننا بار بار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام مبارک آنے پر درود بھیجو) انہی کا کام ہے۔ خود حافظ ابو نعیم کا قول ہے کہ

"لا یعرف لعصابۃ من العلماء من الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مما یعرف لھذہ العصابۃ نسخا وذکراً (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۳۶ مترجم)

زیادہ درود بھیجنے میں ہمارے علم میں محدثین کی جماعت کے برابر کوئی دوسری جماعت نہیں۔ نہ لکھنے میں نہ پڑھنے میں۔

الحاصل: یہ حدیث بر عکس اہل حدیث کا شرف بیان کرتی ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ کو اگر آپ اہل حدیث مان لیں تو پھر وہ بھی عموم حدیث میں داخل ہے لیکن اس سے ترجیح ثابت کرنا بے سود ہے اور امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ:

وقع ما قالہ صلی اللہ علیہ وسلم عیانا فانہ وجد منھم من اشتھر ذکرہ من حفاظ الآثار والعنایۃ بھا مالم یشارکھم فیہ کثیر من احد غیرھم (فتح الباری ص۳۵۲ ج ۸)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ فرمان بالکل ظاہراً واقع ہوا کیونکہ فارسیوں میں ایسے لوگ پائے گئے۔ جو علم حدیث جمع کرنے اور حفاظت کرنے اور اس پر عمل

کرنے میں مشہور تھے۔ ایسے دوسرے دن میں نہیں پائے گئے۔

خامساً۔ اگر معنوی حیثیت کو دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جنھوں نے حدیث نبوی کے حاصل کرنے کے لیے کافی محنتیں اور کاوشیں برداشت کیں اور طویل سفر کیا ہو۔ سو ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے رحلات مشہور نہیں بلکہ مناقب الامام للموفق ص۵۷ ج ۱ میں مذکور ہے کہ امام صاحب نے خود طلب حدیث کو اپنے لیے معیوب سمجھا۔ پس آپ کو اس حدیث کا مصداق کہنا سینہ زوری ہے۔ بلکہ اس سے وہی محدثین مراد ہیں جنھوں نے اپنی عمر طلب حدیث میں صرف کر دی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حدیث حاصل کرنے کے لیے حجاز، بصرہ، شام، مصر، عراق، جزیرہ، خراسان وغیرہا کا سفر کیا۔ اور چار مرتبہ بصرہ گئے اور بغداد کا آٹھ مرتبہ سفر کیا۔ تفصیل کے لیے مقدمہ فتح الباری وغیرہ دیکھیں۔ امام مسلم نے حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اس کا ترجمہ تہذیب الاسماء للنووی وغیرہ میں ہے۔ اور ابو حاتم رازی جس نے تین ہزار میل سے زیادہ پیدل سفر کیا (تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص۳۵۹) اور امام طبرانی جس نے تیس برس کی راتیں جنگل میں گذاریں (تذکرۃ الحفاظ ص۹۱۵ ج ۳ طبع ۳) اسی طرح ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، محمد بن نصر المروزی، ابن جریر وغیرہم کے رحلات مشہور ہیں۔ نیز بقی بن مخلد قرطبی جو کہ اپنے وطن سے چل کر کئی روز کے بعد بغداد میں امام احمدؒ سے حدیث پڑھنے کے لیے پہنچے اور امام احمد بن حنبل رح کی نظر بندی کی وجہ سے سائل بن کر ہر روز اس کے دروازے پہ آواز دیتا اور کھڑے کھڑے دو تین حدیثیں حاصل کرتا رہا (مختصر طبقات الحنابلۃ ص۸۱) محمد بن نصر المروزی ایک دفعہ مصر سے مکہ جاتے ہوئے کشتی کے غرق ہونے کی وجہ سے شدت پیاس سے موت کا منہ دیکھ چکا تھا (تہذیب ص۱۱۹ ج ۹) پس اس حدیث کے مصداق ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

قول ص۱۲۶ س۷ ” حافظ سیوطی کے تلمیذ خاص علامہ شامی صاحب سیرت فرماتے ہیں الخ

اقول :۔ صرف کسی کے کہنے سے بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، وبالخصوص جب کہ یہ بات قرائن سے رد کر دی گئی ہے۔

قول ص۱۲۶ س۸ ” جیسے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ عالم مدینہ کی بشارت والی حدیث میں امام مالکؒ کی طرف اشارہ ہے اور عالم قریش کی بشارت والی حدیث میں امام شافعیؒ کی طرف اشارہ ہے پس اسی طرح اس بخاری اور مسلم کی حدیث ” لنا له رجال من ابناء فارس “ میں اگر امام ابو حنیفہؒ کی بشارت کی طرف اشارہ ہو تو کیا محل تعجب ہے “

اقول :۔ لیکن محدثین نے امام ابو حنیفہؒ کے لیے . . نہیں ، . . بلکہ اس حدیث میں محدثین کی بشارت کی طرف اشارہ ہے ۔ کما مر ۔ ثانیاً امام مالکؒ تو مدنی ہیں ، ہمیشہ مدینہ شریف میں رہے ۔ اور امام شافعیؒ بھی قریشی ہیں ۔ پس ان دونوں کو ان حدیثوں کے مصداق کہنے کے لیے ایک وجہ موجود ہے ۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کا فارسی ہونا بھی یقینی نہیں پس کیسے وہ اس حدیث کا مصداق بن سکتا ہے ۔

قول ص۱۲۶ س۱۳ ” اور عالم مدینہ اور عالم قریش کی بشارت لو کان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس “ کی بشارت بہت بلند ہے “ الخ

اقول :۔ جب اس کا مصداق معین شخص نہیں تو یہ بحث ہی عبث ہے ۔ نیز مدینہ اور قریش والی روایتوں میں بنسبت اس روایت کے زیادہ تصریح ہے ۔ اور ثریا والی روایات میں نہ شہر کا تعین ہے نہ قوم کا ۔

قول ص۱۲۶ س۱۷ ” اور بعض علماء کا گمان ہے کہ ” رجل سے امام بخاریؒ مراد ہیں اور رجال کے لفظ سے مسلم اور ترمذی وغیرہ دیگر اکابر محدثین جو عجم میں گذرے ہیں وہ مراد ہیں “ الخ

اقول :۔ یہی صحیح ہے۔ کما مضی۔ لیکن علما التحقیق روایت میں جمع کا لفظ ہے۔ لہٰذا سب محدثین مراد ہیں۔ اور اس حدیث کا آیت "وّاخرین منھم لمّا یلحقوا بھم" سے تعلق بھی جب ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد رواۃ حدیث لیے جائیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس آیت میں خلف عن سلف دین کے اخذ کی طرف اشارہ ہے۔ اور دین نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔ جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اور وہی قرآن کریم کی صحیح تفسیر ہے۔ پس یہ انہی عجمی محدثین کی بشارت کا ذکر ہے۔ جنھوں نے جگہ جگہ سے احادیث حاصل کر کے جمع کیں۔ جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔

قولہ صفحہ ۱۲۶ سطر ۱۹ :۔ "اور شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا میلان اس طرف ہے کہ "لنالہ رجال" کی عموم میں امام ابو حنیفہ اور امام بخاری دونوں ہی داخل ہیں۔" الخ

اقول :۔ بحمد اللہ شاہ صاحب کے قول سے ہماری بات کی تائید ہوئی۔ اور یہی محدثین کی تحقیق ہے۔ لیکن اس عموم میں امام ابو حنیفہ رح کو داخل کرنا اس شرط سے ہے کہ اس کو بھی اہل حدیث ہی سمجھا جائے۔ ایضاً شاہ صاحب کے اس قول سے امام صاحب کی خصوصیت کا دعویٰ غلط ہوا۔ اور یہ وجہ اس کے مذہب کی ترجیح کے لیے بھی نہ بن سکی۔

قولہ صفحہ ۱۲۶ سطر ۱ :۔ "مگر صحیح اور راجح یہی ہے کہ اس حدیث میں امام ابو حنیفہ رح کی طرف اشارہ ہے۔" الخ

اقول :۔ کسی بات کو رد کرنے کے لیے صرف مگر وغیرہ کہنا کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ سابق تحقیق سے واضح ہوا کہ اس سے مراد صرف امام ابو حنیفہ رح نہیں ہے۔ باقی جو آپ نے بلند حقائق اور فقہی معارف کا ذکر کیا ہے۔ سو جناب جو فقہ الحدیث ہے وہ تو محدثین کو نصیب ہوئی۔ باقی دوسری فقہ کا حال تو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ فلیراجعہ

الحاصل :۔ یہ دس وجوہ جو مصنف نے ذکر کیں ان کی حقیقت خود منکشف کردی گئی ۔ بلکہ ہم مصنف کو مشورہ دیں گے کہ توالی التأسیس فی معالی ابن ادریس لابن حجر میں امام شافعی کے مناقب دیکھیں ۔ اور "الدیباج المذہب لابن فرحون" میں امام مالک کا ترجمہ دیکھیں ۔ اور "مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزی" کا مطالعہ کریں ۔ پھر فیصلہ کریں ۔ بلکہ جن کتابوں میں چاروں کے تراجم مذکور ہیں مثلاً تہذیب، تذکرۃ الحفاظ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، شذرات الذہب وغیرہا ان میں ایک کا دوسرے سے مقابلہ کرکے دیکھیں خود جلال الدین سیوطی جس سے آپ نے اس رسالہ میں بار بار اقتباسات ذکر کیے ہیں ۔ اس نے چاروں اماموں کے مناقب میں مستقل رسائل لکھے ہیں ۔ انہی کا مطالعہ کرکے انصاف کریں ۔

قولہ ص ۱۲۷ س ۸ " امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ مکتوب ۵۵ پنجاہ وپنجم از دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں ۔"

اقول :۔ اس عبارت میں امام ابوحنیفہ کی تعریف کی گئی ہے ۔ یہ رسالہ کا موضوع نہیں ہے ۔ بلکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ تقلید نبیوں کی شایان شان نہیں ۔ جیسا کہ رسالہ "اجتہاد و تقلید" ص ۱۳۱ س ۲ پر مذکور ہے اور ترجیح کے لیے جو کچھ وہاں لکھا گیا ہے ۔ اس کے لیے کوئی دلیل نہیں دی ۔ صرف کسی بزرگ کا لکھ دینا بلا دلیل کافی نہیں ہو سکتا ۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں اور فارسی عبارت کا جو مصنف رسالہ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس کو لے کر سلسلہ وار کلام کرتے ہیں ۔

قولہ ص ۱۲۷ س ۱ " قرآن مجید تمام احکام شرعیہ بلکہ تمام گذشتہ شریعت کا جامع ہے (الی قولہ) ان دونوں مظہروں میں بہت فرق ہے ۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کو مجال اور گنجائش ہے ۔ اور دوسرا اعلام یزدانی اور القاء ربانی کے ساتھ مؤید ہے جس میں خطاء کی گنجائش نہیں " ص ۱۲۸ س ۶ ۔

اقول :- بس یہی فرق فیصلہ کن ہے۔ کیونکہ ثابت ہوا کہ قیاس ورائے قابل اعتماد نہیں اور ظاہر ہے کہ جو خطا کا محتمل ہو اس پر عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ لہٰذا اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس کو ترک کر کے مؤید بالوحی جس میں خطا کا امکان نہیں۔ اس پر کفایت کی جائے۔ ایضاً جس میں خطاء کی گنجائش ہے اس میں تحقیق لازمی ہے۔ اور یہی تقلید کا خاتمہ ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ائمہ سب برابر ہیں۔ اور ترجیح اسی کے قول کو ہوگی جو کہ مؤید بالوحی ہوگا۔ کیونکہ ان میں معصوم کوئی نہیں۔

قولہ ۱۲۵ ص ۱۱۶ :- عجب نہیں کہ اس وقت کے علماء ظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجتہاد کے ماخذ کے دقیق اور عمیق اور پوشیدہ ہونے کی وجہ سے انکار کر جائیں۔ اور غامض اور دقیق ہونے کی وجہ سے ان کو کتاب وسنت کے مخالف جانیں۔"

اقول :- جو آپ کو پہنچائیں گے وہ کبھی ایسا خیال نہیں کریں گے۔ ثانیاً وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اسی عبارت میں تصریح آئے گی۔ پس وہ محض کتاب وسنت سے احکام بتائیں گے ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ثالثاً ہاں وہی مقلدین انکار کر سکتے ہیں۔ جن کو بلا تقلید مذہب براہ راست کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مسائل لینا گوارا نہیں۔ وہی اس پر یہ گمان کریں گے یا اس پر اتباع ہوئی کا فتویٰ لگائیں تو عجب نہیں۔ رابعاً یہ بات ہی خود بے سود ہے جتنے بھی احادیث میں نشان مذکور ہیں۔ ان میں ایسا کوئی نشان درج نہیں۔ یہ رجم بالغیب ہے۔

قولہ ۱۲۹ ص ۱۱۶ :" حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مثال حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سی مثال ہے جنہوں نے ورع اور تقویٰ کی برکت سے اور اتباع سنت کی بدولت اجتہاد واستنباط میں وہ درجہ علیا حاصل کیا کہ دوسرے اس کے فہم اور ادراک سے قاصر اور عاجز ہیں اور ان کے مجتہدات کو دقت معانی کی وجہ سے کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں۔"

اقول :- یہ غلو ہے کہ امام صاحب کو نبی کے برابر سمجھا جائے۔ ثانیاً ہم حیران ہیں کہ بقول شما

جب علماء اسکی خلاف اور اس کے اجتہاد کو قرآن و حدیث کے خلاف جانتے ہیں پھر آپ مقلدین کو اس کا برحق وصواب ہونا کیسے معلوم ہوا؟ ثالثاً آپ بتائیں کہ آپ کو امام صاحب کا اجتہاد کیسے صحیح معلوم ہوا؟ خود اجتہاد کیا یا کسی اور مجتہد کی تقلید کی؟ مجتہدین تو بقول شما اسکی اجتہاد کو قرآن و حدیث کے خلاف بتاتے ہیں۔ رابعاً جس اجتہاد کو علماء غلط بتائیں اس پر عیسٰی علیہ السلام کا علم قیاس کرنا کہاں درست ہے۔

قولہ ص۱۲۹ "امام ابوحنیفہ رحمہ کے دقائق کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہوتے۔ بلکہ ان ظاہر بینوں کے ظاہری اور سرسری سمجھ کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور یہ ظاہریہ ہیں۔ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے ان کو کتاب وسنت کے مخالف سمجھتے ہیں۔"

اقول: آپ تو مقلد ہیں پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مخالف نہیں ہوتے ہیں۔ ثانیاً جو حقائق مجتہدین کو معلوم نہیں ہوئے وہ آپ کو کیسے معلوم ہوئے۔ ثالثاً جو ظاہراً باطل نظر آئے اسکی تو اجتناب کا حکم ہے۔ رابعاً اگر اسکی سمجھنے سے علماء قاصر ہیں تو پھر امام صاحب کی فقہ بر اصول شما متعذر العمل رہی بلکہ اس کے لیے دوسرا مجتہد ہو جو ان دقائق کو حل کرے اس کی تقلید کریں۔ یہی عذر آپ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ خامساً ظاہریہ تو بقول شما نہ سمجھے۔ لیکن کیا آپ باطنیہ ہیں جو سمجھ گئے؟ سادساً کسی اجتہاد کے خطاء وصواب کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے۔ جو چیز ظاہراً خطا نظر آتی ہے وہ قابل اخذ کیسے ہوگی۔

قولہ ص۱۲۹ س۱۳ "اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے خیال کرتے ہیں" الخ

اقول: سابق صفحات میں تو یہ نام امام صاحب اور حنفیہ کے لیے آپ قابل فخر بتا آئے ہیں۔ ص۱۰۷ پر "لقب اصحاب الرائی" کے عنوان کے تحت اس لقب کو بڑی شدومد سے قابل تحسین ثابت کرتے ہیں۔ اب اسی نام پر چڑ کیوں؟

قول ص۱۲۹ سطر ۱ "امام شافعی پر امام اعظم ابو حنیفہ رح کے وقت نظر اور فقاہت کی باریکی اور گہرائی کا تھوڑا سا کرشمہ ظاہر ہوا"

اقول: جب ہی تو آپ پر تنقید کی دیکھو تاریخ بغداد۔ نیز امام شافعیؒ نے امام محمد رح سے مناظرہ کر کے ثابت کر دیا۔ بلکہ اس کو قائل کیا کہ امام ابو حنیفہ رح کے امام مالکؒ قرآن و حدیث اور فتاوی صحابہؓ میں زیادہ علم والا ہے۔ کما مر

قول ص۱۲۹ سطر ۱۹ "فرمایا کہ تمام فقہا اور مجتہدین امام ابو حنیفہ عیال ہیں"

اقول: یہ روایت امام شافعیؒ سے ثابت نہیں۔ کما مر تحقیقہ پس اس پر جو بناء رکھی گئی وہ قائم نہ رہ سکی۔

قول ص۱۳۰ سطر ۲ "یعنی تمام فقہاء کو ابو حنیفہ رح سے وہ نسبت ہے۔ جو عیال کو اپنے مربی اور سرپرست سے ہوتی ہے"

اقول: پھر ائمہ نے آپ پر تنقید کیوں کی اور آپ کی مخالفت کیوں کی۔ بلکہ بقول شما آپ کے مجتہدات کو تو قرآن و حدیث کے خلاف کیوں بتایا۔ جیسا کہ آپ نے اعتراف کیا نیز امام مالکؒ کے تو آپ شاگرد ہیں۔ کما مر

قول ص۱۳۰ سطر ۳ "افسوس ہے ان قاصر نظروں کی جرأت اور دلیری اور بے باکی پر جو کہ اپنے قصور فہم کو دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں"

اقول: آپ کو یہ کیسے علم ہوا یہ تو مجتہد کا وظیفہ ہے اور آپ مقلد ہیں۔ اور جو شعر لکھا ہے۔ وہ محض آپ کی خوش فہمی ہے "کل حزب بما لدیھم فرحون"

قول ص۱۳۰ سطر ۱۳ "اور اسی مناسبت کی بنا پر جو امام ابو حنیفہ رح کو عیسیٰ روح اللہ کے ساتھ ہے خواجہ محمد پارسہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام نزول کے بعد

امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم رح ابوحنیفہ رح کے اجتہاد کے موافق ہوگا!

اقول :۔ نعوذ باللہ من ھذا الغلو ۔ اولاً ہم پوچھتے ہیں کہ اس کا ثبوت کیا ہے کس حدیث میں مذکور ہے؟ اس قسم کی غیب کی خبریں دینے کا حق نبی کے علاوہ کسی اور کو کب حاصل ہے۔ ثانیاً عیسٰی علیہ السلام کی شان اجتہاد یا تقلید سے بہت اوپر ہے۔ اس مسئلہ پر سیوطی نے مستقل رسالہ بنام "الاعلام بحکم عیسٰی علیہ السلام" لکھا ہے جو "الحاوی للفتاوی للسیوطی" جلد دوم میں ص۱۵۵ سے ص۱۶۱ تک مندرج ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ اس کا علم بموجب قرآن و حدیث ہوگا۔ اور معرفت احکام کے تین طریقے ہوں گے۔ ایک یہ کہ انبیاء سابقین شریعت محمدیہ سے واقف ہیں۔ دوسرا یہ کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم سے احکام سمجھتے تھے اسی طرح عیسٰی علیہ السلام بھی سمجھیں گے۔ کسی اور کے سمجھانے کی اس کو ضرورت نہیں۔ تیسرا یہ کہ عیسٰی علیہ السلام باوجود نبی ہونے کے صحابہ کی جماعت میں بھی داخل ہے۔ جیسا کہ حافظ ذہبی تجرید الصحابہ ص۴۳۲ ج ا میں لکھتے ہیں کہ "عیسٰی بن مریم علیہ السلام صحابی ونبی فانہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء وسلم علیہ فھو اٰخر الصحابۃ موتاً اھ۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے "الاصابۃ" ص۵۲ ج ۳ میں ذکر کیا ہے اور تاج الدین سبکی اور مغلطائی سے بھی نقل کیا ہے۔ پس چونکہ اس کی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات ہے اور براہ راست دین لے لیا ہے۔ لہٰذا اس کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔ ثالثاً عیسٰی علیہ السلام کو مجتہد کہنا سخت توہین ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ "ارکان و شرائط اجتہاد" کیسے اس کو معلوم ہوں گے۔ یہی فقہی کتابیں دیکھے گا یا اپنے قواعد ایجاد کرے گا یا الہام و وحی کے ذریعے سے معلوم کرایا جائے گا! علی الاول وہ تو تابع ہوا نہ متبوع۔ کیونکہ جس امام کے اجتہاد کرے گا۔ تو اسی کا تابع ہوگا۔ مطلب یہ کہ تمہارے مولویوں کا شاگرد بنے گا اور

نورالانوار اور مسلم الثبوت اور تلویح وغیرہ پڑھ کر اجتہاد کرے گا۔ یہ اس کی کافی توہین ہے۔ نیز یہ کتابیں جو لوگ پڑھ رہے ہیں۔ وہ لوگ مجتہد کیوں نہیں بنتے اور آپ ان کو اجتہاد کی اجازت کیوں نہیں دیتے ہو؟ وعلی الثانی معلوم ہوا کہ مذاہب اربعہ کے اصول باطل ہیں۔ پھر ہم ان کو کیوں لیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے اس صحیح اصول کا کیوں نہ انتظار کریں۔ وعلی الثالث جب اصول اس کو الہام کے ذریعہ بتائے جاتے ہیں۔ تو احکام کیوں نہیں بتائے جاتے یہاں اجتہاد کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ رابعاً مذہب صرف امام ابوحنیفہ کا نہیں تھا۔ بلکہ سیوطی نے الحاوی ص۱۵۶ ج ۲ میں دس آٹھ کا ذکر کیا ہے۔ ان چار کے علاوہ وہ باقی چھ یہ ہیں سفیان ثوری اوزاعی لیث بن سعد اسحاق بن راہویہ ابن جریر داؤد اور کہا ہے کہ ان سب کے الگ اصول و احکام تھے۔ اور ان کے اتباع تھے۔ جو کہ ان کے اقوال کے موافق فتاویٰ دیتے تھے۔ اور ان کے مذاہب بھی مدون ہوئے۔ پس امام ابوحنیفہ کی خصوصیت کیا معنی رکھتی ہے۔ بلکہ ہر ایک یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اگر کہو گے کہ صرف چار مذاہب باقی رہے۔ اور دوسرے نہیں رہے۔ تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ نہ رہے تو کیا حرج ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان میں جو بھی حق ہو گا اس کو لے سکتا ہے۔ ایضاً اگر بقول شما دوسرے نہ رہے۔ تو بھی چار تو رہیں گے۔ پس ان میں سے ایک کی خصوصیت کس بنا پر ہوئی؟ خود لکھنوی صاحب نے "الفوائد البہیہ" ص۶ میں اس کی تردید کی ہے۔

قولہ ص۱۲۱ سطر۱ "معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی مذہب کی تقلید کریں گے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے کہیں بلند اور برتر ہے کہ وہ علماء امت کی تقلید فرمائیں۔"

اقول :- کئی خوش فہموں نے ایسا بھی کیا ہے جیسا کہ "الفوائد البہیہ" للکھنوی ص۷ میں مذکور ہے۔ اور ایسے قائل کو لکھنوی نے مجہول و متعصب کہا ہے۔ ایضاً جب اس کے اجتہاد کے

موافق عمل کریں گے تو بھی آپ کے قول کے مطابق مقلد ہی ہوا۔ جیسا کہ ص۶۲ پر لکھتے ہیں کہ "جو شخص کسی مجتہد کے استنباط کردہ مسائل اور دلائل کو سمجھ لے وہ بقدر فہم عالم تو ہے۔ مگر مجتہد نہیں" پس فرق کیا رہا؟ ایضاً ابوحنیفہ رح کی طرف منسوب اجتہاد تو پہلے موجود ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس کی موافقت کس اعتبار سے کریں گے۔ یا تو اسی سے لے گا بصورت تو اس کا متبع ہوا۔ بلکہ بقول شما مقلد ہوا۔ یا تو اسی کا الہام ہوگا۔ ایسے الہام کی کیا ضرورت جو کہ پہلے موجود ہے۔ کیا امام ابوحنیفہ رح کا اجتہاد بھی الہامی تھا۔ اگر نہیں تو کیا اس کی رائے نبوی الہام سے زیادہ مصیب تھی حی

اللہ ایسے غلو سے بچائے۔ "فانما هلك من كان من قبلكم بالغلو" الحدیث

قولہ ص۱۳۱ "یہ فقیر حقیر (مجدد صاحب) بلا شائبہ تکلف و تعصب کہتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں بزرنگ دریائے عظیم دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔"

اقول:۔ خود کشف کوئی شرعی حجت نہیں۔ ثانیاً جس کے عام علماء خلاف ہوں۔ جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ اس کی ترجیح و برتری کے لیے کشف کہاں صادق ہو سکتا ہے۔ ثالثاً خود صاحب مکتوبات الہام و کشف کو حجت نہیں جانتے۔ چنانچہ مکتوبات کے متعدد مقامات پر ایسی تصریح موجود ہے۔ ایک جگہ صاف ذکر ہے کہ

درمقت۔ از معارف ابن صوفیہ کشف و الہام است کہ خطا را بوے راہ است درمصداق صحت کشف و الہام مطابقت است باعلام اهل سنت اگر سر موئے مخالفت است از دائرہ صواب بیرون است (مکتوبات امام ربانی ص۱۱۶۔ مکتوب صدر دوازدہم دفتر اول۔ حصہ دوم۔

صوفیہ کی بناء کشف والہام ہے جس میں خطاء کی گنجائش ہے اور اس کا
معیار صحت یہ ہے کہ علم اہل سنت کے موافق ہو۔ اگر سر کے ایک بال کے
برابر ان کے خلاف ہوا تو دائرہ صواب اور برحق ہونے سے باہر ہے۔
اور خود امام ربانی کی اس عبارت میں ذکر ہوا کہ امام ابو حنیفہ رح کے مجتہدات کو علماء نے قرآن و
حدیث کے خلاف کہا ہے اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ
"الہام و کشف بر غیر حجت نیست" (مکتوبات صفحہ ۸۶ مکتوب سی و یکم ۳۱
دفتر اول حصہ اول۔ کسی ایک کا الہام یا کشف دوسرے پر حجت نہیں ہے۔
پس امام ربانی کا یہ کشف دوسروں پر کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔ اس کشف والہام
تو ستروہ خواب ہے ... لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیے ہیں۔ مثلاً
۱۔ امام احمد بن الحسن الترمذی کہتے ہیں کہ

کنت فی الروضۃ فأغفیت فإذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قد أقبل فقمت إلیہ فقلت یا رسول اللہ قد کثر الاختلاف فی الدین
فما تقول فی رأی أبی حنیفۃ فقال أف ونفض یدہ قلت
فما تقول فی رأی مالک فرفع یدہ وطأطأ وقال أصاب
وأخطأ قلت فما تقول فی رأی الشافعی قال بأبی
ابن عمی أحیی سنتی (تاریخ بغداد ص۱۹ ج ۲)

میں مسجد نبوی میں تھا۔ مجھے نیند آ گئی خواب میں دیکھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم آ رہے ہیں۔ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ!
(صلی اللہ علیہ وسلم) بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کی رائے کے

متعلق آپ کا کیا فرمان ہے۔ آپ نے "اف" فرمایا اور ہاتھ کو جھاڑا۔ میں نے
امام مالکؒ کی رائے کے متعلق پوچھا تو ہاتھ مبارک کو نیچے اُوپر کیا اور فرمایا
کچھ صواب کچھ خطاء دونوں ہیں۔ امام شافعیؒ کے متعلق عرض کیا تو فرمایا کہ وہ
تو میرا قریب ہے۔ اس نے میری سُنت کو زندہ کیا ہے۔

ناظرین! یہ خواب اس مقام پر دیکھا گیا ہے جس کو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کہا گیا
ہے، اور دیکھنے والا مشہور حافظ حدیث ہے۔ تقریب میں اس کو "ثقۃ حافظ" اور تذکرۃ الحفاظ میں
"الحافظ العلم" کہا گیا ہے۔ کیا اس خواب پر کچھ اعتبار ہے؟ اور امام شافعی رحمہ کو ترجیح دو گے؟

۲۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

بلغنا ان رجلا من الصالحین رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فی منامہ وھو یقول مالک اشتغلت بفقہ محمد بن
ادریس وترکت کتابی قال یارسول اللہ وما کتابک قال صحیح
البخاری (حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۵۱ ج ۱)

ہمیں خبر پہنچی ہے کہ کسی صالح بندہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں
دیکھا آپ نے اسے فرمایا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ فقہ شافعیؒ میں مشغول ہو گئے
ہو اور میری کتاب چھوڑ دی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!
آپ کی کونسی کتاب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ صحیح بخاری

ناظرین:۔ یہ صالح بندہ محمد بن احمد مروزی ہیں اور یہ خواب اس نے حرم بیت اللہ شریف
میں "بین الرکن والمقام" دیکھا ہے (اسماء الرجال مشکوٰۃ ص۱۵۱ طبع لاہور و بستان المحدثین
مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص۱۰۳)

۳ نیز بستان المحدثین ص۱۲۱ میں اس قسم کا خواب امام الحرمین سے بھی منقول ہے۔
ان خوابوں سے ظاہر ہے کہ صحیح بخاری کو چاروں فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔
۴ شاہ ولی اللہ صاحب اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ

رأیت الشفع الیہ صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل لدیہ لعلماء
الحدیث والدخول فی عدادھم وبعلم الحدیث و
حفظہ علی الناس عروۃ وثقی وحبلا ممدودا لا ینقطع
نعلیک ان تکون محدثا او متطفلا علی محدث ولا خیر
فی ماسوی ذینک فیما اری واللہ اعلم بالصواب۔
(فیوض الحرمین ص۱۲۹ مشہد ۲۴)

میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شفاعت ہے اور علماء محدثین
کے لیے توسل ہے اور وہ حضرات جو ان کے زمرہ میں داخل ہوں۔ اور
علم حدیث اور حفظ حدیث شریف ایک عروہ وثقیٰ اور حبل ممدود ہے۔
جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتی۔ لہٰذا واجب اور ضروری ہے کہ خود محدث ہو یا
محدث کا طفیلی۔ میری رائے میں ان دونوں باتوں کے علاوہ اور کسی چیز میں
خیر اور بھلائی نہیں۔ واللہ اعلم (ترجمہ مولانا عبدالرحمٰن صدیق کاندھلوی)

کیا اس مشاہدہ ومکاشفہ کو بھی مانتے ہو۔ اور اہل حدیث یا ان کے طفیلی بنو گے؟ کیا محدثین
کو فقہاء پر ترجیح دو گے؟ کیا فقہاء میں خیر جب مانو گے کہ وہ محدثین کے طفیلی ہوں؟ کیا یہ بھی
مانو گے کہ محدثین کے طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ میں خیر نہیں ہے؟

۵ محمد بن حماد طہرانی جیسے اپنا مثل نہیں دیکھا۔ (تہذیب ص۱۲۶ ج ۹) اور عارف نبیل تھے

(شذرات الذہب ص۲۷۱ ج ۲) اور تذکرۃ الحفاظ ص۶۱ ج ۲ طبع ۳ میں اس کو "المحدث الحافظ الثقۃ الجوال فی الآفاق" کہا گیا ہے اور محمد بن فرات نے اس کو عدل و ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ بغداد ص۲۶۲ ج ۳)

وہ اپنا خواب بیان کرتے ہیں کہ

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت یا رسول اللہ ما تقول فی النظر فی کلام ابی حنیفۃ واصحابہ أ انظر فیہا واعمل علیہا۔ قال لا۔ لا۔ لا ثلاث مرات قلت فما تقول فی النظر فی حدیثک وحدیث اصحابک قال نعم، نعم، نعم، ثلاث مرات (تاریخ بغداد ص۳۱۲ ج ۱۳)

میں نے خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) امام ابو حنیفہ رحمہ اور اس کے ساتھیوں کے کلام میں نظر کرنے کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ میں اس کا مطالعہ کروں اور اس پر عمل کروں؟ فرمایا نہیں، نہیں، نہیں، تین بار فرمایا۔ میں نے عرض کیا آپ کی احادیث اور صحابہؓ کے آثار کو دیکھوں اور عمل کروں۔ فرمایا ہاں، ہاں، ہاں تین بار فرمایا۔"

اس خواب سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی اور چیز ہے اور حدیث نبوی و اقوال صحابہؓ اور چیز۔

۳۔ امام دارقطنی اپنے استاد ابو جعفر احمد بن اسحاق بن بہلول سے نقل کرتے ہیں کہ

کان مذہبی مذہب اہل العراق فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم یصلی فرأیتہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم اذا رکع ثم اذا رفع رأسہ من الرکوع (سنن دارقطنی ص۱۱۰)

میں عراقیوں کا مذہب رکھتا تھا پھر میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب

ہیں دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ تکبیر اولیٰ کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کر رہے تھے۔

ناظرین! یہ شخص حنفی المذہب تھا جیسا کہ خود تصریح کی ہے اور اس کے حنفی ہونے کی تصریح ذہبی نے "العبر" ص۱۷۱ ج ۲ میں اور ابن العماد نے "شذرات الذہب" ص۲۷۶ ج ۲ میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ ص۲۸ میں اور یاقوت (وہی نے "طبقات الادبا" ص۸۲ ج ۱ میں کی ہے۔ نیز عبدالقادر قرشی نے بھی "طبقات الحنفیۃ" ص۵۷ ج ۱ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ایسے شخص کے خواب کو آپ ضرور ترجیح دیں گے۔

قولہ ص۱۴۲ "اور ظاہر حال کو بھی اگر ملاحظہ کیا جائے تو اہل اسلام کی سواد اعظم (یعنی روئے زمین کے دو تہائی مسلمان) امام اعظم ابوحنیفہ رح کے تابع و مقلد نظر آتے ہیں۔"

اقول:۔ اس پر کلام ہو چکا ہے۔ نیز اکثریت حجت نہیں۔ ایضاً ظاہر حال میں تو یہ نظر آتا ہے اور کتب چھوڑ کر امام احمد بن حنبل رح کی کتاب "العلل و معرفۃ الرجال" ص۲۵۱ ج ۱ میں ہے کہ "اہل الرائی لا یروی عنہم الحدیث" اور ص۲۳۶ ج ۱ میں ہے کہ: "بلغنی عن عبد الرحمن بن مهدی انه قال أخر علم الرجل ان ینظر فی رأی ابی حنیفة یقول عجز عن العلم" اور ص۱۹۸ میں ہے حدثنا عبد الله بن ادریس قال قلت لمالك بن انس كان عند نا علقمة والاسود فقال قد كان عند كم من قلب الامر هكذا وقلب ابی كفه علی ظهرها یعنی ابا حنیفة"۔ ایضاً اس اکثریت کو شاہ ولی اللہ صاحب یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ

وكان جمهور الفقهاء والمحدثين والمفسرين والمتكلمين والصوفية متمذهبين بمذهب الشافعية وجمهور الملوك وعامة اليونان متمذهبين بمذهب ابی حنیفة۔

(تفہیمات ص ۲۱۲ ج ۱)

"سو فقہاء محدثین مفسرین متکلمین اور صوفیہ تو شافعی المذہب گذرے ہیں اور اس کے برعکس جمہور بادشاہ اور عام یونانی (فلسفہ یونان والے) تو حنفی المذہب گذرے ہیں۔

اور پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ شافعیہ بھی اہل حدیثوں کی ایک جماعت ہے۔ اب شاہ صاحب کے اس کلام کے بعد ہم اور کیا لکھیں۔ صرف یہ کہ ع رضینا قسمۃ الجبار فینا معلوم ہوا اکثریت مراد ہے۔ ایضاً سواد اکثر نہیں۔ سواد اعظم ہے۔ نیز سواد اعظم سے حنفیت مراد لینا بڑی دلیری ہے۔ اولاً روایت "اتبعوا السواد الاعظم" جس پر بناء رکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں دیکھئے فی الاحکام لابن حزم ص ۵۲۵ ثانیاً ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

قالوا یا رسول اللہ ما السواد الاعظم قال من کان علی ما انا علیہ واصحابی (مجمع الزوائد قلمی ص ۱۲۸ باب ما جاء فی المراء)

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوادِ اعظم کیا ہے؟ فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر سوادِ اعظم سے وہی جماعت مراد ہوگی۔ جو تقلید نہیں کرتی کیوں کہ صحابہؓ کے زمانہ میں تقلید نہیں تھی۔

قولہ ص ۱۸ "نیز مذہب حنفی علاوہ اس کے کہ اس کے فرمانبردار بے شمار ہیں۔ اس میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ حنفی مذہب کے اصول و فروع تمام مذاہب سے الگ اور جدا ہیں اور اس مذہب میں استنباط کا طریقہ سب سے علیحدہ اور انوکھا ہے۔"

اقول: یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اس کے خلاف ہیں اور اس کو قرآن و حدیث کے خلاف کہا۔

جیسا کہ آپ خود کہہ آئے ہیں۔ ایضاً یہ اختلاف تحقیق کا مقتضی ہے کہ کسی کا اصل معتبر ہے۔ اور کسی کا غیر معتبر۔ اور کسی کا فرع صحیح ہے کسی کا غلط مقلد اس بات سے بے نصیب ہے۔ باقی فرمانبرداروں کی اکثریت سو شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ اکثریت امراء اور یونانیوں کی تھی نہ کہ محدثین یا فقہاء یا مفسرین یا صوفیہ کی۔

قولہ ص ۱۳۲ س ۲ "اور یہ معنی اس مذہب کی دقیق اور عمیق حقیقت کا پتہ دیتا ہے"

اقول: لیکن بے چارہ مقلد اس کو کیسے پہنچے گا؟ ہاں یہ مجتہدوں کا کام ہے۔ سو واقعی وہ پہنچے۔ اسی لیے تو بقول شما اس کے مخالف ہوئے۔ اور اس کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اور قرآن و حدیث کے مخالف بتایا۔ "لکل فن رجال"۔

قولہ ص ۱۳۲ س ۶ "دنیا کا عجیب حال ہے کہ اتباع سُنّت میں امام ابو حنیفہ رحمہ کا قدم سب سے آگے اور پیش پیش ہے (الی قولہ) باوجود اس کے پھر بھی مخالفین ان کو صاحب رائے جانتے ہیں"۔

اقول: صاحب رائے بھی آپ کہتے ہیں۔ اور اہل الرائے کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور اتباع سُنّت کا آپ کو کیسے پتا لگا یہ تو مجتہد ہی جان سکتے ہیں۔ باقی مراسیل و ضعیف روایات کو ماننا محدثین کا مذہب نہیں ہے۔ حالانکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ "ائمہ محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے" (ص ۱۴۳ س ۵) ایضاً ان کو امام اپنے قول پر مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن مقلدین تو برخلاف صحیح احادیث پر بھی آئمہ کے اقوال کو مقدم رکھتے ہیں۔ ایضاً محدثین تو کہتے ہیں کہ "لیس لاحد مع اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام" اور اسی بنا پر وہ کسی کا قول حدیث کے مقابلہ میں نہیں مانتے۔ یہی بات ابن ہمام نے فتح القدیر ص ۱۲ ج ۲ میں بھی کہی ہے اور یہ کسی امام نے نہیں کہا کہ میرا قول صحابہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بہتر ہے۔ بلکہ اگر اس کو رد کیا ہے تو صریحاً حدیث کے مخالف دیکھ کر اور یہی مسلمان مذہب ہے پس یہ کیسے صحیح ہوا کہ دوسرے اقوال صحابہ رضی اللہ عنہ سے اچھا معاملہ نہیں کرتے۔ اسی طرح مرسل

وغیرہ کو بھی اگر صحیح حدیث سے مؤید ہے تو لے لیتے ہیں۔ ورنہ تو بس یہ کہنا کہ "اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل اور حدیث ضعیف اور اقوال صحابہؓ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں، جو کہ امام ابوحنیفہ رح کے ہاں ہے" غلط ہوا کیونکہ ان کی بات اصولی ہے۔

قولہ صفحہ ۱۹۳ "اور بہت سی بے ادبی اور خلاف شان الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں"۔

اقول :۔ اہل حدیث بے ادبی کے قائل نہیں۔ لیکن "انزلوا الناس منازلھم" کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں یہ نہیں کہ جیسا کہ علامہ حالی نے کہا ہے کہ : ؎

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

ایضاً اہل حدیث اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بلکہ صرف متقدمین کے اقوال نقل کرتے ہیں ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ یہ کتب مطالعہ کریں۔ التاریخ الکبیر للبخاری کتاب العلل ومعرفۃ الرجال احمد بن حنبل کتاب الضعفاء النسائی الضعفاء للعقیلی الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم تاریخ بغداد للخطیب الکامل لابن عدی الضعفاء لابن الجوزی الطبقات لابن سعد وغیرہا۔

قولہ صفحہ ۱۹۳ "حالانکہ ان کے کمال علم اور کمال ورع وتقویٰ کا اقرار کرتے ہیں"۔

اقول :۔ جو سلف سے مروی ہے وہی نقل کرتے ہیں اور حافظ خطیب بغدادی نے دونوں باتیں نقل کی ہیں اور حافظ ذہبی میزان الاعتدال صفحہ ۲۳۶ ج ۲ میں امام صاحب کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

"وترجم له الخطيب فى فصلين من تاريخه استوفى كلام الفريقين معدليه ومضعفيه اهـ۔

قولہ صفحہ ۱۹۳ "اور کمال علم اور کمال ورع وتقویٰ کے بعد باقی ہی کیا رہ گیا"۔

اقول :۔ ابھی بہت باقی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

"وتكلم بعض اهل الحديث فى قوم من اجلة اهل العلم وضعفوهم من قبل حفظهم و وثقهم اخرون من الائمة بجلالتهم وصدقهم وان كانوا قد وهموا فى بعض مارووا" العلل الملحق بآخر الجزء الثانى من الترمذى ص۲۳۷۔

بعض اہل حدیث نے بعض اہل علم میں بوجہ کمزوری حافظہ کے ان میں کلام کر کے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ان کو باعتبار جلالت کے توثیق کی ہے۔ اگرچہ اسے اپنی بعض مرویات میں وہم بھی ہو گیا ہے۔

اور علامہ علی قاری مرقات میں سید جمال الدین سے نقل کرتے ہیں کہ

لابد فى كون الشخص ثقة من شيئين العدالة والضبط كما بين فى موضعه فاذا وجد فى الشخص العدالة دون الضبط يجوز ان يعدل باعتبار الصفة الاولى ويجوز ان يجرح باعتبار الصفة الثانية (ابكار المنن ص۱۲۱ ج ۱)

کسی شخص کے ثقہ ہونے کے لیے دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک عدالت دوسری ضبط جیسا کہ اپنے مقام پر ظاہر کیا گیا۔ پس اگر کسی شخص میں صرف پہلی وصف (عدالت) پائی گئی اور دوسری نہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ باعتبار عدالت اس کی تعدیل کی جائے اور باعتبار دوسری صفت (ضبط) اس پر جرح کیا جائے۔

یہ ساری باتیں تاریخ بغداد کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں جس کے حوالے آپ نے اس رسالہ میں بار بار دیئے ہیں۔

قولہ ۱۲۲ص۵ "حق تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت اور توفیق دے کہ دین کے سرداروں اور اسلام کے رئیس کے ساتھ خلاف ادب پیش نہ آئیں اور اسلام کے سوادِ اعظم (دو تہائی امت محمدیہ جو امام اعظم کی مقلد ہے) اس کو ایذا نہ پہنچائیں"

اقول :- کسی کو ایذاء پہنچانا اسلام میں روا نہیں ہے اور جرح و تعدیل یا تحقیق و تنقید ایذا رسانی نہیں ہے بلکہ امت کی خیر خواہی و بھلائی ہے۔

قولہ ۱۲۳ص۱۰ "لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں"

اقول :- اللہ کا نور تو قرآن و حدیث ہے۔ اس کے بجھانے کی کافر ہی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ نص قرآنی ہے۔ ثانیاً۔ فقہ حنفی تو بزعم شما نورِ الٰہی ہے لیکن باقی تین فقہیں مالکی، شافعی اور حنبلی جو اس کے خلاف ہیں وہ کیا ہیں؟ اگر سب نور ہیں تو تناقض کیوں؟ نور کی نقیض تو ظلمت ہوتی ہے۔ ثالثاً اگر ایک ہی نور ہے تو ہر ایک اسی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا خبر کون سچا کون کاذب۔ رابعاً آپ نے باوجود مقلد ہونے کے ایک کا نورِ الٰہی ہونا کیسے معلوم کر لیا۔ خامساً اگر نور بجھانے والوں سے آپ کی مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ حنفی پر تنقید کرتے ہیں، تو سب سے پہلے ایذا رسانی کے مرتکب آپ ہیں۔ کیوں کہ یہ صفت قرآن کریم نے کفار و مشرکین کی بیان کی ہے۔ جس کو آپ ان پر چسپاں کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ایذا رسانی کیا ہوگی۔ "ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئا فقد احتمل بھتانا و اثما مبینا (النساء ع ۱۶)

قولہ ۱۲۳ص۱۱ "جو لوگ اکابر دین کو اصحاب رائے جانتے ہیں۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اکابر دین صرف اپنی رائے سے حکم اور فتویٰ دیتے تھے اور کتاب و سنت کے متبع اور پیرو نہ تھے تو ان کے اس زعم فاسد اور خیال کاسد کی بناء پر یہ لازم آئے گا کہ اسلام کا ایک سوادِ اعظم گمراہ اور بدعتی ہو بلکہ جرگہ اسلام سے بھی خارج ہو"

اقول :۔ اہل الرائی بھی آپ ہی ان کو کہتے ہیں اور خود ہی کہتے ہیں کہ علماء ان کے مخالف تھے اور قرآن و حدیث کے مخالف جانتے تھے۔ اور اب خود ہی فتویٰ دینے لگے ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۲۳ سطر ۱۸ کیونکہ کتاب و سنت کو محض اپنی رائے سے حکم دے دینا یہ اسلام سے خروج کرنا ہے "

اقول :۔ یہی فتویٰ اہل اسلام کا ہے لیکن جب آپ خود اجازت دیتے ہیں کہ جن مسائل کے متعلق نص نظر آتی ہے۔ ان میں قیاس کرو۔ کیا یہ اپنی رائے کو استعمال کرنا نہیں ہے۔ کیوں کہ کیا خبر کہ یہ نص کے موافق ہوگا یا خلاف۔

قولہ صفحہ ۱۲۴ سطر ۱ "اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف اور جاہل کر سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بھی جاہل اور بے خبر ہے "

اقول :۔ ہم خود کچھ نہیں کہتے بلکہ متقدمین کے اقوال نقل کرتے ہیں، کیا وہ ائمہ مثلاً احمد بن حنبل، بخاری، نسائی، ابن عدی، دارقطنی، عقیلی، ابن المبارک ابن ابی حاتم وغیرہم، یہ سب معاذ اللہ جاہل و بے وقوف تھے اور بے وقوف بھی ایسے ان کو اپنی بے وقوفی کی بھی خبر نہیں تھی؟ خطیب بغدادی کی کتاب سے آپ نے صفحہ ۲۶ پر امام ابو حنیفہؒ کی تعریف میں چند روایتیں بھی نقل کی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب آپ کے ہاں معتبر اور اس کا مصنف مقبول ہے لیکن اس کتاب میں امام صاحب پر جرح و قدح کی بابت بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ کیا اس کو بھی ایسا ہی کہیں گے؟ حاشا و کلا

قولہ صفحہ ۱۲۳ سطر ۳ "یا یہ اعتقاد وہ زندیق اور بے دین کر سکتا ہے جس کا مقصود یہ ہو کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے "

اقول :۔ نصف یا اکثریت کا مسئلہ پہلے بیان ہو چکا ہے باقی یہ فتویٰ آپ کا سب سے پہلے ان محدثین و ائمہ پر جا پڑتا ہے جنہوں نے اہل الرائی پر تنقید کی ہے حالانکہ اس تنقید کو تو آپ نے

ص۲۱ پر عنوان "وجہ پنجم" کے تحت فخر شمار کیا ہے۔ ایضاً امام احمد بن حنبل رح نے زندیق اہل حدیث کے دشمن کو کہا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن الحسن الترمذی نے امام احمد سے ذکر کیا ہے کہ

ذکروا لابن ابی قتیلة بمکة اصحاب الحدیث فقال اصحاب الحدیث قوم سوء فقام ابو عبد الله وھو ینفض ثوبه فقال زندیق، زندیق زندیق ودخل بیته (علوم الحدیث الحاکم ص۴ وشرف اصحاب الحدیث للخطیب ص۷۶ وطبقات الحنابلة لابی الحسین ص۳۸ ج ۱ ومناقب الامام احمد لابن الجوزی ص۱۸۰)۔

مکہ مکرمہ میں ابن ابی قتیلہ کے ہاں اہل حدیث کا ذکر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ اہل حدیث بڑی قوم ہے تو امام احمد بن حنبل کپڑا جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور تین بار کہا۔ یہ شخص زندیق ہے زندیق ہے زندیق ہے۔ اسی طرح کہتا گھر داخل ہوا۔"

قولہ ص۱۲۲ سطر۵ "ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا اور شریعت کے احکام کو اپنی یاد کردہ احادیث میں محض سمجھ لیا ہے۔"

اقول:- (۱) صحاح ستہ اس کے علاوہ کتب حدیث بکثرت طبع ہو چکے ہیں۔ نیز حدیث کی کئی کتابوں کے قلمی نسخہ کتب خانوں میں نظر آتے ہیں جن سے سب مسائل معلوم کر لیے جا سکتے ہیں۔ صرف چند احادیث پر بنا نہیں رکھی ہے۔ نیز ہر ایک اپنے حسب علم و ادراک اجتہاد کرنے اور اس پر عمل کرنے کا مامور ہے۔ کیا قلت حدیث اجتہاد سے مانع ہے؟ امام ابوحنیفہ رح خود قلیل الحدیث ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ نیز دیکھو "الضعفاء للنسائی" "تنسیق النظام" للسنبھلی ص۸ تاریخ بغداد ص۴۲۲ ج۱۳ ج ۳ سیرة النعمان للشبلی ص۔۔ مقدمہ عمدة الرعایة للکھنوی ص۲۴ الجرح

www.KitaboSunnat.com

والتعدیل لابن ابی حاتم ص۳۵ ج ۴ قسم ۱، الکامل لابن عدی، المیزان الکبریٰ للشعرانی ص۲۲ ج ۱، قیام اللیل للمروزی ص۱۲۱، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص۶۷، نقض المنطق ص۲۳ لابن تیمیہ وغیرہا ۔
پھر آپ کو بھی مجتہد نہیں کہیں گے ؟

قولہ ص۱۳۴ شہ "اور اپنی معلوم کے ماسوا معدوم سمجھ لیا ہے" الخ

اقول :۔ یہ تو آپ کا مذہب ہے ۔ جبکہ قیاس کے قائل ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی نص نہیں ملتی تو فوراً غیر منصوص ہونے کا فیصلہ دے دیتے ۔ اہل حدیث کا تو مسلک یہ ہے کہ اگر نص نہ ملے تو اپنا ہی قصور سمجھیں ۔ اور جواب میں "لا ادری" کہیں ۔ کما تقدم

قولہ ص۱۳۴ سطر ۱۱ "ترجمہ شعر" الخ

اقول :۔ یہی حال مقلدین کا ہے کہ جو کچھ فقہی کتابوں میں دیکھا اسی کو زمین و آسمان سمجھا اور اہل حدیث تو دلیل کے طالب ہیں چاہے اس کے حاصل کرنے میں کتنی تکلیف کرنی پڑے ۔ امام حاکم ان کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

اصحاب الحدیث خیر الناس کیف لا یکونوا کذالک وقد
نبذوا الدنیا بأسرھا وراءھم وجعلوا غذاءھم الکتابة
وسمرھم المعارضة واستراحھم المذاکرة وخلوقھم
المداد ونومھم السھاد واصطلاءھم الضیاء وتوسدھم
الحصی فالشدائد مع وجود الاسانید العالیة عندھم
رخاء ووجود الرخاء مع فقد ما طلبوہ عندھم بؤس فعقولھم
بلذاذة السنة غامرة ۔ قلوبھم بالرضاء فی الاحوال عامرة
تعلم السنن سرورھم ومجالس العلم حبورھم واھل السنة قاطبة

اخوانهم واهل الالحاد والبدع باسرها اعداءهم۔

(علوم الحدیث للحاکم ص۳)

سب لوگوں سے اہل حدیث بہتر ہیں کیوں نہ ہوں انہوں نے دنیا ساری کو ترک کیا۔ اور حدیث لکھنے کو غذا سمجھا اور اس کے معارضہ کو رات کی مجلس مذاکرہ حدیث کو استراحت اور کتابت حدیث کی سیاہی کو اپنی خوشبو اور اس کی طلب میں بے خوابی کی نیند اور حدیث لکھتے وقت چراغ کو لینے سے تاپنے کی چیز اور پتھریوں کو اپنے لئے تکیہ جانا اور ہر تکلیف مع وجود اسانید عالیہ ان کے لیے بمنزلہ راحت اور راحت بوجہ نہ ملنے مطلوب حدیث کے ان کے لیے بمنزلہ سخت تکلیف کے ہے۔ حدیث کی لذت سے ان کی عقلیں بھری ہوئی ہیں۔ اور ہر حال (دکھ و سکھ) میں ان کے قلوب رضا سے آباد ہیں۔ حدیثوں کا سیکھنا ان کی خوشی ہے اور مجالس حدیث ان کے آثار ہیں۔ اہل سنت سارے ان کے بھائی اور ملحد اور اہل بدع سب ان کے دشمن ہیں۔

اور علامہ حالی مرحوم ان کا ذکر خیر یوں کرتے ہیں کہ ؎

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو
اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم دیں جس بشر کو
لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پر رکھ کر
دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر

قولہ ص۱۲۴ س۱۳ "ان لوگوں کے بے ہودہ تعصبوں اور فاسد نظروں پر ہزاراں ہزار افسوس"۔

اقول :۔ اس سے زیادہ تعصّب اور کیا ہے کہ اپنے قیاس کو منوانے کے لیے قرآن و حدیث کو ناقص کہا جائے اور روایات میں تاویلیں کر کے اپنے اماموں کے اقوال سے ملائی جائیں۔ جیسا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں گذرا۔ یا اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں تحریف تک کی جائے۔ خود مولوی عبدالحی لکھنوی نے "الفوائد البہیۃ" میں کئی علمائے حنفیہ کو تعصب کا شکار بتایا ہے۔ مثلاً طحاوی اور ابو منصور الاستوائی جنہیں لوگوں کو لڑا یا (ص۲۵) اور امیر کاتب العمید جس کی زبان مخالفین کے حق میں کھلی رہتی تھی (ص۵) اور قاضی عبدالرحمٰن بن علی التفہنی اور ابوالقاسم عبدالواحد العکبری اور علی بن بلبان علاؤالدین الفارسی اور عیسیٰ بن سیف الدین الملک اور محمد بن شجاع الثلجی جس نے سُنّت کے باطل کرنے اور حنفی مذہب کی مدد کرنے کے لیے حیلہ سازی کی (ص۱۷۱) اور محمد بن عبدالستار الکردری جس نے امام شافعی کی بُرائی کی ہے (ص۱۷۱) اور ابن الہمام اور بدرالدین عینی مصنف عمدۃ القاری اور ابوالقاسم ناصرالدین بن یوسف جس کی زبان ائمہ اور علماء کے حق میں کھلی ہوئی تھی (ص۲۲۰)

ناظرین ! حنفیہ کا تعصب یہاں تک پہنچا ہے کہ محمد بن عبداللہ البلاساغونی الترکی کا قول ہے کہ "لوکان لی أمرٌ لأخذت الجزیۃ من الشافعیۃ" (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ ص۱۳۶ ج ۲) یعنی اگر میری حکومت ہوتی تو میں شافعی مذہب والوں پر جزیہ مقرر کرتا۔ لیکن اہل حدیث ہر چیز کا معیار قرآن و حدیث جانتے ہیں۔ جو ان کے موافق ہے قبول کرتے اور جو مخالف ہے اس کو رد کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں بلکہ احقاق الحق ہے۔

قولہ ص۱۲۴ س۱۵ ۔ "کیا یہ نہیں جانتے کہ فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں"۔

اقول :۔ لیکن فقہ اہل الرائے جیسا کہ خود مصنف رسالہ نے بار بار لکھا ہے اور اہل حدیث

کے لیے فقۂ حدیث کافی ہے جو کہ براہ راست چشمۂ نبوت سے متفرع ہے۔ نہ کہ قیاس ورائے سے۔ جیسا کہ آپ کی عبارت مذکور ہوئی کہ "آپ کو ظاہر بین قرآن وحدیث کے مخالف اور اصحاب الرائی خیال کرتے ہیں۔" ص۱۲۹ سے ۵ تا ۱۴۔

قولہ ص۱۳۴ س۱۰ "اور فقہ کے تین حصے ابوحنیفہ رحمہ کے لیے مخصوص اور مسلم ہیں اور فقہ کے باقی چوتھے حصہ میں تمام فقہا شریک ہیں۔"

اقول:۔ اسی لیے تو آپ کو امام اہل الرأی کہا گیا ہے (میزان الاعتدال ص۲۳۷ ج ۳ حاشیہ تاریخ کبیر بخاری ص۸۱ ج ۴ قسم ۲، تاریخ بغداد ص۳۲۳ ج ۱۳، حاشیہ نقض المنطق ص۹ تنسیق انتظام للسنبھلی ص۱۱ عمدۃ الرعایۃ ص۲۵ وغیرہ) باقی فقہ الحدیث محدثین کے پاس ہے۔ "لکل فن رجال" فرجال للحرب و للقصعۃ رجال" اور فقہ اہل حدیث اور فقہ اہل الرائی کا فرق بیان کر دیا گیا ہے۔

قولہ ص۱۳۵ س۲ "فقہ میں ابوحنیفہ ہی صاحب خانہ ہیں اور باقی سب اس کے عیال ہیں" الخ

اقول:۔ لیکن فقہ اہل الرائی۔ اس لیے کہ فقہا محدثین تو آپ کے خلاف تھے کما ذکرناہ نیز فقہ اہل الرای کی ابتداء تو آپ نے ہی کی۔ اور فقہ محدثین تو قرآن وحدیث ہے جو کہ آسمان سے اترے اور اہل علم آسمان سے ہی علم لیتے ہیں نہ کہ نیچے زمین سے۔ امام ابن حبان کتاب الثقات طبقہ رابعہ میں ابوالاحوص محمد بن حبان البغوی کے ترجمہ میں روایت کرتے ہیں کہ

سأل رجل هشيما عن مسئلة فأجاب فيها فقال الرجل إن أبا حنيفة ومحمد بن الحسن وأصحابه يقولون كذا فقال هشيم يا عبد الله إن العلم لا يؤخذ من السفل

ایک شخص نے ہشیم بن القاسم بن معاویہؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جواب دیا

تو اس نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور اس کے ساتھی تو اس طرح (اس کے خلاف) کہتے ہیں تو ہشیم نے کہا کہ اللہ کے بندے علم نیچے زمین والوں سے نہیں لیا جاتا ہے۔

قولہ ص ۱۳۵ ج ۱: "باوجود مذہب حنفی کے التزام اور پابندی کے مجھے امام شافعی علیہ الرحمۃ سے محبت ذاتی ہے (الی قولہ) بعض اعمال نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔"

اقول:۔ معلوم ہوا کہ مجدد صاحب سب مسائل میں امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کو راجح نہیں مانتے تھے بلکہ بعض مسائل میں امام شافعی رح کے مذہب کو ترجیح دیتے تھے۔ کیا آپ بھی اس رائے میں ان سے متفق ہیں؟

قولہ ص ۱۳۵ ج ۱: "دوسرے لوگ باوجود کمال علم اور کمال تقوی کے امام ابوحنیفہ رح کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔" الخ

اقول:۔ ع للناس فیما یعشقون مذاھب ۔ آپ کو ایسا نظر آیا۔ لیکن فقیہ اشہب بن عبدالعزیز مصری نے ان ظاہری آنکھوں سے امام ابوحنیفہ رح کو امام مالک رح کے آگے بچے کی طرح بیٹھے ہوئے دیکھا (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۰۹ ج الطبع ۳) اور عبارت پہلے گذر چکی اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کو امام مالک رح قرآن و حدیث اور آثار صحابہ رض میں امام ابوحنیفہ رح سے اعلم نظر آیا جیسا کہ اوپر واقعہ گذرا جس میں اس نے امام شافعی رح کے سامنے اقرار کیا۔ اسی طرح امام احمد بن الحسن الترمذی کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور امام شافعی رح ابوحنیفہ رح سے افضل بہتر نظر آیا اور ابو حسان زیادی کہتے ہیں کہ

ما رأیت محمد بن الحسن یعظم أحدا من أهل العلم تعظیمه للشافعی (التاج المکلل ص ۱۰۱)

ہیں نے امام محمد (امام ابوحنیفہ رح کا خاص تلمیذ اور رسالتی) کو امام شافعی رح کے برابر کسی عالم کی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اور قاضی ابوبکر احمد بن محمد الرملی الفقیہ کو یہ نظر آیا چنانچہ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

دخلت أهل العراق فكتبت كتب[1] فمن كثرة اختلافهما لم أدر بأيهما آخذ فصبرت من باب الطاق وأنا أريد الكرخ وقطيعة الربيع فحضرت صلاة المغرب فدخلنا المسجد فلما قلت الله أكبر تفكرت في قول أهل العراق من كان له إمام فقراءة الامام له قراءة وقول اهل الحجاز لا صلاة[2] إلا بفاتحة الكتاب قال فمن كثرة اختلافهما تركت الجماعة وخرجت فأصابني غم وبت مغموما فلما كان في جوف الليل قمت وتوضأت وصليت ركعتين قلت اللهم اهدني لما تحب وترضى ثم أويت إلى فراشي فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرى النائم دخل من باب بني شيبة مسنه ظهره إلى الكعبة ورأيت الشافعي وأحمد بن حنبل على يمين النبي صلى الله عليه وسلم يتبسم إليهما ورأيت بشر المريسي على يسار النبي صلى الله عليه وسلم مكلح الوجه فقلت يا رسول الله من كثرة اختلاف هذين الرجلين لم أدر بأيهما آخذ فأومأ إلى الشافعي وأحمد بن حنبل وقال أولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم

(حاشیہ: أهل العراق ركتب كتب أهل الحجاز)

ملہ اس روایت کو امام بخاری نے جزء القراءۃ ص۵ طبع دہلی میں باتفاق علماء حجاز و عراق غیر ثابت بتایا ہے منہ عفی عنہ

ملہ یہ صحیحین کی حدیث ہے اس کو امام بخاری نے جزء القراءۃ ص۲ طبع دہلی میں متواتر کہا ہے منہ عفی عنہ۔

والنبوة" ثم أومأ إلى بشر المريسي وقال: "فإن يكفر بها هؤلاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين" قال أبوبكر والله لقد رأيت هذه الرؤيا وتصدقت من الغد بألف دينار وعلمت أن الحق مع الشيخين (تهذيب تاريخ ابن عساكر ج۱ ص۲۵۲ ومناقب الإمام أحمد بن حنبل لابن الجوزی ص۴۲۳)

یعنی عراقیوں اور حجازیوں دونوں کی کتابیں لکھیں اور ان کے کثرت اختلاف کی وجہ سے پتہ نہیں لگتا تھا کہ کس کی بات کروں۔ ایک مرتبہ مسجد میں مغرب نماز شروع ہوئی۔ میں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی لیکن فکر میں پڑ گیا کہ عراقی کہتے ہیں کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی قرأت ہے (وہ خاموش رہیں) اور حجازی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں (لہذا ہر نمازی مقتدی ہو یا دوسرا سب کو فاتحہ پڑھنی ہے) اس اختلاف کی بناء پر میں حیران تھا کہ کیا کروں (فاتحہ پڑھوں یا نہ) بالآخر جماعت کو چھوڑ کر نکل گیا اور غمگین ہوا۔ اور غم کی حالت میں سو گیا۔ آدھی رات کو اٹھا وضو کر کے دو رکعت پڑھیں اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے وہ راہ بتلا جس کو تو پسند کرتا ہو۔ اور تو اس پر راضی ہو۔ پھر آ کر بستر پر سو گیا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی دیکھتا ہوں کہ آپ حرم شریف میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور آپ بیت اللہ شریف کو ٹیک لگا کر بیٹھے۔ آپ کے دائیں طرف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بیٹھے ہیں آپ ان کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ اور آپ کے بائیں طرف بشر مریسی (حنفی مذہب کا بڑا عالم اور امام یوسف کا خاص ساتھی "الجواہر المضیئۃ" ص۱۶۴ ج۱ الفوائد البہیۃ ص۵۴) بیٹھا ہے اس کا منہ پھرا

ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ان دو یاروں کے اختلاف کی وجہ سے میں نہیں جانتا کہ کس کی بات لوں۔ آپ نے امام شافعی رح اور امام احمد رح کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) یہ وہ ہیں جن کو ہم نے کتاب حکم اور نبوت عطا کی (نبوی وارث ہیں) پھر آپ نے بشر مریسی کی طرف اشارہ کرکے یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) اگر یہ ان کتاب حکم اور نبوت سے کفر کریں گے تو ہم ان پر ایسی قوم کو مؤکل کریں گے جو کہ ان سے کفر کرنے والے نہیں۔ ابو بکر رح نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ خواب دیکھا اور صبح کو ایک ہزار اشرفیاں خیرات کیں۔ اور جان گیا کہ انہی دو استادوں (شافعی و احمد) کے پاس حق ہے۔

بلکہ خود مجدد صاحب ایک جگہ تسلیم کرتے ہیں کہ مبلغین امت میں محدثین افضل ہیں دیکھو مکتوب پنجاہ وہفتم ۵۷ دفتر دوم ۲ حصہ ہفتم ۷ صـ ۲۱۔

قولہ ۱۳۵ " جس طرح مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد کا تابع ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اور عارفین معارف اور توحید میں اپنی فراست اور الہام کے تابع ہوتے ہیں "۔

اقول :- لیکن خطاء کا امکان دونوں میں ہے اور معیار قرآن وحدیث ہیں اور دونوں میں سے کسی کی بلا دلیل اتباع درست نہیں۔ خود مجدد صاحب الہام وکشف کو حجت نہیں مانتا ہے جیسا کہ ان کی عبارتیں ہم نے ذکر کیں۔ خود اسی مکتوب (جس سے آپ نے یہ عبارت نقل کی ہے) آخر میں بھی ایسا ذکر کیا ہے۔

قولہ ۱۳۶ " الہام دین کے پوشیدہ اسرار و معارف کو ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ کہ دین میں زیادہ کمالات ثابت کرنے والا ہے "۔

اقول : شرح عقائد نسفیہ ص۱۸ میں ہے کہ

والالهام المفسر بالقاء معنى فى القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشئ عند أهل الحق۔

الہام یا القا اہل حق کے نزدیک کسی چیز کی صحت کی معرفت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔"

ناظرین! یہ کتاب درسی ہے اور عقائد حنفیہ کا مجموعہ ہے دھکذا فی الکتب الأخر ایضاً۔

قولہ ص۱۳۶ "جس طرح اجتہاد اور استنباط شریعت کے پوشیدہ احکام کا مظہر ہے۔

اقول :۔ لیکن وہ اجتہاد قطعی نہیں، بلکہ تحقیق کا محتاج ہے۔ کما مضیٰ۔ اسی طرح الہام وغیرہ بھی سند نہیں ہے۔

قولہ ص۱۳۶ "اسی طرح الہام ان پوشیدہ اسرار و معارف کا مظہر ہے۔"

اقول : لیکن اگر قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے تو وہ ظاہر ہوئے اور بصورت دیگر اگر ان میں نہیں ہے۔ تو وہ باطل ہے۔ چاہے آپ ان کو اسرار سمجھو یا اضرار

قولہ ص۱۳۶ "جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔"

اقول :۔ محدثین تو سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ ان کے سامنے ہر وقت قرآن و حدیث موجود ہیں اگر ان کے موافق ہیں تو فبہا ورنہ مردود سمجھیں گے لیکن مقلدین واقعی نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ وہ تحقیق سے محروم ہیں۔ پھر کیا خبر یہ جو سر بتایا جا رہا ہے، حق ہے یا باطل؟ ایک جگہ تو مجدد صاحب صاف لکھتے ہیں کہ

در احکام اجتہادیہ بعد از ثبوت اجتہاد مستنبطاں و اختلاف آرائے ایشاں

حکم از نزد حق جل وعلیٰ نازل نے گردد کہ صواب را از خطاء جدا سازد وامتیاز
بحق از باطل نماید (مکتوب سی و ششم دفتر دوم حصہ ششم صفحہ ۹)

احکام اجتہادیہ میں جہاں مجتہدین اور مستنبطان کی آراء میں اختلاف ہو۔
وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ خطاء و صواب کو الگ کیا جائے۔
یہ امتیاز کیا جائے کہ ان مجتہدین میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

بعینہٖ یہی مفہوم آیت "فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول" کا ہے ثابت ہوا کہ اختلاف کے وقت اجتہاد کا حکم ہے اور اس طرح تقلید باطل ہوئی نیز قیاس بھی سند نہ رہا بلکہ حق و باطل کے امتیاز کرنے کا حکم ہے جو کہ قرآن و حدیث ہی سے ہو سکتا ہے۔ اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون وأفضل الصلوٰة والسلام سيد المرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم أجمعين۔

وأنا العبد

أبو محمد بديع الدين شاه عفي عنه

کتابت: محمد نواز عابد کیلانی
ضلع گوجرانوالہ

فہرست مضامین

تاثرات

(شارح سنن نسائی) استاذ العلماء محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ

''تقلید اور عمل بالحدیث'' کے مباحث صدیوں پرانے ہیں۔تقلید جامد کے رسیا اور اُمت کا درد رکھنے والے مصلحین اس موضوع پر سیر حاصل بحثیں کر کے خوب خوب دادِ تحقیق دے چکے ہیں۔

خیر القرون کے سیدھے سادھے دَور کے مدّتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہب اربعہ کے بعض مُقلد فقہانے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گل نہیں کھلائے حتیٰ کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام تک کو نیچا دکھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا جیسا کہ ساتویں آٹھویں صدی کے شافعی اور حنفی فقیہوں کی بعض کتابیں جن لوگوں کی نظر سے گزری ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔

گذشتہ قریبی سالوں میں ''اجتہاد و تقلید'' کے عنوان سے لاہور کے ایک حنفی دیوبندی مرحوم بزرگ نے بے ضرورت کاوش فرمائی تھی جس میں ترک تقلید کا ہی رونا رویا گیا ہے اسی کتاب کا تنقیدی جائزہ زیر تالیف ۔۔۔۔تنقیدِ سدید بر رسالۂ اجتہاد و تقلید۔۔۔۔ میں لیا گیا ہے۔تقلید جامد کی حمایت میں لکھی گئی اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں، وہی عامۃ الورود مغالطات جو علمائے دیوبند کی کتابوں اور رسالوں میں آج تک آتے رہے ہیں یعنی حنفی مذہب کے جذبات پر مبنی فضائل، مذاہب اربعہ پر اس کی ترجیح کا سفسطہ، متبوع و مقلد ہونے کی حیثیت سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مناقب میں غلو اور مبالغہ آرائی، اصحاب الحدیث پر اہل الرائے کے تفوّق کا طنطنہ، محدثین پر مقلد ہونے کا الزام بے ثبوت، مذاہب اربعہ میں حق کے انحصار کا دعوائے بلا دلیل، ترک تقلید کے مزعومہ مفاسد اور یہ کہ اجتہاد کا دروازہ اب مدتوں سے بند ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گُل سر سبد حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب (پیر آف جھنڈا) دامت برکاتہم وعمت فیوضہم [1] نے ''تنقیدِ سدید'' میں مقلدین احناف کے ان سب متمسکات پر مدلل و مبرہن اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہل ذوق مطالعہ شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔طعن و تشنیع سے احتراز کیا گیا ہے، بس نفس موضوع کو سامنے رکھا ہے، غیر ضروری باتوں سے اجتناب ہے اور ہر بات با حوالہ ہے، اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے، یقین افروز اور بصیرت افزا۔اُمید ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی واللہ الموفق

هذا وصلى الله علىٰ سيدنا محمد وآله وصحبه وسلّم

خادم الحديث وأهله

ابو الطيّب محمّد عطاء الله حنيف بهوجيانى [1]

9 ربیع الاول 1403ھ ———— 26 دسمبر 1982ء

[1] اللہ عزوجل دونوں کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔